اسلام کے دشمن کون؟
حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر (انڈیا)

| | | |
|---|---|---|
| کتاب | : | اسلام کے دشمن کون ہیں؟ |
| تقاریر | : | علامہ مرزا محمد اطہر صاحب قبلہ (انڈیا) |
| مرتب | : | مولانا ندیم عباس حیدری علوی |
| نظر ثانی | : | علامہ ریاض حسین جعفری، فاضل قم |
| پروف ریڈنگ | : | معصومہ بتول جعفری ایم۔اے |
| فنی تعاون | : | زہرا بتول جعفری، محدثہ بتول جعفری |
| تزئین | : | محمد عمران حیدر جعفری |
| کمپوزنگ | : | ایم۔اعجاز احمد، احتشام اعجاز |
| اشاعت | : | دسمبر 2015ء |
| ہدیہ | : | 300 روپے |
| تعداد | : | 1000 |

ملنے کا پتہ

# اِدارہ مِنہاجُ الصَّالِحِین۔ لاہَور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔غزنی سٹریٹ۔اُردو بازار۔لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

# ترتیب

# مجلسِ اوّل

## موضوع: انسان اور دین کا رشتہ کیا ہے؟

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آلِ عمران: آیت ۱۹)

عزیزانِ محترم!

یہ اللہ کا فضل ہے اور مولاؑ کا کرم ہے کہ آج کی مجلس میرے پچاسویں عشرے کی پہلی مجلس ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدھی صدی مکمل ہو رہی ہے۔ یہ موقع ہر ایک کو نہیں ملتا۔ میں اس سلسلے میں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی سرکار میں شکرگزار ہوں اور پھر آپ حضرات کا بھی شکریہ کہ آپ حضرات نے میرے جیسے حقیر، کم علم آدمی کو اتنی عزت دی کہ مسلسل پچاس سال تک میری گفتگو کو سنتے رہے اور کہیں پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آپ اُکتا گئے ہیں یا گھبرا گئے ہیں۔

ہم نے یہ مجلس ۱۳۸۰ھ میں شروع کی تھی تو اس وقت یہ ہال کچھ بھرتا تھا کچھ خالی رہتا تھا اور کچھ مجمع لان میں بیٹھتا تھا۔ اس مجلس کا یہاں سے آغاز ہوا۔

آج پوری دنیا میں یہ مجلس سنی جاتی ہے۔ کینیڈا میں یہ مجلس براہِ راست دکھائی جاتی ہے۔ امریکہ میں اس کو سنتے ہیں، یورپ میں سنتے ہیں، گلف میں سنتے

ہیں اور جہاں جہاں محبانِ حسینؑ آباد ہیں وہاں وہاں یہ مجلس سنی جاتی ہے۔ پڑھنے والے کو بھی اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ جب پیغام کا پھیلاؤ بڑھ رہا ہے تو بات بھی کچھ ایسی کہی جائے کہ جو نوجوانوں کے لیے کوئی نہ کوئی اس میں message ہو اور کوئی نہ کوئی اس میں پیغام ہو۔ چناں چہ میں نے اس سال کے لیے جو اپنا subject معین کیا ہے وہ یہ ہے کہ میں یہ چاہوں گا کہ میں اپنی قوم کے نوجوانوں، بچوں اور بزرگوں کے سامنے حقیقی اور اصلی اسلام کی تصویر پیش کروں، اس لیے کہ اسلام اس وقت مشکل میں ہے اور اسلام کی تصویر کو بگاڑنے کی بہت سی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اسلام کے اُوپر بہت سے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ ظلم و دہشت گردی کو اسلام سے منسوب کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اسلام کے چاہنے والوں کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے دفاع میں، اسلام کی طرف داری میں کمر کس کے کھڑے ہوں اور خالی انھیں لوگوں کو جواب نہ دیں جو اسلام کے متعلق غلط تصور رکھتے ہیں بل کہ ان کو سمجھانے کی کوشش بھی کریں جن کے غلط عمل کی وجہ سے اسلام کی تصویر بگڑ رہی ہے۔ یہ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو سمجھائیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ اس طرح سے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کر سکیں گے۔ اس طریقے سے آپ اپنے مذہب کو لوگوں کی نگاہوں میں محبوب بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ آپ اسلام کو اس طرح پیش کیجیے جس طرح سرورِ کائناتؐ نے پیش کیا تھا، آپ اسلام کو اس طرح پیش کیجیے جس طرح ائمہ اطہارؑ نے پیش کیا تھا، آپ اسلام کو اس طرح پیش کیجیے جس طرح علیؑ اور اولادِ علیؑ نے پیش کیا تھا اور اگر اسلام اس طرح پیش

کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ دنیا کے اکثر افراد اسلام کے متعلق اپنا نظریہ اور اپنا خیال بدلنے کے واسطے مجبور ہو جائیں گے اور وہ سوچیں کہ کچھ لوگوں کا کردار اسلام نہیں ہے بل کہ قرآن اسلام ہے، سیرت رسولؐ اسلام ہے اور کردار آلؑ رسولؐ اسلام ہے۔

بہر حال!

کوشش میری یہ ہوگی، جہاں تک ہو سکے اور جہاں تک میری حیثیت ساتھ دے کہ میں آپ کے سامنے اسلام کو پیش کروں اور اسلام کو پیش کرتے ہوئے یہ بھی واضح کروں کہ اسلام کا دشمن کون ہے؟ یہ بات بہت ضروری ہے کہ پتا لگائیں کہ کس ٹارگٹ سے ہمارے ساتھ دشمنی ہو رہی ہے۔ اسلام کے جو اصلی دشمن ہیں ان کا پتا لگانا ضروری ہے کہ کون ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جن کو ہم دشمن کہہ رہے ہیں اصلی دشمن وہ نہیں ہیں کوئی اور ہے اور ہماری تحقیق کسی غلط سمت جا رہی ہے۔ اس لیے کہ ڈاکٹر کی تشخیص اگر بگڑتی ہے تو اس کا نقصان مریض کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ اس طرح کی باتیں لوگوں تک پہنچائی جائیں جس سے اسلام کا وہ حسین چہرہ سامنے آئے جو انسانیت کے دُکھ درد کا علاج ہے اور جس کی وجہ سے انسانوں کی بھلائی جس میں پوشیدہ ہے، وہ تصویر دنیا کے سامنے آئے۔

بہر حال!

میرا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ میں پہلی مجلس میں اپنے موضوع کا تعین کروں کہ

مجھے اس عشرے میں پڑھنا کیا ہے۔ اسی سلسلے میں، مَیں نے یہ بات عرض کی کہ میں آپ کے سامنے اس مذہب کو پیش کروں گا جس کے آپ ماننے والے ہیں اور ان دشمنوں کی نشان دہی کروں گا جنھوں نے اس مذہب کو بگاڑا ہے جس کے نتیجے میں آج اسلام ایک بگڑتی ہوئی شکل اور ایک بگڑتی ہوئی تصویر جو ہے وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

میں نے آیت اسی لیے ایسی شروع کی اس سے پہلے بھی میں اس آیت کو عشرے میں پڑھ چکا ہوں اور جو لوگ میرے عشرے سنتے رہتے ہیں ان کو یاد ہوگا مگر وہ مضامین جو پڑھ چکا ہوں کوشش کروں گا کہ وہ repeat نہ ہوں۔ اللہ قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

''یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔''

میں چاہوں گا کہ آج پہلی مجلس میں لفظ ''دین'' کی تھوڑی سی تشریح ہو جائے کہ اصل میں دین کیا ہے؟

''دین'' عربی لفظ ہے۔

''دین'' کسے کہتے ہیں؟ ''دین'' کیا ہے؟ ''دین'' کیوں ہے اور ''دین'' کا مطلب کیا ہے؟

دنیا میں انسان کو انسان بنانے کے لیے جو طاقت آئی ہے اور جو message آیا ہے اور جو پیغام آیا ہے اس کا نام ہے ''دین''۔

میں ڈکشنری کی مدد سے ''دین'' کے معنی نہیں بتا رہا ہوں بلکہ میں جو
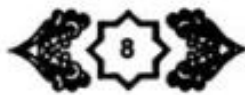
مقصد ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ دین وہ شئے ہے جو اس دنیا میں بننے والے انسانوں کو انسان بنائے اس کا نام ہے دین۔ دین بھیجنے والا وہی ہے جو انسانوں کا بنانے والا ہے۔ جس نے انسان بنائے ہیں اسی نے دین بنایا ہے۔ انسان بنائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے اچھائی ہو ان کے ذریعے دنیا میں پھول برسیں، یہ آگ نہ لگاتے پھریں۔ ان کے ذریعے امن و امان کی فضا پیدا ہو یہ فساد نہ پھیلاتے پھریں۔ اس لیے انسان بنائے گئے ہیں اور انسان کو انسان باقی رکھنے کے لیے اور انسان کی انسانیت کو برقرار رکھنے کے لیے دین بھیجا گیا ہے۔ اب انسان اور دین کا رشتہ کیا ہے؟

آج کی مجلس کا یہی موضوع ہے کہ انسان اور دین کا رشتہ کیا ہے؟

انسان کو بنانے والا بھی اللہ ہے اور دین کا بھیجنے والا بھی اللہ ہے۔ دین بھی اللہ نے بھیجا اور انسان کو بھی اللہ نے بنایا۔

انسان کیا ہے؟

انسان اس کائنات کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ انسان اس عظیم دنیا کا اکیلا شہ زادہ ہے۔ انسان اس کائنات کا حاصل ہے۔ انسان اس دنیا کا object ہے۔ جتنے مذاہب آئے وہ انسان کے لیے، جتنے رہبر آئے وہ انسان کے لیے، جتنے پیغمبر آئے وہ انسان کے لیے، جتنے دیوی و دیوتا آئے وہ انسان کے لیے، جتنی آسمانی کتابیں آئیں وہ انسان کے لیے، جتنی کوشش ہوئی وہ سب انسان کے لیے۔ اس لیے کہ خطرہ کسی اور سے نہیں ہے خطرہ صرف انسان سے ہے۔ جس کے متعلق معلوم

ہوتا ہے اس کے متعلق کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ آپ سمجھ دار ہیں آپ اس سے بچئے۔
اگر بچنے کا راستا نکال لیں گے تو خطرے کا راستا کچھ نہیں ہے۔ سانپ زہریلا
جانور ہے معلوم ہے مگر یہ بھی دنیا کو معلوم ہے کہ سانپ کاٹ لیتا ہے تو آدمی مر
جاتا ہے تو آدمی اپنے کو بچاتا ہے۔ شیر درندہ ہے پھاڑ کھاتا ہے آدمی کو مار ڈالتا ہے
تو آدمی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ شیر جو ہے وہ اگر جنگل میں کہیں مل جائے اور
اس کا موڈ خراب ہو تو وہ کھا پی کر آدمی کو ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا آدمی اپنے آپ کو
شیر سے بچاتا ہے کہ اس سے اپنی جان بچائے۔ اگر آدمی کو معلوم ہے کہ سانپ
زہریلا ہے تو اس کو نقصان کم ہوگا معلوم ہونے کے بعد' شیر کے متعلق معلوم ہے کہ
یہ پھاڑ کھاتا ہے' مار ڈالتا ہے اور گلے کا خون پی لیتا ہے تو شیر سے آدمی ڈرے گا
اور بچے گا۔ جس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ یہ سانپ ہے یا مور ہے' یہ شیر ہے یا
کبوتر ہے' یہ ہمیں کھانا کھلائے گا یا ہمارا خون پی جائے گا' یہ ہم کو زندگی بخشے گا یا ہم
کو زندگی سے محروم کر دے گا خطرناک وہ ہے۔ اب اپنا نظریہ بدلیے۔ آپ شیر کو
بُرا نہ کہیے' اپنے کو بچانے کی ترکیب کیجیے۔ سانپ کو بُرا نہ کہیے' اپنے کو بچانے کی
ترکیب کیجیے۔ اگر آپ کو ڈرنا ہے تو انسان سے ڈریئے جس کا کوئی بھروسا نہیں کہ
وہ کس وقت آپ کے ساتھ کیا کر بیٹھے گا۔ ناسمجھ لوگ رات کے اندھیرے میں
قبرستان جاتے ہوئے ڈرتے ہیں حالاں کہ جب سے دنیا قائم ہے آج تک ایک
ریکارڈ ایسا نہیں ہے کہ دس مُردوں نے قبروں سے نکل کر ایک زندہ کو مار ڈالا ہو
لیکن انسان اتنا بھولا ہے کہ مُردے سے ڈرتا ہے جو مارتا نہیں' زندہ کو گلے سے

لگاتا ہے جو گلا کاٹ لیتا ہے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

کوئی مذہب آج تک، آپ مجھے بتا دیجیے کہ کسی مذہب نے آ کر یہ کہا ہو کہ ہم جانوروں کے لیے آئے ہیں ٹھیک کریں گے انھیں۔ کسی نبی نے آ کر یہ کہا ہو کہ ہم درختوں کے لیے آئے ہیں ان کا حساب کتاب ٹھیک کریں گے۔ کسی پیغمبر نے آ کر یہ کہا ہو کہ ہم چاند ستاروں کے لیے آئے ہیں، ہم دریاؤں کی ہدایت کے لیے آئے ہیں، ہم پہاڑوں کو ٹھیک کرنے آئے ہیں، کسی نے نہیں کہا۔ جو آئے سب انسان کے لیے آئے، جو آئے سب اسی کو ٹھیک کرنے کے لیے آئے، جو آئے سب اسی کو بنانے کے لیے آئے۔ اللہ جس نے اس انسان کو بنایا ہے۔ یہ انسان دنیا کی سب سے پیچیدہ، سب سے دشوار اور سب سے مشکل مشین کا نام ہے۔ ابھی میڈیکل سائنس جتنی آگے بڑھ چکی، علم اتنا ترقی کر چکا لیکن اس انسان کے جسم میں کیا کیا ہے ابھی آپ کسی بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے پوچھ لیجیے اور انسان کا جو علم رکھتے ہیں ان سے پوچھ لیجیے وہ سب کہیں گے کہ ابھی ہم فائنل منزل تک نہیں پہنچے ہیں۔ ہر روز ایک نئی دریافت ہوتی ہے، ہر روز ایک نیا علم کا دروازہ کھلتا ہے، ہر روز ایک نیا باب کھلتا ہے، روز بہ روز نئے نئے معاملات سامنے آ رہے ہیں۔ میڈیکل سائنس ہے تو وہ روز روز ترقی کرتی جا رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ انسان جو بہ ظاہر ایک چلتا ہوا چھوٹا سا مجسمہ ہے اس میں کتنی کاریگریاں چھپی ہیں ابھی تک خود انسان کو نہیں معلوم کہ وہ کیا ہیں۔

اب اس انسان کو انسان کون بنائے گا؟ اس انسان کو انسان وہ بنائے گا جو آج سے چودہ سو برس پہلے اپنی محفل میں بیٹھ کر ایڈریس کر کے کہہ رہا تھا:

اَتَزْعَمُ اِنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ فِیْکَ انْطَوٰی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

"کیا تُو یہ سمجھتا ہے کہ تُو ایک چھوٹا سا مجسمہ ہے۔ ارے! تیرے اندر تو عالم اکبر پوشیدہ ہے۔"

یہ کون کہہ رہا تھا؟

یہ وہی کہہ رہا تھا جو منبر کوفہ پر بیٹھ کر "سَلُوْنِی" کہہ رہا تھا کہ پوچھ لو جو تمھارا دل چاہے۔ وہی کہہ رہا ہے کہ تیرے اندر عالم اکبر پوشیدہ ہے (نعرۂ حیدری)۔

ابھی تین چار دن پہلے کی بات ہے کہ لکھنؤ میں مولا علی علیہ السلام کے اُوپر ایک سیمینار ہو رہا تھا اور ایک بہت قابل اور بڑے ڈاکٹر جو علی گڑھ میڈیکل کالج کے پرنسپل تھے وہ تقریر کرنے کے لیے آئے اور انھوں نے مولا علی علیہ السلام کے تین جملوں کی وضاحت کی کہ انسان گوشت سے بولتا ہے' ہڈی سے سنتا ہے اور چربی سے دیکھتا ہے۔ یہ جملے مولا علی علیہ السلام کے ہیں۔ انسان کے متعلق کہ گوشت سے بولتا ہے' ہڈی سے سنتا ہے اور چربی سے دیکھتا ہے۔ انھوں نے باقاعدہ ریسرچ پیپر پڑھا۔ میں اس کا حوالہ دے رہا ہوں اور وہ پیپر میں آپ کو دکھا بھی سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ گوشت سے بولتا ہے' ہر ایک کی سمجھ میں آ گیا کہ ہاں انسان زبان سے بولتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ انسان کی سب سے چھوٹی ہڈی ہے جو اس کے کان میں ہے اور سننے کا تعلق جو بھی ہے وہ اس ہڈی سے ہے۔ اگر وہ ہڈی خراب ہو جائے تو

آدمی نہیں سن سکتا ہے۔ انھوں نے اس ہڈی کا نام بھی بتایا تھا لیکن ظاہر ہے کہ میرا وہ موضوع نہیں تھا اس لیے میں اس ہڈی کا نام نہیں بتا سکتا اور انھوں نے کہا کہ اس کے ذریعے سے انسان سنتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ جہاں تک چربی سے دیکھنے کا سوال ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا اس لیے کہ آئی فال میں چربی نہیں ہوتی تو مولا علی علیہ السلام نے یہ کیسے کہہ دیا کہ چربی سے دیکھتا ہے؟ اس کے بعد انھوں نے یہ بتایا کہ آج سے پندرہ سولہ برس پہلے کوئی دوا تھی جو چین میں لوگ استعمال کرتے تھے اور اس کے بعد ان میں اندھاپن پیدا ہونے لگا تو اس دوا کے اوپر research ہوئی تو معلوم ہوا کہ آنکھوں میں اور آئی فال کے نیچے کسی جگہ پر کچھ چربی ہے اور اس چربی کی وجہ سے آدمی کو دیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس دوا کا اثر یہ تھا کہ چربی ختم ہو جاتی تھی اور جب وہ چربی ختم ہو جاتی تھی تو لوگ اندھے ہو جاتے تھے چناں چہ اس دوا پر پابندی لگا دی گئی۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں یہ بات معلوم نہیں تھی۔ آج جب پندرہ سولہ برس پہلے جب اس بات پر research ہوئی تب یہ بات معلوم ہوئی کہ جو چربی اس دوا کے اثر سے ختم ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے انسان میں اندھاپن پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تب سمجھ میں آیا مولاؑ کا وہ جملہ کہ انسان چربی سے دیکھتا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

جو انسان کو پڑھانے انسان آیا تھا وہ علم میں اس دنیا سے کئی ہزار برس آگے تھا لہٰذا بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ابھی انسان سمجھا ہے اور بہت سی باتیں ایسی

ہیں جو ابھی انسان نہیں سمجھا ہے۔ خالی حوالے کے طور پر عرض کر دوں کہ اس ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر مہدی حسین ہے اور وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کے پرنسپل تھے اور وہ لکھنؤ میں رہتے ہیں۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا کی سب سے پیچیدہ اور مشکل مشین انسان ہے اور خالی یہی نہیں بل کہ انسان ہر مشین کی ماں ہے۔

ماں کا کیا مطلب؟

بھئی!

ماں ہی سے تو اولاد ہوتی ہے۔ وہ ماں ہی تو ہوتی ہے جس سے اولاد جنم لیتی ہے۔ دنیا میں جتنی مشینیں بنی ہیں چاہے وہ چاند پر جانے والی مشین ہو' چاہے وہ مریخ پر ہمارا پیغام لے جانے والی مشین ہو' چاہے پیچیدہ سے پیچیدہ کمپیوٹر ہو' یا بڑی سے بڑی مشینیں ہوں' چاہے چھوٹی سے چھوٹی مشینیں ہوں' ہاتھ میں آ جانے والی مشین ہو جیسے کیمرہ ہو یا لاکھوں ٹن کھینچنے والا بڑے سے بڑا انجن ہو یا کوئی مشین ہو' ہر مشین انسان نے بنائی ہے۔ جتنی مشینیں ہیں دنیا میں وہ سب اولاد ہیں اور انسان جو ہے وہ ان تمام مشینوں کی ماں ہے کہ جس نے سب کچھ بنایا ہے تو دنیا میں چھوٹی سے چھوٹی مشین جب آپ خریدیں گے یہ وڈیو کیمرے ہیں' ٹیپ ریکارڈرز ہیں' فوٹو بنانے والے کیمرے ہیں' گھر میں استعمال کرنے والی چیزیں ہیں' فریج ہے' ٹی وی ہے' روزمرہ کی چیزیں جو گھر میں استعمال ہوتی ہیں۔ جب آپ بازار جایئے گا اور آپ وہ مشین خریدیے گا تو مشین کے ساتھ کمپنی ایک

کتاب بھی دیتی ہے۔ یہ جتنے یہاں وڈیو کیمرے لگے ہوئے ہیں ان کے ساتھ کتاب ملی ہو گی۔ ان کا طریقہ استعمال بتانے کے لیے جو کمپنی مشین بناتی ہے وہ کتاب بھی ساتھ دیتی ہے لہٰذا اللہ نے انسان جیسی مشین کو بنایا تو دین کے نام کی کتاب بھی ساتھ میں کر دی (نعرۂ حیدری)۔

جس نے یہ مشین بھیجی بنا کر اس نے کتاب بھی ساتھ دی۔ مشین کا نام انسان ہے اور کتاب کا نام دین ہے۔ کتاب آپ کو بتاتی ہے کہ آپ اس مشین کو کیسے استعمال کریں۔ کس طریقے سے بہت دنوں تک یہ آپ کو فائدہ پہنچائے گی۔ کون سا کام ایسا ہے جس کے کرنے سے اس کو نقصان پہنچ جائے گا۔ اب ہندوستان کے ۲۲۰ وولٹ چلتا ہے تو یہاں کی مشینیں جو ہیں ۲۰۰ وولٹ پر چلتی ہیں۔ امریکہ میں ۱۱۰ وولٹ پر چلتی ہیں۔ اب اگر یہاں کی مشین وہاں اور وہاں کی مشین یہاں لگانا ہوتی ہے تو ساتھ میں ایک چھوٹی سی مشین آتی ہے ایک کنورٹر (converter) آتا ہے جو پاور کو کنورٹ کر دیتا ہے ورنہ یوں ہی اگر لگا دیجیے آپ تو انڈیا کی مشین امریکہ میں یا امریکہ کی مشین انڈیا میں جل جائے گی تو یہ چیز کتاب بتائے گی کہ اتنے پاور پہ چلے گی تو صحیح چلے گی ورنہ جل جائے گی۔ یہی تو مذہب بھی بتاتا ہے کہ یہ نہ کرو ورنہ جل جاؤ گے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

یہ جو کتاب ہے یہ بتاتی ہے کہ کیسے استعمال ہو۔ اب میں ایک چھوٹی سی مثال بچوں کو سمجھانے کے لیے دیتا ہوں کہ ہمیں ایک وڈیو کیمرہ خریدنا تھا ہمارے

دوست تھے انھوں نے کہا کہ ہم نے تو فلپس کا خریدا تھا اس کا بہت عمدہ کیمرہ ہے آپ بھی فلپس کا خریدیے گا' ہمارے پاس دس برس سے چل رہا ہے وہ اور آج تک اس میں کوئی خرابی نہیں آئی ہے۔ ہم گئے اور ان کے کہنے پر فلپس کا کیمرہ خرید لائے۔ انھوں نے ایک کتاب بھی دی۔ کتاب گر گئی کہیں' کیمرہ آ گیا گھر میں خیریت سے' ہم نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہے۔ اگر کتاب گر گئی ہے کیوں کہ ہمارے دوست کے پاس بھی فلپس کا کیمرہ ہے ان کے پاس کتاب بھی ہے ان سے مانگ لیں گے۔ ہم نے ان کو ٹیلی فون کیا اور کہا: بھئی! ہم نے کیمرہ تو آپ کے کہنے پر خرید لیا ہے لیکن اس کی کتاب راستے میں کہیں گر گئی ہے تو آپ اپنی کتاب بھیج دیجیے۔

انھوں نے کہا: نہیں اطہر صاحب! اس سے کام نہیں چلے گا۔ ہم نے کہا: بھئی! جو آپ کی کمپنی ہے وہی ہماری کمپنی ہے۔ انھوں نے کہا: صاحب! ہم نے خریدا تھا ۱۹۹۸ء میں اور آپ کے پاس ہے ۲۰۰۱ء کا ماڈل' تو یہ ماڈل بدل گیا ہے وہ پرانے ماڈل کی کتاب جو ہے وہ نئے ماڈل میں نہیں چلے گی۔

اب سمجھے آپ کہ پیغمبروں کے زمانوں میں شریعتیں الگ الگ کیوں ہو گئیں؟

بھئی! ماڈل بدلتے گئے کتابیں بدلتی گئیں (نعرۂ حیدری)۔

چھوٹا موٹا گھریلو سامان جو ہوتا ہے اس کے لیے تو آپ کتاب لے کر جاتے ہیں لیکن اگر ایک بہت بڑا پروجیکٹ لگا رہے ہیں' بڑی مشین منگوا رہے ہیں

تو جس ملک سے مشین آ رہی ہے وہیں سے فٹنگ کے لیے انجینئر بھی آئے گا۔ اب اگر آپ نے امریکہ سے مشین منگوائی ہے تو انجینئر بھی امریکن آئیں گے۔ اگر چین سے مشین منگوائی ہے تو اسے فٹ کرنے کے لیے انجینئر بھی ان کے ہوں گے اور اگر فرانس سے آ رہی ہے مشین تو انجینئر بھی فرانس سے آئے گا اور اگر جرمنی سے آ رہی ہے مشین تو انجینئر بھی جرمنی سے آئے گا۔ اب اگر یہ ضد پکڑ لیں آپ کہ مسین تو منگوائیں گے لیکن انجینئر یہیں کے، تو بڑی پریشانی ہو جائے گی اس لیے پروجیکٹ لگ جائے گا مگر وہ پروجیکٹ جو ہے اس میں گڑبڑ ہو جائے گی اس لیے کہ جہاں کی مشین ہے وہیں کے انجینئر بھی آئیں گے تو کام صحیح چلے گا۔ یہاں کے لوگوں سے گڑبڑ ہو جائے گی تو آپ نقصان بھی اُٹھا سکتے ہیں۔

بس عزیزانِ گرامی!

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ دین کو بتانے کے لیے رہبر معصوم ہو ورنہ دین تو رہے گا لیکن فائدہ نہیں ہو گا بجائے اچھے مسلمان پیدا کرنے کے دہشت گرد بننے لگیں گے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

جو کچھ ہے وہ انسان کے واسطے ہے، دین جو وہ انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک یہ بڑی ذہین مخلوق ہے جس کا نام انسان ہے اس کے علم میں اور دوسری مخلوقات کے علم میں فرق یہ ہے کہ ان کو جتنا علم فطرت نے، قدرت نے اور اللہ نے دے دیا ہے نہ وہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔

جانوروں کے پاس بھی کچھ معلومات ہیں وہ اپنا رزق تلاش کرتے ہیں' وہ اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ بعض پرندے اپنے گھونسلے بڑے خوب صورت بناتے ہیں۔ ان کے پاس بھی کچھ علم ہے مگر چڑیا جو گھونسلہ آج سے ایک ہزار برس پہلے بنارہی تھی ویسا ہی آج بھی بنارہی ہے اور ویسا ہی ایک ہزار برس بعد بھی بنائے گی اس کے علم میں کوئی اضافہ نہیں ہے کہ وہ ڈیزائن بدل دے' عنوان بدل دے' ماڈل بدل دے یہ چیز اس میں نہیں ہے لیکن انسان آج سے ایک ہزار سال پہلے جیسے گھر بنارہا تھا آج ویسے گھر نہیں بنارہا ہے اس کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ انسان کے علم میں اور دوسروں کے علم میں چاہے وہ دوسری مخلوقات ہوں یا فرشتے ہوں ان کے علم میں اضافہ نہیں ہوتا:

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۳۲)

"ہمارے پاس بس اتنا علم ہے جتنا تُو نے بتادیا اس کے آگے ہمارے پاس علم نہیں ہے۔"

یہ فرشتوں کا جواب تھا اس وقت جب حضرت آدم علیہ السلام بنائے گئے ہیں۔

دیکھیے! فرشتوں کا مرتبہ بہت بلند ہے (معاذ اللہ) کوئی ان کی شان میں گستاخی کی بات نہیں ہے لیکن میں سمجھنے کے لیے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ کمپیوٹر سے جواب ملتا ہے' کمپیوٹر بالکل صحیح جواب دیتا ہے۔ ہمارے جواب میں غلطی ہوسکتی ہے لیکن کمپیوٹر آپ کو بالکل صحیح جواب دے گا مگر جتنا اس میں فیڈ کردیا گیا ہے اس سے زیادہ جواب نہیں دے گا جتنا فیڈ کیا ہے کمپیوٹر آپ کو اتنا ہی علم دے گا لیکن

ایک انسان جس کو بڑھایا ہے آپ نے کل کو جو آپ چیک کریں گے تو وہ دو باتیں آپ کو اور بتا دے گا جو آپ نے اس کو نہیں بتائی تھیں۔ بات سے بات پیدا کرنا اور علم سے علم کو آگے بڑھانا، چراغ سے چراغ جلانا یہ انسان کا کام ہے۔ انسان کے علم نے انسان کو طاقت ور بنایا ہے۔ انسان کے علم نے انسان کو فائدہ مند بنایا ہے۔ انسان کے علم نے انسان کے واسطے آسانیاں فراہم کیں۔ علم ایک ایسی شے ہے کہ آپ کی خدمت اس طرح کر رہا ہے کہ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ کون سا خادم ہے آپ کا؟ جو آپ کی خدمت کر رہا ہے۔ آپ بمبئی آتے تھے آج سے پچاس برس پہلے کی بات ہے، آج سے چالیس برس پہلے کی بات ہے یہاں ہماری میز کی دراز میں ٹیلی گرام کے فارم رکھے رہتے تھے۔ ہم یہاں ایک ٹیلی گرام لکھتے تھے۔ اپنے گھر مسجد کے آدمی کو دیتے تھے تو وہ یہاں سامنے والے پوسٹ آفس میں جمع کرا آتے تھے جیسے وہ ٹیلی گرام گھر پہنچتا تھا تو ہمارے ماں باپ شکر خدا کرتے تھے کہ لڑکا ہمارا خیریت سے پہنچ گیا ہے لیکن آج جیسے ہی ہم جہاز سے اُترے اور ویسے ہی ہم نے اپنے موبائل سے اپنے گھر والوں کو اطلاع دے دی کہ پہنچ گئے ہم۔ اس علم نے ہم کو کہاں سے کہاں پہنچایا۔ یہ علم آپ کو فائدہ تو پہنچا رہا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ جس کو فائدہ پہنچ رہا ہو وہ انسان رہے، درندہ نہ بن جائے۔ جو نئے ایجادات ہیں وہ اس لیے استعمال ہوں کہ انسانیت کو فائدہ پہنچے اس لیے نہ استعمال ہوں کہ انسانیت کو نقصان پہنچے۔ سائنس کا کام یہ ہے کہ وہ آپ کو طاقت ور بنائے گا لیکن مذہب کا کام یہ ہے کہ طاقت ور کی طاقت کو صحیح

استعمال کرے گا۔ یہ مذہب کا کام ہے جو آدمی کی طاقت کو غلط نہ ہونے دے یعنی موبائل فون جو ہے اگر وہ گھر والوں کو اطمینان پہنچائے تو ٹھیک ہے کہ اضطراب میں نہ رہیں لیکن اگر اس موبائل فون سے کسی ڈاکہ زنی اور کسی چوری کی اطلاع نہ دی جائے کہ گھر خالی ہو گیا ہے جا کر ڈاکہ مار دو۔ یہ کام مذہب کا ہے جو انسان کو انسان بنائے۔ اس لیے قرآن مجید میں علم کے ساتھ حکمت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

دیکھیے!

بچے پہلے دین کو پہچانیں کہ واقعی دین کیا ہے تا کہ ان کے دماغوں میں جو کبھی کبھی یہ شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ یہ ہماری آزادی کو روکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔

مذہب کا کردار کیا ہے اور نبی آ کر کیا کرتا ہے؟ وہ قرآن بتائے گا آپ کو قرآن میں ایک جگہ پر نہیں بلکہ کئی مقامات پر یہ آیات موجود ہیں۔

سورۂ مبارکہ بقرہ میں یہ آیت یوں ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۱۲۹)

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَ يُزَكِّيكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۱۵۱)

سورۂ مبارکہ آلِ عمران میں یہ آیت یوں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ مبارکہ آلِ عمران: آیت ۱۶۴)

سورۂ مبارکہ جمعہ میں یہ آیت یوں ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ مبارکہ جمعہ: آیت ۲)

مذکورہ مقامات پر یہ آیات موجود ہیں لیکن یہ ٹکڑا جو ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ

یہ ٹکڑا تمام آیات میں ہے اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

ایک پیغمبر کی ڈیوٹی' دین لے کر پیغمبر آتا ہے تو پیغمبر کی ڈیوٹی سے آپ کو دین سمجھ میں آئے گا۔ سب سے پہلا کام پیغمبر کا یہ ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

"وہ آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں۔"

یہ آیاتِ الٰہی کی تلاوت کیا چیز ہے؟

آیئے! میں نے مذہب کو سمجھا زندگی سے ہے اور مذہب کو سمجھاتا بھی

زندگی سے ہوں۔ کتابوں کی بحثیں بڑی لمبی ہوتی ہیں اور کتابیں ہر ایک کو میسر بھی نہیں ہوتیں لیکن زندگی ہر ایک گزارتا ہے لہٰذا زندگی کا ترجمہ ہر ایک کو ہے۔

جب گرمی کا موسم ہوتا ہے اور سورج چمکتا ہے' تیز ہے اور گرمی بڑھتی ہے تو زمینیں خشک ہو جاتی ہیں۔ اکثر مقامات پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ گرمی کی وجہ سے زمینیں تپ جاتی ہیں اور ہم نے سفر کے دوران دیکھا کہ دیہاتوں اور جنگلوں میں زمینوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ ایسے عالم میں اگر آپ کچھ بونا چاہیں تو وہ اُگے گا نہیں۔ آپ اس میں کچھ دانے ڈالیے' کچھ بیج ڈالیے تو زمین اتنی گرم ہوتی ہے اور فضا میں اتنی گرمی ہوتی ہے کہ وہ دانے جل جائیں گے۔ زمین میں وہ اُگیں گے نہیں' پھر اس کے بعد اللہ کی قدرت سے موسم بدلنا شروع ہوتا ہے اور جب موسم بدلتا ہے تو بارشیں ہوتی ہیں۔ جب بارشیں ہوتی ہیں اور زمین پر پانی برستا ہے تو زمین میں نمی پیدا ہوتی ہے۔ زمین بھیگتی ہے اور بھیگنے کی وجہ سے اس میں اُگانے کی طاقت پیدا ہوتی ہے اور اب کسان نکلتا ہے اپنا ہل لے کر اور زمینوں کو تیار کرتا ہے۔ کھیتی باڑی شروع ہوتی ہے۔ اس میں دانے ڈالے جاتے ہیں اور پھر درخت اس میں سے اُگنا شروع ہوتے ہیں اور کھیتی باڑی کا کام شروع ہوتا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

جس طرح جنگل کی زمینیں مئی' جون کے آفتاب کی تپش میں اپنے اُگانے کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہیں' اسی طرح دماغوں کی زمینیں جہالت کے آفتاب کی تپش کی وجہ سے کلمہ حق سمجھنے کی طاقت کھو بیٹھتی ہیں۔ جہالت کی دھوپ اور ظلم کی گرمی

اور نہ جاننے کی حرارت انسان کے دماغوں کی طاقت کو چھین لیتی ہے اور وہ اچھے اور بُرے میں تمیز نہیں کر سکتے اور نیک اور بد کا فرق نہیں کر سکتے۔ وہ خیر و شر کا امتیاز نہیں کر سکتے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ یہ کیا ہے یا وہ کیا ہے لہٰذا اگر ایسے موقع پر اللہ کا پیغام انھیں سنایا جائے اگر ایسے موقع پر دین ان کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ دین کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے لہٰذا پیغمبرؐ سے پہلا کام یہ لیا گیا:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

"وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔"

یہ اللہ کی آیتوں کی تلاوت جو کرے گا پیغمبرؐ، یہ سمجھئے کہ ذہنوں کی زمینوں پر بارشِ کرم ہو گی۔ زبانِ پیغمبرؐ، آیاتِ اللہ کی یہ سمجھیے کہ بارش ہو رہی ہے کرم کی، جہالت کی تپتی زمینوں پر بارش ہو رہی ہے۔

سرورِ کائناتؐ نے اس دنیا میں آنے کے بعد آنکھ کھولتے ہی یہ نہیں کہہ دیا کہ میں رسول ہوں اور ہدایت کے لیے آیا ہوں بل کہ چالیس سال تک اپنے اَخلاق سے، اپنے کردار سے، اپنی سیرت سے، اپنے عمل سے، اپنے طور طریقے سے ان گندی اور تپتی ہوئی زمینوں پر کرم کی بارش کرتے رہے یہاں تک کہ عمر شریف جب چالیس کی حد کو چھونے لگی تو مکہ سے یہ آوازیں آنے لگیں کہ وہ صادق جا رہا ہے، وہ امین جا رہا ہے، وہ قریش کا تارا جا رہا ہے۔

یہ کس نے کہا کہ صادق ہے اور کس نے کہا کہ امین ہے اور کس نے کہا کہ قریش کا تارا ہے؟

انھیں کافروں نے جو نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ رسولؐ نے اپنے کردار سے ان میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ یہ وہ سمجھیں کہ سچائی اچھی ہے' جھوٹ بُرا ہے' خیانت بُری ہے' امانت اچھی ہے' کردار کی اچھائی قابل تعریف ہے اور کردار کی بُرائی قابل مذمت ہے۔ یہ پہلا مرحلہ تھا:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

''آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرے۔''

اب جب ذہنوں کی زمین اس قابل ہو گئی کہ اس میں دانہ ڈالا جا سکے تو پیغمبرؐ نے دانہ ڈالا اور اس کا اثر ہوا۔ اب دوسرا مرحلہ آیا:

وَيُزَكِّيْهِمْ

اس کا کیا مطلب ہوا؟ تزکیہ کہتے ہیں کسی چیز کو پاک صاف کرنا' تزکیہ کہتے ہیں کسی چیز سے بُرائی کو دور کرنا۔

وَيُزَكِّيْهِمْ

''ان کے نفوس کو پاک کرے۔''

ہمارا ظرف جو ہے' ہمارا نفس جو ہے جس میں ایمان ڈالا جائے گا' جس میں اسلام ڈالا جائے گا' جس میں قرآن کے اَحکام ڈالے جائیں گے' جس میں یہ بتایا جائے گا یہ بُرا ہے یہ اچھا ہے' یہ حرام ہے یہ حلال ہے' یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے' ایسا کرو ایسا نہ کرو' اس سے خدا خوش ہو گا اس سے خدا ناراض ہو گا۔ یہی سب باتیں تو بتائی جائیں گی نا؟ یہ باتیں بہت عمدہ ہیں لیکن جس برتن میں آپ ڈال

رہے ہیں اس کو پاک وصاف ہونا چاہیے۔

دیکھیے!

زندگی سے سمجھیے تو فوراً بچوں کی سمجھ میں دین آئے گا۔ اتنا بڑا پیالہ چینی کا' رات کو بہترین قورمہ اس نے کھایا اور کھا کر میز کے نیچے رکھ دیا۔ رات بھر بلیاں بھی آئیں اور بمبئی کے چوہے بھی آئے۔ مشہور زمانہ ہیں بمبئی کے چوہے اور انھوں نے اس کو چاٹا۔ وہ سویرے رکھا رہا ویسے ہی میز کے نیچے جب دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو بہت عمدہ سالن پکا تھا بہترین چکن تیار کیا گیا تھا اسی پیالے میں نکال دیا۔

کون کھائے گا؟

بھئی!

آپ کسی کو کھلا کر دکھایئے بل کہ آپ تو یہ کہیں گے کہ ارے! اطہر صاحب! مہربانی فرما کر ایسی مثالیں نہ دیجیے دل خراب ہونے لگتا ہے' کیسی مثال دے رہے ہیں آپ' وہ پیالہ جو رات بھر رکھا رہا جھوٹا' دھویا نہیں گیا اور اس کو چوہوں نے چاٹا اور دوپہر کے وقت اسی میں نکال دیا چکن کڑاہی' تو اسے آدمی کھا نہیں سکتا اور آدھے گھنٹے تک وہی سالن اس میں رکھا رہا جو ابھی ابھی تیار ہوا تھا اور وہ بہت عمدہ اور بہت مزے کا تھا لیکن وہ خراب ہو گیا۔ انھوں نے کہا: یہ تو خراب ہو گیا۔ کہا: خراب تو ہونا ہی تھا جب آپ نے جھوٹے پیالے میں نکال دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ سالن ٹھیک ہے جو پتیلی ہے وہ عمدہ ہے لیکن جس پیالے میں نکالا وہ عمدہ تھا اس

لیے خراب ہو گیا۔

اب سمجھے آپ اسلام کی کہانی!

اسلام بہت عمدہ ہے لیکن اگر انسانی نفس پاک نہیں ہے جو دین اس میں آئے گا وہ خراب ہو جائے گا (نعرۂ حیدری)۔

سالن تو بہت عمدہ پکا ہے اور ہر چیز بہت اچھی ہے لیکن آپ نے گندے پیالے میں نکال دیا۔ وہ آدھا گھنٹہ اس میں رہا تو وہ خراب ہو گیا۔ اس پیالے کی گندگی نے سالن کو خراب کیا۔ سالن خراب نہیں ہے پیالہ خراب ہے۔ یہی چیز ہمیں دنیا کو سمجھانا ہے کہ اسلام خراب نہیں ہے وہ گندے لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کو غلط کر دیا ہے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی! رسولؐ کا دوسرا کام یہ ہے:

وَيُزَكِّيهِمْ

انسان کے نفس کو شرک کی، حسد کی، برائی کی، غیبت کی گندگیوں سے پاک کرے، اپنے کردار کے پاک پانی سے نفس انسانی کی گندگیوں کو دھو کر ایسا پاک کر دے کہ جب اسلام جیسا دین اس میں ڈالا جائے تو وہ دنیا میں اچھے کارنامے دکھائے۔ یہ دوسرا مرحلہ ہے، اب تیسرا مرحلہ آتا ہے اور وہ یہ ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

اب پیغمبرؐ کا یہ تیسرا فرض ہے اور تیسری ڈیوٹی ہے کہ وہ کتاب کی تعلیم دے۔

عزیزانِ گرامی! مذہب کی تشریح کے لیے اس آیت کی تشریح ضروری ہے

لیکن اب میرے پاس وقت کم ہو رہا ہے اور اگر میں اس وقت علم کی بحث چھیڑ دوں تو نہ سمجھی ہو گی اس لیے کہ اس چند منٹ کے وقت میں، مَیں آپ کے سامنے علم کی بحث نہیں چھیڑتا' بات کل آگے بڑھے گی۔

پیغمبرؐ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ انسانی نفس کو گندگیوں اور برائیوں سے پاک کرے۔

تیسرا کام یہ ہے کہ وہ تعلیم کتاب دے۔

تعلیم کتاب کی منزل جو ہے دین کے سلسلے میں وہ انشاء اللہ زندگی رہی تو کل عرض کروں گا۔

## ذکرِ مصائب: شہادتِ سفیرِ حسینؑ

آج تو اتنا عرض کرتا ہوں کہ جن میں سے کفر کی گندگی دور نہیں ہو سکی تھی اور ذلالت و بے دینی کی نجاست ان کی ذات میں تھی بجائے اس کے وہ ایک اچھے مسلمان بنتے انھوں نے اسلام کے نام پر ظلم' فساد اور قتل و غارت گری شروع کر دی اور اسی چیز کو واضح کرنے کے لیے' رسولؐ تو دنیا سے جا چکے تھے مگر رسولؐ کا نائب' رسولؐ کی گود پلا جس نے رسولؐ کی زبان چوسی تھی' جس نے رسولؐ کی گود میں بیٹھ کر رسولؐ سے فیض حاصل کیے تھے' جس نے رسولؐ کے دوش پر جگہ پائی تھی' جو پشتِ رسولؐ تک پہنچا تھا وہ زندہ تھا وہ موجود تھا وہ نہیں دیکھ سکتا کہ اسلام کے نام پر ظلم بڑھے' اسلام کے نام پر ناانصافی کو فروغ ہو' اسلام کے نام کے اُوپر دنیا میں

برائیاں پھیلیں لہٰذا وہ دین کو بچانے کے لیے اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکر لینے کے لیے اُٹھا اور وہ ساری دنیا کے انسانوں کو یہ پیغام دے گیا کہ سب سے بڑی طاقت جو ہے وہ حق اور سچائی کی طاقت ہے اور سب سے بڑی کم زوری جو ہے وہ ظلم اور ناانصافی کی کم زوری ہے۔

یزید جو دنیا کو طاقت وَر دکھائی دے رہا ہے یہ دنیا کا کم زور ترین انسان ہے اس لیے کہ یہ ظلم اور ناانصافی کے راستے پر ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بہتر (۷۲) ساتھیوں کے ساتھ بہت کم زور دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ دنیا کے سب سے طاقت وَر انسان ہیں اس لیے کہ یہ حق و صداقت کا بول بالا کرنے کے لیے گھر سے نکلے ہیں۔ ۶۰ ہجری یا ۶۱ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام ظاہر بینوں کو کم زور دکھائی دے رہے ہوں لیکن چودہ سو برس سے گزرتی تاریخ حضرت امام حسین علیہ السلام کی طاقت کا کلمہ پڑھ رہی ہے کہ جس نے چھوٹے سے لشکر کو لے کر باطل کو ایسی شکست دی ہے کہ آج تک وہ اُٹھ نہیں پائے گا اور سلام ہو اس پر جس نے باطل کو ذلیل کرنے کے لیے اور حق کے بول کو بالا کرنے کے لیے یہاں سے وہاں تک سب انتظامات کیے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اچانک کربلا نہیں پہنچے۔ جب بیعت کا سوال اُٹھا اور جب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، رسولؐ کے نواسے اسلام کے حقیقی رہبر دولت کی بنیاد پر یزید کو بھی اسلام کا رہبر تسلیم کر لیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے صاف صاف بیعت سے انکار کیا اور

فرمایا کہ میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ یزید کو اسلامی رہبر تسلیم نہیں کروں گا۔ آپؑ نے یہ فرما کر مدینہ چھوڑا اور مکہ چلے گئے۔ مکہ جائے امن ہے۔ مکہ میں کوئی کسی کو ستا نہیں سکتا' مکہ میں کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا' مکہ حرم پروردگار ہے لیکن مکہ میں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو سکون نہیں ملا اس لیے کہ اللہ کے حرم کا وہی احترام کرے گا جو اللہ کا احترام کرے گا' جس کے دل میں اللہ ہی کا احترام نہ ہو وہ حرمِ الٰہی کا احترام کیا کرے گا۔ مگر سلام ہو حضرت امام حسین علیہ السلام پر، انھوں نے خود جانے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تاکہ دنیا میں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ حسینؑ اقتدار حاصل کرنے کوفہ جارہے تھے اور مسلمؑ کو اتنا پہلے بھیجا کہ کربلا میں پہنچنے سے پہلے پہلے خبر شہادت مسلمؑ مل گئی۔

عزادارو!

آج چاند ہوا نہیں' محرم کی پہلی رات نہیں ہے' ذوالحجہ کی آخری رات ہے' محرم حسینؑ کی شہادت کا مہینہ ہے اور ذوالحجہ مسلمؑ کی شہادت کا مہینہ ہے۔ سلام ہو حسینؑ ابن علیؑ کے اس سفیر پر جس کے ہاتھ پر پہلے کوفیوں نے بیعت کی اور اس کے بعد چند پیسوں کی لالچ میں بیعت توڑی اور مسلمؑ کوفہ میں اکیلے رہ گئے۔ مگر حسینؑ کا نمائندہ کبھی سچائی کے راستے سے قدم ہٹاتا نہیں ہے۔ مسلمؑ اکیلے تھے' ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ تھی' مسلمؑ کوفہ کی گلیوں میں چل رہے تھے' راستے میں یک گھر کے دروازے پر ایک عورت بیٹھی تھی جس کا نام "طوعہ" تھا۔ اس سے

تھوڑا سا پانی مانگا۔

میں کہوں گا: مسلمؑ! آپ کو پانی مل گیا مگر تمھارے ایک مہینے بعد حسینؑ کو کوئی پانی دینے والا نہ ہوگا۔

طوعہؓ پہچان گئی' اپنے گھر لے گئی' رات بھر مسلمؑ نے طوعہؓ کے گھر میں عبادت کی' سویرا ہوا' اس کا بیٹا ابن زیاد سے ملا ہوا تھا' اس نے ابن زیاد کو خبر کی' ابن زیاد نے ایک آدمی کی گرفتاری کے لیے پندرہ سو آدمی بھیجے اور مسلمؑ نے پندرہ سو کے لشکر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور فوج بھیجی گئی' آخر میں مسلمؑ کو دھوکے سے گرفتار کیا گیا اور ایک گڑھے میں گرایا گیا۔

بس عزادارو!

جب مسلمؑ ان کے دھوکے کے گڑھے میں گرے تو روایت میں ہے کہ وہ فوجی آگے بڑھے جن کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے' اس کے بعد زخمی شیر کو لے کر آئے۔

عزادارو!

سلام ہو اس پر جس کو وصیت کے لیے بھی کوئی اپنا نہ ملا۔ کوفہ کے دارالامارہ میں سارے دشمن تھے' مسلمؑ کو لے جا کر شہید کیا گیا۔ خبر شہادتِ مسلمؑ جب حسینؑ کو ملی تو حسینؑ کا قافلہ راستے میں تھا۔ حسینؑ نے اپنے چاہنے والوں کو بتا دیا کہ مسلمؑ شہید کر دیے گئے ہیں جس کا جہاں دل چاہے چلا جائے مگر چاہنے والوں نے حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

اب جب یہاں تک بات ہو گئی تو خیمے میں آئے، بہن کو بلایا، فرمایا: بہن! مسلمؑ کی بیٹی کو لاؤ۔

مسلمؑ کی بیٹی کو بلایا، زانو پر بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا۔ یہ بچی حسینؑ کی بھانجی تھی، عقیلؑ کی پوتی تھی، علیؑ کی نواسی تھی، تھی تو چھوٹی مگر سمجھ گئی، بچی نے عرض کیا: مولاؑ! میرے بابا کی خیر تو ہے آپؑ تو مجھ کو وہ پیار دے رہے ہیں جو یتیموں کو دیا جاتا ہے۔

میں کہوں گا: مولاؑ! رقیہؑ کو جتنا چاہیں پیار کیجیے مگر سکینہؑ کو ہٹا دیجیے گا اس لیے کہ سکینہؑ یتیم ہو کر تمانچے کھائے گی، تازیانے کھائے گی، کوئی اسے پیار دینے والا نہ ہو گا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

## موضوع: علم اور تعلیم کتاب

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکۂ آلِ عمران: آیت ۱۹)

عزیزانِ محترم!

ارشادِ اقدس ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

ہمارے آپ کے درمیان کل جو گفتگو شروع ہوئی ہے وہ گفتگو یہ ہے کہ ہم یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ نوجوان اور بچے یہ سمجھیں کہ دین کیا ہے اور دوسری بات یہ کہ اسی دین کے ذیل میں اور ذکر میں یہ بات بھی آئے کہ اسلام جو اللہ کا دین ہے اس کے دشمن اور مخالف کون لوگ ہیں اور کن لوگوں کی وجہ سے دین کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ابھی ہماری گفتگو دین کے اُوپر ہے۔ کل میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اللہ نے جن کو دین کا رہبر بنا کر بھیجا قرآنِ مجید میں ان کی ڈیوٹی بھی بتا دی کہ ان کے فرائض کیا ہیں اور میں نے آیتیں پڑھ کر قرآنِ پاک کی یہ عرض کیا تھا کہ رسولؐ کے فرائض میں جو باتیں بیان کی ہیں وہ یہ ہے:

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

یعنی دین کا جو رہبر آیا ہے اس کے فرائض میں یہ بات داخل ہے:

''جو آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرے، انسانوں کے نفوس کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کرے اور ان کو کتاب کی تعلیم دے اور ان کو حکمت کی تعلیم دے۔''

ہمارے اور آپ کے درمیان کل کی گفتگو میں دو چیزیں زیرِ بحث آئی تھیں:

(۱) يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (۲) وَيُزَكِّيْهِمْ

''آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاک کرے برائیوں سے، گندگیوں سے، خرابیوں سے اپنے پاکیزہ کردار اور اچھے اخلاق کی روشنی میں۔''

یہاں تک کل گفتگو ہوئی تھی لیکن آج کی گفتگو یہاں سے شروع ہوگی:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

''ان کو کتاب کی تعلیم دے اور ان کو حکمت کی تعلیم دے۔''

یعنی علم تک پہنچنے سے پہلے دو باتیں ضروری ہیں جبھی علم فائدہ دے گا ورنہ علم فائدہ نہ پہنچائے گا۔

یہ کہ ذہنوں کی زمینوں میں قبول کرنے اور اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، جو کسی چیز کو قبول کر سکیں اور اچھائی اور برائی کو سمجھ سکیں۔

دوسری چیز یہ کہ کردار پہلے بن جائے تب علم آئے تاکہ علم کا غلط استعمال نہ ہو، علم صحیح استعمال ہو۔ رسولؐ اس لیے بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ موضوع جو ہے یہ بہت ٹھنڈے دل اور بڑے اطمینان سے چند منٹ ٹھہر کر سننے کا ہے کہ اللہ نے اپنے اتنے نبی بھیجے حضرت آدمؑ سے لے کر سرورِ کائناتؐ تک جن کی تعداد تو بتائی گئی ہے نام سب کے نہیں بتائے گئے۔ اس لیے کہ اگر نام بتا بھی دیے جاتے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار نام یاد کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہو جاتا اور قرآن مجید جو ہے وہ ان ناموں کی فہرست ہو جاتا لہٰذا کچھ نام بتائے اور تعداد ٹوٹل بتادی کہ پوری دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے واسطے جو رہبر بھیجے ان کی ٹوٹل تعداد جو تھی وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ان ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جو پہلے بزرگ آئے وہ حضرت آدمؑ ہیں اور جو آخری سرکارؐ تشریف لائے وہ ہمارے حضور سرورِ کائناتؐ ہیں۔

پیغمبر کا کام کیا ہے؟

کتاب کی تعلیم دینا۔

جہاں سے سلسلۂ نبوت شروع ہوتا ہے۔ اگر آپ قرآن پاک کی روشنی میں دیکھیں گے تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ سلسلۂ نبوت حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور جہاں پر حضرت آدمؑ کا نام آتا ہے ان کا تذکرہ آتا ہے وہیں سے ان کے علم کا تذکرہ بھی آتا ہے۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۳۱)

”ہم نے آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔“

معلوم ہوا کہ آدمؑ نبی بنائے جانے سے پہلے تعلیم حاصل کر چکے تھے' اس کے بعد نبی بنے۔ پہلے نبی کے بنتے وقت اس بات کو قرآن کی روشنی میں ہر بچہ اچھی طرح سمجھ لے کہ آدمؑ کو پہلے تمام اسماء کی تعلیم دی گئی۔ آدمؑ کے علم کو پہلے مکمل کیا گیا' اس کے بعد آدمؑ نبی بنا کر بھیجے گئے اور یہ بات دماغ بھی تسلیم کرتا ہے کہ پہلے لڑکے کی تعلیم مکمل ہو جائے اس کے بعد کہیں بیٹھ کر اس کے عہدے کا اعلان ہو گا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ لڑکا ٹیچر لگ جائے' تعلیم بعد میں ہو۔ چناں چہ حضرت آدمؑ کو سب سے پہلے تعلیم دی گئی اور حضرت آدمؑ کو جب تعلیم دی جا چکی تو ان کے سر پر تاج نبوت رکھا گیا۔ یہاں سے یہ رسم ہماری سمجھ میں آ گئی کہ مشیت یہ ہے کہ پہلے تعلیم دیتا ہے اور اس کے بعد بھیجا جاتا ہے۔

دوسری بات جو حضرت آدمؑ کے ذریعے سمجھ لینی چاہیے ہر ایک کو وہ یہ کہ

آدمؑ بنائے گئے وہاں' بھیجے گئے یہاں'

تعلیم ہوئی وہاں' تعلیم دی یہاں۔

اس سے اس بات کا بھی اندازہ لگا لیجیے گا کہ نبی کے لیے یہ مطالبہ ناجائز ہے کہ وہ یہاں پڑھے گا بل کہ

نبی پڑھے گا وہاں پڑھائے گا یہاں'

تعلیم پائے گا وہاں تعلیم دے گا یہاں۔

یہاں اب جو لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ محمدؐ عربوں میں کس کے سامنے پڑھے اور کہاں پڑھے؟ مکہ میں یا مدینہ میں؟ یا نبی نہ مانیے یا صلوٰۃ چھوڑ

دیجیے (صلوٰۃ)۔

اگر نبی ہیں تو پڑھیں گے وہاں پڑھائیں گے یہاں'
تعلیم پائیں گے وہاں تعلیم دیں گے یہاں۔
تعلیم اُن کو کون دے گا؟

نبی کا اُستاد کون ہوتا ہے؟

نبی کا اُستاد کوئی پڑھا لکھا' کوئی فلسفی' کوئی دانش ور' کوئی سکالر نبی کو پڑھانے کے لیے اہلیت نہیں رکھتا۔ نبی کا ایک ہی اُستاد ہوتا ہے اور وہ ہے اللہ۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کو اسماء کی تعلیم دی اور کسی نے نہیں دی تو جب آدمؑ کو اللہ پڑھا کر بھیجے گا تو کیا خاتمؐ کو بے پڑھائے بھیج دے گا؟ نبیؐ نے تعلیم وہاں پائی اور اس کے بعد یہاں آئے۔

اس کے بعد جو پیغمبروں کے تذکرے ملتے ہیں تو اکثر پیغمبروں کے نام کے ساتھ علم کا تذکرہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو صحیفے دیے گئے اور وہاں سے تعلیم دے کر بھیجا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آسمانی صحیفے لے کر آئے اور لوگوں کو تعلیم دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانی کتابیں لے کر آئے اور اللہ کے یہاں سے تعلیم لے کر آئے۔ چناں چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کہا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا

"میں اللہ کا بندہ ہوں' اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے" (سورۂ مبارکہ مریم: آیت ۳۰)۔

یعنی ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، پیدائش کو مشکل سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزرا ہے اور فرما رہے ہیں:

"مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے۔"

معلوم ہوا کہ کتابیں کہیں اور ملتی ہیں' نبی کہیں اور بنتے ہیں یہاں پڑھانے آتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مجھے تعبیر الرؤیا کا علم دیا گیا۔"

حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ علم کا تذکرہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مجھے منطق طیر کی تعلیم دی گئی۔"

معلوم ہوا نبی جو ہے وہ اللہ کی سرکار سے علم لے کر آتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! مسئلے کو سمجھیے کہ کیا ہے؟

علم کائنات عالم کی رونق ہے۔ علم دنیا کی زینت ہے۔ علم انسانی اختیارات کے سلسلے کو آگے بڑھانے والا جوہر ہے۔ ہسپتالوں میں جو علاج کر رہا ہے وہ علم کر رہا ہے۔ گہرے سمندروں میں رہنمائی جو کر رہا ہے وہ علم کر رہا ہے۔ ہواؤں میں لے کر جو اُڑ رہا ہے وہ علم اُڑ رہا ہے۔ ہر چیز کی تحقیق جو کر رہا ہے وہ علم کر رہا ہے۔ جو آپ اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے باتیں کر لیتے ہیں وہ علم کی وجہ سے کر لیتے ہیں۔ جو آپ اپنے کمرہ میں ریموٹ کنٹرول چلا کر پوری دنیا کا منظر دیکھ لیتے ہیں وہ علم کی بدولت دیکھ لیتے ہیں۔ کائنات عالم میں جتنی روشنی ہے وہ سب علم کی ہے۔

جتنی رنگارنگی ہے وہ سب علم کی ہے۔ جتنی زیبائش ہے وہ سب علم کی ہے۔ جتنا کمال ہے وہ سب علم کا ہے۔ جتنی چمک دمک ہے وہ سب علم کی ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے وہ علم کی وجہ سے ہے۔

میں اپنے بیان کو اگر پھیلاؤں چاہے ایک گھنٹہ بول دوں تو نامکمل رہے گا لہٰذا مختصر کروں اپنے بیان کو کہ دو جملے ذہن میں ہمیشہ رکھیے! علم اگر چپ رہے تو قرآن کہلاتا ہے، بولے تو علیؑ بن جاتا ہے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

پیغمبروں کے علم کا تذکرہ قرآن میں ہے۔ اللہ کے خاص بندوں کا تذکرہ قرآن میں ہے اور معجزات جو ہیں ان میں بہت کچھ علم کی رنگارنگی ہے۔ ہم اس کو ''معجزہ'' کہتے ہیں مگر درحقیقت وہ علم کے کمال کا ایک جوہر ہے جو ہماری زبان پر معجزہ بن کر آتا ہے۔ آپ نے مجلسوں میں سنا ہوگا یا کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس وقت تختِ بلقیس منگوا رہے تھے تو قرآنِ مجید میں یہ منظر ہے کہ وہ اپنے دربار میں بیٹھے تھے، اس وقت وہ نبی تھے اور بادشاہ بھی تھے وہ اپنے دربار میں بیٹھے تھے اور انھوں نے درباریوں سے کہا: اے میرے دربار کے سردارو! تم میں سے وہ کون ہے جو بلقیس کا تخت لے آئے، قبل اس کے کہ وہ سر جھکائے میرے دربار میں حاضر ہو؟

دیکھیے!

جسمانی طاقت (physical power) سے بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔

جسمانی طاقت جو ہے وہ بہت کچھ کرتی ہے' دنیا میں بہت کچھ ایسا ہے جو جسمانی طاقت سے ہوتا ہے تو اس وقت جس کی جسمانی طاقت بہت تھی اس کی آواز ہے قرآن میں:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ

"جنوں میں سے ایک عفریت تھا' ایک دیو تھا' ایک طاقت وَر تھا اس نے کہا کہ میں لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ کا دربار برخاست ہو" (سورۂ مبارکہ نمل: آیت ۳۹)۔

آپ یقین مانیے کہ وہ جسمانی طاقت کی بنیاد پر کہہ رہا تھا' وہ جاتا اور تخت بلقیس پیٹھ پر اُٹھا کر لے آتا۔ طاقت وَر تو تھا وہ' اس نے کہا کہ میں لے آؤں گا قبل اس کے آپ کا دربار برخاست ہو۔ اب ان کا دربار تین گھنٹے ہوتا ہو' چار گھنٹے ہوتا ہو' مجھے نہیں معلوم لیکن اس نے کہا کہ آپ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے پہلے میں لے آؤں گا۔ اس کی آواز تو ملتی ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی جواب نہیں ہے قرآن میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شہنشاہ نے اس کی آواز پر توجہ نہیں دی' جو کہا اس نے اس کا فعل ہے' لیکن انھوں نے کوئی جواب یا اس کی طرف مڑ کر دیکھا ہو۔ اب اس کے بعد دوسری آواز آئی:

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (سورۂ مبارکہ نمل: آیت ۴۰)

اب دوسرا آدمی بولا اور یہ وہ تھا جس کے پاس کتاب میں سے تھوڑا سا علم تھا۔

دیکھیے! اگر تخت بلقیس معجزے سے آیا ہوتا تو قرآن کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ بولا جس کو ہم نے معجزہ دیا تھا لیکن قرآن معجزے کا نام نہیں لیتا بلکہ قرآن کہتا ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (سورۂ مبارکہ نمل: آیت ۴۰)

''وہ بولا جس کے پاس کتاب میں سے ذرا سا علم تھا کہ میں لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ کی پلک جھپکے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اشارہ کیا' دیکھا تو تخت رکھا ہوا تھا۔

اب اس بنیاد پر ہم یہ سوچا کرتے ہیں کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ایسی لفٹیں ایجاد ہو جائیں گی کہ جیسے آپ کسی بڑی بلڈنگ میں جاتے ہیں جس بٹن پر push کیا وہیں پر جا کر وہ لفٹ رُک گئی۔

دیکھیے!

یہ نہ میں نے پڑھا ہے' نہ میں نے کہیں دیکھا ہے یہ تو میں آپ کو ایک بنیاد کے اُوپر ایک اندازہ بتا رہا ہوں۔ کیا ایسی لفٹیں ہوں گی بمبئی میں' لندن میں' نیویارک میں' واشنگٹن میں کہ بٹنوں پر لکھا ہوا ہے لندن' نیویارک' شکاگو push کیا' دروازہ کھولا تو لندن میں کھڑے ہیں۔

کیوں؟

کہا: اطہر صاحب! آپ نے یہ اندازہ کیسے لگالیا؟

یہ اندازہ اس لیے لگایا کہ جب علم کے ذریعے میٹریل ٹرانسفر ہو جاتا ہے تو

جب انسان کا علم وہاں تک پہنچ جائے کہ میٹریل کو ٹرانسفر کرے "with in now time" تو یہ پہنچ جائے گا' آج پہنچے یا سو برس کے بعد پہنچے لیکن یہ تو قرآن سے ثابت ہی ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصی حضرت آصف بن برخیا نے جن کے پاس کتاب میں سے ذرا سا علم تھا وہ فوراً پلک جھپکنے میں تخت بلقیس سینکڑوں یا ہزاروں میل کے فاصلے سے لے آئے۔ ٹرانسفر ہوا میٹریل؟

عزیزانِ گرامی! اس پر حیرت نہ کیجیے اگر کوئی مجلس میں یہ پڑھے کہ سورج پلٹا یا زمین ہلتی ابھی آپ کا علم اتنا نہیں ہے کہ آپ علم علیؑ کو سمجھ سکیں' ابھی علم وہاں تک نہیں پہنچا ہے جب علم پہنچ جائے گا تو معجزات آسان ہو جائیں گے۔ ان کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

حضور سرورِ کائناتؐ کے علم کا اندازہ ہے آپ کو کہ کتنا علم تھا اللہ کے حبیبؐ کے پاس؟ کس کو کتاب میں دیا گیا اور اس کو کچھ دیا گیا؟ پیغمبروں کی آوازیں ہیں قرآن مجید میں کہ ہم کو ہر ایک چیز سے ذرا ذرا سا ملا ہے جس کو جتنی ضرورت تھی اس کو اتنا دیا گیا' جس کو جتنی حاجت تھی اس کو اتنا دیا گیا' جس سے جتنا کام لینا تھا اس کو اتنا دیا گیا لیکن جب اپنے حبیبؐ کو بھیجا اور حبیبؐ کا تذکرہ ہوا قرآن میں تو یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے تمھیں کتاب میں سے علم دیا کہ ہم نے ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا دیا بلکہ علم رسولؐ کا جہاں پر تذکرہ آیا تو کہا گیا:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۂ مبارکہ نساء: آیت ۱۱۳)

"اے حبیبؐ! ہم نے تمھیں وہ سب بتا دیا جو تمھیں نہیں

معلوم تھا۔"

عزیزانِ گرامی!

یہیں سے جاہل وعالم کا مسئلہ بھی سمجھ لیجیے! ہمارے یہاں جو پڑھے لکھے کا لفظ استعمال ہوتا ہے یا عالم کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ مجازاً استعمال ہوتا ہے اصلیت میں استعمال نہیں ہوتا۔ دنیا کا کوئی انسان اصلیت میں عالم نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: ارے! اطہر صاحب بہت قابل ہیں۔ یہ آپ مذاق کر رہے ہیں اطہر صاحب سے جو کہہ رہے ہیں کہ اطہر صاحب قابل ہیں بل کہ یہ کہیے کہ اطہر صاحب بہت جاہل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتنے بڑے جاہل ہیں کہ جہالت کا آپ اطہر صاحب کی اندازہ لگایے کتنا ہے' اطہر صاحب کے لیے علم و جہل میں الیکشن ہوا زبانوں کا خیال' تو دنیا میں پانچ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔

انھوں نے کہا: اطہر صاحب! آپ کتنی جانتے ہیں؟

کہا: اُردو تو ہماری مادری زبان ہے وہ جانتے ہیں۔

پھر؟

کہا: فارسی کو اُستاد سے سیکھا لہٰذا فارسی جانتے ہیں۔

اور؟

کہا: چوں کہ مولویت پڑھی تھی لہٰذا تھوڑی سی عربی جانتے ہیں۔

اور؟

کہا: بعد میں یونیورسٹی join کی تھی تھوڑی سی انگریزی جانتے ہیں۔

پھر؟

کہا: اپنے دیس میں رہتے ہیں اور ہندی یہاں کی سرکاری زبان ہے اس لیے ہندی جانتے ہیں۔

پانچ زبانیں ہوئیں اس کے آگے؟

کہا: نہیں جانتے۔

الیکشن کا رزلٹ کیا آیا؟

کہا: علم کو پانچ ووٹ ملے اور جہالت کو چار ہزار نوسو بچانوے ووٹ ملے۔

ارے! علم کی تو ضمانت بھی ضبط ہو گئی عادل کہاں سے ہیں۔

ارے! ہندوستان کے بہت بڑے ڈاکٹر ہیں یہ دل کے ڈاکٹر ہیں۔

اچھا! آیئے آیئے! تشریف لایئے۔ عزت افزائی' دل کے ڈاکٹر ہیں ہندوستان کے اتنے بڑے قابل۔

انھوں نے کہا: میڈیکل سائنس میں تو بڑا آپ کا نام ہے کیا کہنا آپ کا۔

کہا: بے شک۔

ڈاکٹر صاحب! گردے کے متعلق کوئی دوا؟

کہا: بھئی! وہ میرا موضوع نہیں ہے۔ میں تو دل کے امراض کا ڈاکٹر ہوں آپ دل کے بارے میں بات کیجیے۔

کہا: ڈاکٹر! ہائی کورٹ سے نوٹس آیا ہے۔

کہا: آپ کسی وکیل کے پاس جایئے۔

کہا: ڈاکٹر صاحب! اس پر اگر سلیب لگوائیں تو کتنا لگے گا؟

کہا: اس کا مجھ سے کیا تعلق ہے کتنا لگے۔

کہا: کچھ میر انیسؒ کی شاعری کے لیے ارشاد ہو۔

کہا: بھئی! میں لٹریچر کا آدمی نہیں ہوں۔

اچھا ڈاکٹر صاحب! یہ مارکیٹ کا اُتار چڑھاؤ جو آج کل ہو رہا ہے اس کے بارے میں کچھ بتایئے۔

کہا: میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

ہر جگہ تو نہیں، نہیں، تو عالم کہاں کے ہیں۔

ارے عزیزانِ گرامی! اب سنیے! اللہ نے جن کو علم دے کر بھیجا تھا وہ کیسے تھے؟ یہ کہنا کہ میں عالم ہوں۔ یہ بھی زیب نہیں ہے۔ آدمی اپنے کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے یہ بھی مناسب نہیں ہے اور جانتے ہوئے بھی یہ کہہ دوں کہ نہیں جانتا تو جھوٹ بولا۔ اگر میں ایک چیز جانتا ہوں اور میں کہہ دوں کہ میں نہیں جانتا تو میں نے جھوٹ بولا اور اگر میں سینہ ٹھوک کر کہوں کہ ارے! میں قابل ہوں، میں عالم ہوں۔ یہ اپنے آپ کو اونچا بنانا بھی بُرا سمجھا جاتا ہے۔

اب سنیے! جن کو اللہ نے صحیح معنوں میں عالم بنایا تھا انھوں نے اپنے علم کا اظہار کیوں کر کیا؟

دیکھنے میں لفظ اتنا ہلکا ہے کہ کسی کے دماغ پر گراں نہ گزرے لیکن اصلیت میں اتنا بھاری ہے کہ دنیا میں کسی کے اُوپر پورا نہ اُترے کوئی اس لفظ کا وزن اُٹھا

نہ سکے۔

چھٹے امامؑ سے کسی نے پوچھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک عیسائی راہب آیا۔ وہ کوئی بات کرنا چاہتا تھا، کہنے لگا: میں آپؑ سے بات کیا کروں؟ پہلے آپؑ یہ بتائیے کہ آپؑ اُمت مسلمہ کے عالموں میں سے ہیں یا جاہلوں میں سے؟

اگر کہیں کہ عالموں میں سے ہوں تو اس کے ذہن کے مطابق فخر کر رہے ہیں، اگر کہیں کہ جاہل ہوں تو خلاف واقعہ ہے، غلط بیانی ہے۔ معصومؑ کیسے غلط بیانی کرے۔

خدا کی قسم! لفظ بڑا سادہ کہا مگر بڑا جامع فرمایا۔

فرمایا: میں جاہل نہیں ہوں۔

آپ بتائیے کہ دنیا میں کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میں جاہل نہیں ہوں؟

ہزاروں موضوعات ہیں، ہزاروں زبانیں ہیں۔ کوئی ایک موضوع کے لیے آپ سے پوچھے کہ آپ جاپانی زبان کتنی جانتے ہیں تو کہیں گے کہ جی! جاپانی تو ہم نہیں جانتے۔

آپ ترکی زبان جانتے ہیں؟

کہا: نہیں جانتے۔

افریقہ میں فلاں قبیلہ جو بولتا ہے وہ جانتے ہیں آپ؟

کہا: نہیں جانتے۔

معلوم ہوا کہ ہر جگہ تو جہالت پیچھا پکڑے ہوئے ہے۔
یہ جملہ کہ "میں جاہل نہیں ہوں" ہے وہی جو دادا" نے کہا تھا "سَلُونِی"۔
خالی دادا" کے احترام میں لفظ بدل دیا (نعرۂ حیدری)۔

وہ رسولؐ کا علم ہے جہاں خدا نے کہا:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۂ مبارکہ نساء: آیت ۱۱۳)

"میرے حبیبؐ! ہم نے آپؐ کو ہر وہ بات بتا دی جو آپؐ کو نہیں معلوم تھی۔"

یہ علم رسولؐ ہے جو سارے علوم اللہ کے پاس سے لے کر آئے۔ جب اتنا بڑا عالم ہو تو اس کے لیے کہا جائے گا:

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۱۲۹)

"وہ کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس لیے کہ کتاب جیسے معیار کی ہو ویسے معیار کا اُستاد بھی ہونا چاہیے۔
کتاب پرائمری کے بچے بھی پڑھتے ہیں' کتاب سیکنڈری کے بچے بھی پڑھتے ہیں' کتاب ہائی سیکنڈری کے بچے بھی پڑھتے ہیں' کتاب کالج کے بچے بھی پڑھتے ہیں' کتاب یونیورسٹی کے بچے بھی پڑھتے ہیں' کتاب انڈر گریجوایٹ والے بھی پڑھتے ہیں' ریسرچ سکالر بھی پڑھتے ہیں لیکن کتاب کا معیار الگ الگ ہے۔

قرآن کا معیار کیا ہے؟

فرمایا:

لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ

(سورۂ مبارکہ انعام: آیت ۵۹)

"کوئی خشک وتر ایسا نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔"

معلوم ہوا کہ قرآن میں دنیا کا ہر علم موجود ہے۔ قرآن دیکھنے میں کتاب ہے۔ اصل میں لائبریری ہے۔ جب قرآن میں دنیا کا ہر علم موجود ہے تو جو قرآن پڑھانے آیا ہے اگر اس کے سینے میں ہر علم موجود نہ ہوگا تو پڑھائے گا کیا اور دنیا میں کون سا کالج ایسا ہے' کون سی یونیورسٹی ایسی ہے کہ جو یہ کہے کہ ہم ہر علم پڑھاتے ہیں۔ جب آپ کی دنیا میں کوئی ادارہ ایسا بنا ہی نہیں کہ جو ہر علم پڑھائے تو محمدؐ کو پڑھائے گا کون؟

محمدؐ کا اُستاد وہی ہوگا جہاں علم عین ذات ہو۔

اچھا! محمدؐ نے تو پڑھ لیا لیکن علم اگر کہیں پانی کی طرح رُک جائے اور آگے نہ بڑھے تو اس کا فیض تو ختم ہوگیا۔ ٹھیک ہے آپ بہت بڑے عالم ہیں۔ یہ بہت عمدہ بات ہے مگر آپ نے اپنا علم کسی کو منتقل نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ کہ آپ تو بہت بڑے ہیں لیکن آپ کے آگے چراغ سے چراغ جلا نہیں۔

محمدؐ نے علم آگے منتقل کیسے کیا؟ اس لیے پانی اگر رُک جائے تو کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ فائدہ تو جبھی پہنچائے گا جب دریا بن کے علاوہ کو سیراب کرتا ہوا گزرے۔ اب سمجھ میں آیا کہ کسی کو تو پڑھایا ہوگا تو جس ایک کو پڑھایا ہوگا اس نے کیا کہا؟

## سَلُونی

"پوچھو مجھ سے جو پوچھتے ہو۔"

عزیزانِ گرامی!

علیؑ کے علم کا مسئلہ بھی عجیب ہے۔ دو جملوں میں علمِ علیؑ کو سمجھ لیجیے۔ اس لیے کہ اگر ہم اسلام کی تفصیل بیان کریں گے تو علیؑ کا تذکرہ بہ حیثیت عالم اور سکالر کے آئے گا۔ اسلام میں علیؑ کے سلسلے میں جو بھی اختلافات ہیں کہ وہ امام تھے یا نہیں تھے، معصوم تھے یا نہیں، مولائے کائناتؑ تھے یا نہیں تھے لیکن بہت بڑے عالم تھے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے دور میں سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے سکالر تھے۔ اس میں کسی کو اختلاف آج تک نہیں ہوا۔ دنیا میں چودہ سو برس میں اور علیؑ کے علم کے سلسلے میں کسی نے ایک جملہ بھی آج تک نہیں کہا۔ اپنے دور میں علیؑ سب سے بڑے عالم تھے۔ علم بغیر پڑھے آتا نہیں۔ پورے عرب میں علیؑ کے علم کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ عرب کا مزاج یہ ہے کہ اتنی سی بات فضیلت کی ہوتی ہے تو ڈنکا بجاتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جس نے یہ فضیلت پائی۔ اگر کسی عرب خاندان میں، کسی گھرانے میں، مکہ میں، مدینہ میں، شام میں، مصر میں کسی جگہ کی کوئی فیملی نے علیؑ کو پڑھایا ہوتا تو جب علیؑ کے علم کے ڈنکے بجے ہیں تو اس فیملی کو کہنا چاہیے تھا کہ علیؑ ہمارے خاندان کے شاگرد ہیں ہمارے باپ نے پڑھایا تھا علیؑ کو، ہمارے دادا نے سکھایا تھا علیؑ کو، ہمارے پاس بچپن میں ہمارے گھر میں آیا کرتے تھے۔ پورا عرب چپ ہے اور علیؑ کے علم کے

ڈنکے بج رہے ہیں۔ کوئی نہیں بولتا کہ علیؑ کو ہم نے پڑھایا اور علیؑ کے علم کا آبشار ہے جو بہہ رہا ہے۔ جب کوئی نہیں بولا تو ہم نے علیؑ سے پوچھا: یا علیؑ! یہ بتایئے کہ آپؑ کو پڑھایا کس نے جو آپؑ اتنے بڑے عالم ہیں۔ اس لیے کہ سارا عرب تو چپ ہے، کوئی بول نہیں رہا، کسی قبیلی کا کوئی فرد یہ کہہ نہیں رہا کہ علیؑ کو ہم نے پڑھایا ہے۔ آپؑ کو کس نے پڑھایا کہ آپؑ اتنے بڑے عالم بن گئے۔

علیؑ نے ایک دفعہ نہیں مل کر اپنے اُستاد کا نام دو دفعہ بتایا اور ایک ہی نام بتایا۔

ایک دفعہ فرمایا:

عَلَّمَنِی رَسُولُ اللّٰهِ اَلْفَ بَابٍ

"رسولؐ نے مجھ کو ہزار باب علم کے سکھائے اور ہر باب سے میں نے ایک ہزار باب خود کھولے۔"

خیر!

یہ ان کی ذہانت ہے یہ الگ بات ہے۔

فرمایا: رسولؐ نے مجھ کو ہزار باب علم کے سکھائے۔

یہ بات مولا علیؑ نے کہی۔

دوسری دفعہ فرمایا:

زَقَّنِی رَسُولُ اللّٰهِ زَقًّا زَقًّا

"رسولؐ نے مجھ کو علم اس طرح بھرایا جس طرح پرندہ اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔"

اب ہماری سمجھ میں آپ کی سمجھ میں یہ آیا ہوگا کہ مسئلہ حل ہو گیا۔

بھئی! علیؑ اتنے بڑے سکالر ہیں علیؑ کے اُستاد کا نام نہیں معلوم تھا، جب ہم نے پوچھا علیؑ سے کہ آپؑ کا اُستاد کون ہے تو انھوں نے نام بتا دیا کہ میرے اُستاد رسولؐ اللہ ہیں۔ مگر میرے خیال میں ابھی مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس لیے کہ علیؑ کے علم کے بج رہے ہیں ڈنکے، علیؑ کی اُستادی کا دعویٰ پورے عرب میں کوئی کر نہیں رہا ہے، علیؑ سے جب پوچھا تو فرمایا کہ میرے اُستاد رسولؐ اللہ تھے۔ اُمت کہتی ہے کہ رسولؐ خود اَن پڑھ تھے (معاذ اللہ)......(نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی! یہ وہ ہیں جن کو علم اُدھر سے ملا اور جن کو تعلیم کتبِ قدس سے ملی۔

عزیزانِ گرامی! بس یہ سن لیجیے!

اسلام دین علم ہے۔ اسلام کی کتاب، کتاب علم ہے۔ اسلام کا رسولؐ، رسول علم ہے۔ اس کا وصی باب شہر علم ہے۔ یہاں سے وہاں تک علم ہی علم کا سلسلہ چل رہا ہے۔

علم کیا ہے؟

یہ جو بحثیں ہوتی ہیں نا سمجھوں کی محفلوں میں ان میں بڑی تنگ نظری سے لوگ مسائل کو دیکھتے ہیں کہ معجز نمائی کیا ہے؟ مشکل کشائی کیا ہے؟ یہ چیزیں کہاں تک اسلام میں ہیں۔

دیکھیے! معجز نمائی بھی علم ہے، مشکل کشائی بھی علم ہے۔ جو چیزیں آج آپ

کے گھریلو استعمال میں ہیں اکبر بادشاہ کے زمانے میں یہ سب معجزہ تھیں۔ آپ اکبر بادشاہ سے زیادہ طاقت ور ہیں باوجود اپنی غریبی کے، اس لیے کہ اکبر بادشاہ دہلی سے ایک منٹ میں بمبئی کا راستا پار نہیں کر سکتا تھا لیکن آپ کرتے ہیں۔ اکبر بادشاہ اپنی شہنشاہیت سمیت دو گھنٹے میں دہلی سے بمبئی نہیں آ سکتا تھا لیکن آپ آ سکتے ہیں۔ اکبر بادشاہ اپنے محل میں بیٹھ کر پوری دنیا کے مناظر نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن آپ دیکھتے ہیں۔ اکبر بادشاہ اپنے ممالک میں جہاں جہاں اس کا قبضہ تھا اتنی جلدی اپنا حکم نہیں پہنچا سکتا تھا اسی منٹ میں لیکن آپ کا فیکس ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔

آپ بتائیے کہ آپ اکبر بادشاہ سے زیادہ طاقت ور ہیں یا نہیں؟ آپ کے مقابلے میں اکبر بادشاہ جو ہے وہ بہت کم زور ہے اور بہت حقیر مخلوق ہے۔ اس لیے کہ اکبر بادشاہ کی سواری ایک گھنٹے میں مشکل سے پندرہ سے بیس کلومیٹر چلتی تھی۔ آپ کی ایک گھنٹے میں ۱۰۹ کلومیٹر تک چلتی ہے۔

اکبر بادشاہ آپ سے پیچھے ہے کہ نہیں ہے؟ یہ اور بات ہے کہ وہ اکبر بادشاہ تھا ہم اکبر بادشاہ نہیں ہیں۔ لیکن ہم کو اکبر بادشاہ سے زیادہ طاقت ور بنا دیا ہے علم نے۔ اگر یہ ٹی وی، اگر یہ فیکس، اگر یہ موبائل فون، اگر یہ ہوائی جہاز، اگر یہ کاریں، اگر یہ تمام جدید ٹیکنیک بادشاہ کے زمانے میں ہوتیں تو لوگ یہی تو کہتے کہ بھئی! یہ تو کوئی صاحب اعجاز ہی کر سکتا ہے ورنہ انسان کے بس میں کہاں۔ انسان کے بس میں کہاں کہ ہوا میں اُڑے، انسان کے بس میں کہاں فوراً اپنی آواز یہاں سے وہاں پہنچا دے، انسان کے بس میں کہاں کہ اس انداز سے کوئی بات کرے

لیکن آج یہ سب ہو رہا ہے تو اگر اکبر بادشاہ کے زمانے میں یہ سب باتیں ہوتیں تو معجزہ ہوتیں۔

اکبر بادشاہ کے دور کا آدمی ان سب چیزوں کو معجزہ کہتا لیکن آج کا انسان کہہ رہا ہے کہ یہ تو روزمرہ کے استعمال کے معاملے میں جو ہمارے گھر میں استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ طاقت آپ کو کس نے دی ہے؟ علم نے۔

معلوم ہوا کہ علم جو ہے وہ انسان کی طاقت میں اضافہ کرتا ہے تو اگر جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے اور منبر پر بیٹھ کر "سَلُونِی" کہتا ہے ہم اسے معجزنما کہیں تو حیرانی کا ہے کی ہے۔ اس لیے کہ چار سو' آٹھ سو اور ہزار برس کے بعد ہو سکتا ہے کہ کچھ چیزیں جو ہیں وہ روزمرہ کے استعمال کی ہوں تو اس وقت معلوم ہو گا کہ رہبر جس وقت آیا تھا وہ اپنے وقت کی دنیا سے کئی ہزار سال آگے تھا۔ مشکل کشائی بھی ایسے ہی ہے معجزنمائی کی طرح۔

مشکل کشائی کیا ہے؟ مشکل پیدا کرتی ہے جہالت' مشکل کشائی کرتا ہے علم۔ گھر والے رو پیٹ رہے ہیں اس لیے کہ وہ بے ہوش ہو گیا' ہسپتال لے گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں ابھی ٹھیک کرتا ہوں اور ذرا سی دیر میں اس نے انجکشن وغیرہ لگایا تو مریض اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھر والوں کے سامنے ایسی مشکل آئی تھی کہ پورا گھر اندھیرا ہو گیا تھا لیکن ڈاکٹر کے پاس چوں کہ علم تھا لہٰذا اس کے علم نے جو مشکل کشائی کی تو روتا ہوا گھر ہنسنے لگا۔ یہ روزمرہ کے کھیل ہیں' روتا ہوا گھر ہنسنے لگا۔

کیوں؟ اس لیے کہ مشکل کشائی کرتا ہے علم اور مشکل پیدا کرتا ہے جہل۔

جنگل میں کار فیل ہو گئی۔ ہمارے لیے مشکل تھی اُدھر سے کوئی مکینک آ رہا تھا اس نے ٹھیک کر دی۔ مشکل حل ہو گئی۔ مشکل پیدا کی ہمارے نہ جاننے نے مشکل حل کی اس کے جاننے نے۔

معلوم ہوا کہ مشکل پیدا کرتی ہے جہالت اور مشکل کشائی کرتا ہے علم۔

چوں کہ ہم دنیا کے جاہل لوگ ہیں۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا (سورۂ مبارکہ نحل: آیت ۷۸)

"اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔"

چوں کہ ہم جاہل ہیں لہٰذا مشکلوں میں گھرے ہوئے ہیں لیکن جو ولادت کے ساتھ کتاب پڑھتا ہے وہ عالم پیدا ہوا ہے (فقرۂ حیدری)۔

میں کہاں تک یہ کہانی آپ کو سناؤں؟ ایک عالم سے بڑھ کر عالم ہے۔ قرآن کہتا ہے:

فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (سورۂ مبارکہ یوسف: آیت ۷۶)

"ہر عالم سے بڑھ کر ایک عالم ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے عالم تھے۔ مگر قرآن کہتا ہے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پڑھنے کے لیے بھیجے گئے اور حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تم میرے پاس

نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ تم صبر نہ کر پاؤ گے۔ انھوں نے کہا: رہنے دیجیے۔

کہا: اچھا! ٹھیک ہے لیکن میں جو کچھ بھی کروں اس پر "کیوں" نہ کہیے گا۔

معلوم ہوا کہ جب علم کی شان پیدا ہوتی ہے تو ایک منزل وہ بھی آتی ہے کہ آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ کہیں "کیوں"۔ اب محبانِ اہلِ بیتؑ یہ بھی سوچ لیں جو بار بار کہتے ہیں کہ علیؑ خاموش کیوں بیٹھے؟ حسنؑ نے صلح کیوں کر لی؟ حسینؑ کربلا کیوں آ گئے؟ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

یہ بھی سمجھ لیجیے کہ قرآن میں یہ قصہ بہت تفصیل سے ہے اور جو قرآن کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں ان کے علم میں ہے یہ بات۔

انھوں نے کہا: "کیوں" نہ کہیے گا۔ کہا: بہتر ہے نہیں کہوں گا۔ وہ حضرت چلے وہاں سے تو وہاں بیچ میں دریا تھا وہ کشتی میں بیٹھ کر اُدھر سے اِدھر گئے۔ انھوں نے اپنے تھیلے سے اتنی بڑی کیل نکالی، کشتی میں سوراخ کر دیا۔ اب معاملہ ایسا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوچھنا پڑ گیا کہ بھئی! یہ کیا کیا آپ نے، اچھی خاصی کشتی میں سوراخ کر ڈالا؟

کہا: یہ کیا کیا آپ نے؟

کہا: میں نے آپؑ سے کیا کہا تھا؟

کہا: ٹھیک ہے بھئی! اب نہیں پوچھیں گے آپ سے۔

آگے چلے۔ ایک لڑکا آ رہا تھا اس کو ایک تمانچا مارا وہ گرا اور مر گیا۔ اب

حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قابو ہو گئے اور کہا: ارے! یہ کیا کیا آپ نے اچھا خاصا لڑکا مار ڈالا آپ نے۔

کہا: دیکھیے! پھر آپ وہی باتیں کرنے لگے۔

کہا: ایک موقع اور دیں۔

انھوں نے کہا: ٹھیک ہے اب یہ آخری موقع ہے۔ کہا: ٹھیک ہے۔ اب چلتے رہے یہاں تک کہ ایک شہر میں پہنچے۔ وہاں کے لوگ اتنے ظالم تھے کہ انھوں نے کسی کو کھانے کو بھی نہ پوچھا اور مہمان نوازی کرنے سے بالکل انکار کر دیا کہ بھیا! اپنا پکاؤ، اپنا کھاؤ، یہاں کھانا کسی کو نہیں ملے گا۔ وہاں ٹہل رہے تھے۔ دیکھا ایک دیوار گر رہی ہے، کہا: آؤ اس کو ٹھیک کر دیں۔ دونوں نے خوب محنت کی، ایک تو بھوکے تھے اور دوسرا یہ کہ انھوں نے دیوار بنائی۔ جب دیوار کو سیدھا کر دیا، ٹھیک ٹھاک کر دیا تو کہنے لگے کہ ہم نے دیوار بنائی، ہم نے بھی محنت کی، آپ نے بھی محنت کی اگر پیسے طے کر لیتے تو کچھ کھانے کو مل جاتا۔

انھوں نے کہا: اب میرے اور آپ کے درمیان رابطہ ختم، آپ کا راستہ وہ، میرا راستہ وہ۔ خیر! چوں کہ آپ آئے تھے اس لیے آپ کو وجہ بتا دوں۔

اب انھوں نے وجوہات بتائیں۔ کہا: وہ کشتی ایک غریب آدمی کی تھی۔ بادشاہ ظالم ہے وہ کشتیاں ضبط کر رہا ہے۔ اس کے لوگ جب دیکھیں گے کہ کشتی میں سوراخ ہے تو وہ چھوڑ دیں گے۔ وہ مرمت کر کے پھر سے چلانے لگے گا ورنہ کشتی ضبط ہو جاتی تو وہ بھوکے مر جاتا۔ یہ لڑکا بہت بدمعاش ہو جاتا۔ اس کے ماں

باپ بہت مومن لوگ ہیں۔ ان کے واسطے مصیبت بنتا اس لیے میں نے اسے ختم کر دیا۔ اب اللہ اس کے بدلے ان کو ایک بیٹی دے گا جو ستر نبیوں کی ماں ہو گی اور وہ جو دیوار ہے وہ دو یتیموں کی ہے۔ ان کے ماں باپ نیک لوگ تھے۔ اگر گر جاتی تو اس کے نیچے ان کا خزانہ ہے میں نے اس لیے ٹھیک کر دیا کہ جب بڑے ہوں گے خزانہ پا جائیں گے۔ اب خدا حافظ آپ اِدھر جایئے اور میں اِدھر۔

تو یہ ہے علم! اب اس میں جلدی جلدی دو جملے سن لیجیے اس لیے کہ بات کل آگے بڑھے گی۔ یہ گھڑی کی سوئی میری زبان سے زیادہ تیز چلتی ہے۔

ہاں! معاملہ یہ ہے کہ اس میں جتنے آدمی بیٹھے ہیں اور جتنے سن رہے ہیں وہ سب سنیں! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مر جاتا ہے' کوئی نقصان ہو جاتا ہے' کوئی حادثہ ہو جاتا ہے' لوگ سر پکڑ کر کہتے ہیں کہ ارے! گھر کا ایک کمانے والا تھا پتا نہیں اللہ کی کیا مصلحت تھی' یہ ایسا تھا پتا نہیں اللہ کی کیا مصلحت تھی۔ جب موسیٰ جیسا نبی خضرؑ کے عمل کا مقصد نہیں سمجھتا تو ہمارے جیسے حقیر بندے اللہ کے فضل کا مطلب کیا سمجھیں گے۔ لہٰذا مصیبتوں کے موقع پر زبان کو کنٹرول میں رکھا کیجیے کہیں ایسا نہ ہو کہ جو گیا وہ تو گیا لیکن ہمارے ایمان کو بھی لے جائے۔

عزیزانِ گرامی! جہاں تک رسولؐ کے گھرانے کا سوال ہے تو وہ خضرؑ جو موسیٰؑ کو قبول نہ کر رہے ہوں وہ سرورِ کائناتؐ کے پاس آتے تھے' سبق پڑھتے۔ وہ خضرؑ جو موسیٰؑ کو قبول نہیں کرتے وہ آتے تھے ہمارے رسولِ اکرمؐ سے مسئلے پوچھنے۔ ایک دن رسولؐ بیٹھے تھے اور ان کی گود میں حضرت امام حسن علیہ السلام بیٹھے

تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو گود سے اٹھا کر ان کے سامنے بٹھا دیا۔ فرمایا: آج ان سے پوچھ لیجیے۔

عزیزو! اگر آپ کسی بزرگ سے کسی عالم سے مسئلے پوچھنے جائیں اور اس کی گود میں اس کا پوتا یا اس کا نواسا بیٹھا ہو اور وہ آپ کے سامنے بٹھا دے اس کو کہ اس سے پوچھ لیجیے تو آپ کا ردِ عمل کیا ہو گا؟

آپ بچے کو دعا دیں گے کہ اللہ بچے کو ترقی دے اللہ بہتر کرے انشاء اللہ یہ بھی پڑھیں گے عالم نکلیں گے ایک دن اس سے بھی پوچھیں گے مگر ابھی یہ بچہ کیا بتائے گا ابھی تو سرکار آپ بتا دیجیے۔ آپ بڑی تہذیب سے دعائیں دے کر اس کے مستقبل کے لیے اچھی خواہشات پیش کر کے لیکن یہ چار برس کا پانچ برس کا بچہ کیا بتائے گا حضور آپ ارشاد فرمائیں یہ مذاق مجھ سے نہ کریں۔ لیکن حضرت خضرؑ سمجھ دار تھے عالم تھے اگر کوئی جاہل ہوتا یہی کرتا۔ حضرت خضرؑ عالم تھے جانتے تھے کہ محمدؐ کے گھرانے کے سب محمدؐ ہیں۔ وہ ویسے ہی ادب سے بیٹھ گئے۔ اپنے سوال کرنے لگے جواب ملنے لگے۔ جتنے سوال لاتے تھے وہ سب سوال کر لیے اور ان کے جواب لے لیے۔ اب جانے لگے انھوں نے کہا: سرکارؐ! اب اجازت ہے جاؤں؟

رسولؐ نے پوچھا: آپ مطمئن ہو گئے؟

یہ خضرؑ سے نہیں پوچھ رہے ہیں مسجد والوں کو بتا رہے ہیں کہ سب مطمئن ہو جائیں۔

فرمایا: کیا آپ مطمئن ہو گئے؟

کہا: جی سرکار! خدا حافظ۔

وہ خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا: سرکار! یہ کون بزرگ تھے ہم نے ان کو پہچانا نہیں؟ فرمایا: خضرؑ پیغمبر ہیں۔ اکثر مجھ سے مسئلہ پوچھنے آتے ہیں۔ آج میں نے حسنؑ کی طرف متوجہ کر دیا۔

اب پہچانیے علم!

اپنے اور موسیٰؑ کے علم کو ناپیے پھر موسیٰؑ اور خضرؑ کا فرق ناپیے پھر سوچیے کہ جو موسیٰؑ جیسے نبی کو شاگردی میں قبول نہ کرے وہ حسنؑ کے سامنے زانوے اَدب طے کرتا ہے۔ پھر علم رسولؐ کا اندازہ لگایئے جس کا نواسا ایسا ہو اس کا نانا کیسا ہوگا (نعرۂ حیدری)۔

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۱۲۹)

''رسولؐ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ کتاب کی تعلیم دے۔''

## ذکرِ مصائب: دعبل خزاعیؒ کا مرثیہ

زندگی رہی تو بات کل آگے بڑھے گی۔ آج تو بس اتنا کہ یہ اہل بیتؑ کا دروازہ تھا جہاں سے علم بٹ رہا تھا اور تشنگانِ معرفت آتے تھے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔

عزیزانِ گرامی! جب کہیں علم ہوتا ہے تو تعصب کی دیواریں گر جاتی ہیں۔

جب کہیں علم ہوتا ہے تو میرے اور تیرے فرق ختم ہو جاتے ہیں۔ جب کہیں علم ہوتا ہے تو پھر اپنے اور پرائے میں امتیاز نہیں رہتا ہے۔ جس طریقے سے دریا بہتا ہے تو جس کا دل چاہے پانی لے لے کوئی روک ٹوک نہیں۔ جس طریقے سے ہوائیں چلتی ہیں تو ہر ایک کے جسم سے مَس ہو کر چلتی ہیں۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ یہ اپنا ہے اس کو ہوا لگے یہ پرایا ہے اس کو ہوا نہ لگے۔ جس طریقے سے سورج کی روشنی پھیلتی ہے تو ہر ایک کو روشنی ملتی ہے اپنے پرائے کا امتیاز نہیں ہے۔ ویسے جب اہل بیتؑ کے دربار میں علم کا دریا موجیں مارتا تھا اور جب علم کا بادل برستا تھا تو ہر ایک سیراب ہو جاتا تھا۔

عزیزانِ گرامی! اگر آپ کو دیکھنا ہے اسلام کا مستقبل تو حضرت امام حسینؑ ابن علی علیہ السلام کو دیکھ لیں۔ حضرت امام حسینؑ ابن علی علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ اگر میں نہ اُٹھا تو یہ دین مٹ جائے گا۔ اگر میں نہ نکلا تو یہ مذہب فنا ہو جائے گا۔ اگر میں نے مقابلہ نہ کیا تو دینِ خدا کو کوئی بچانے والا نہ رہے گا۔

بس!

نبیؐ کا نواسا اُٹھا اور نبیؐ کے نواسے نے اُٹھ کر دینِ خدا کو بچا لیا۔

عزیزو! آج محرم کا چاند ہو گیا۔ محرم کا چاند فلک پر نمودار ہو گیا۔ آج محرم کی پہلی رات ہے۔ فاطمہ زہراؑ کو ان کے لالؑ کا پُرسہ دیجیے کہ اے بی بیؑ! تشریف لائیے یہ آپؑ کے غلام اور یہ آپؑ کی کنیزیں آپؑ کو آپؑ کے لالؑ کا پُرسہ دینے کے لیے جمع ہیں۔ شہزادیؑ! آپؑ نے تمنا کی تھی نا! کہ میرے بچے پر

روئے گا کون؟ آ کر دیکھیے! ۱۳۶۹ سال ہو رہے ہیں آپؑ کے بیٹے کی شہادت کو اور اتنے دنوں سے لوگ آنسو بہا رہے ہیں اور آنسوؤں کا سیلاب رُک نہیں رہا۔

روایت میں ہے کہ چھٹے امامؑ جب محرم کا چاند دیکھتے تھے تو با آواز بلند گریہ فرماتے تھے اور اتنا بلند آواز میں گریہ کرتے تھے کہ پڑوسیوں کو خبر ہو جاتی تھی کہ محرم کا چاند ہو گیا۔

بے شک ہم آپ کیا روئیں گے' جس کے گھر کا غم تھا' جس کا گھر اُجڑ گیا اصل میں وہی رونے کا حق دار ہے۔ چھٹے امامؑ اتنی بلند آواز میں گریہ فرماتے کہ پڑوسی کہتے تھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رو رہے ہیں محرم کا چاند ہو گیا۔ محرم کا چاند ہونے کی پہچان تھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا گریہ اور پڑوس کے رہنے والوں کو خبر ہو جاتی تھی کہ محرم کا چاند نمودار ہو گیا ہے۔ امامؑ اپنے جد بزرگوارؑ پر گریہ فرما رہے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

روایتوں میں یہ بھی ہے کہ محرم کی پہلی تاریخ تھی اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام افسردہ اور غم زدہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے' آنکھوں میں آنسو تھے' دل میں یادِ حسینؑ تھی' جدؑ کا تصور تھا کہ عرب کا مشہور شاعر دعبل خزاعیؒ آ گیا۔ دعبلؒ امامؑ کے چاہنے والے تھے۔ دعبلؒ امامؑ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ جیسے ہی دعبلؒ کو دیکھا' فرمایا:

مَرحَبًا یَا دِعبَل اَنتَ نَاصِرُنَا وَ مَادِحُنَا

"اے دعبلؒ! مرحبا! تم ہمارے ناصر ہو' تم ہمارے مداح ہو۔

اے دعبلؒ! محرم کی پہلی ہے کیا تم نے ہمارے جدؑ کا مرثیہ کہا؟"

آج مجلسوں کے اعلان ہیں یہاں سے وہاں تک ابھی مجلس سے اعلان ہو رہے تھے۔ بمبئی میں پتا نہیں کتنے عشرے ہو رہے ہیں۔ اس کا اعلان یہاں ہو رہا ہے۔ یہ آج کا دور ہے۔ وہ آٹھویں امامؑ کا دور تھا۔ جب امامؑ اپنے گھر میں سوگ وار بیٹھے ہیں۔

فرمایا: میرے جدؑ کے لیے کوئی مرثیہ کہا؟

دعبلؒ نے عرض کیا: ہاں مولاؑ! مرثیہ لایا ہوں۔ میں اسی لیے آیا ہوں کہ آپؑ کو مرثیہ سناؤں۔

فرمایا: اچھا دعبلؒ! ابھی ٹھہر جاؤ۔

اپنے دست مبارک سے پردہ آویزاں فرمایا۔ جب پردہ آویزاں فرما چکے تو بیت الشرف میں گئے' سیدانیوںؑ کو بلایا۔ فرمایا: بیبیوؑ! آؤ تمھارے جدؑ کا مرثیہ ہو رہا ہے۔ جب بیبیاںؑ آ گئیں اور امامؑ تشریف فرما ہوئے تو اب فرمایا: دعبلؒ! مرثیہ پڑھو۔

دعبلؒ نے مرثیہ شروع کیا: "اے فاطمہؑ! اے خیر خلق کی بیٹی! اُٹھیے' دیکھیے! آسمانِ عزت کے ستارے زمین پر بکھرے پڑے ہیں۔"

دعبلؒ مرثیہ پڑھ رہے ہیں' امامؑ رو رہے ہیں' سیدانیاںؑ گریہ کر رہی ہیں۔

کہتے ہیں:

"کوئی مدینہ میں سو رہا ہے' کوئی نجف میں سو رہا ہے' کوئی کربلا میں سو رہا ہے' کوئی کاظمین میں سو رہا ہے۔"

مرثیہ یہاں تک پہنچ کر ختم ہو گیا۔ جب مرثیہ تمام ہوا تو امامؑ نے شعر کا اضافہ کیا:

"ایک قبر طوس میں بنی ہے ہائے! اس کی مصیبت جو سب سے الگ ہے۔"

دعبلؒ نے شعر پڑھ کر پوچھا: مولاؑ! میں آپؑ کے گھر کا پرانا خادم ہوں مجھے آج تک نہیں معلوم کہ طوس میں کس کی قبر ہے؟

فرمایا: دعبلؒ! تجھے کیا معلوم ہو گا تو سچ کہتا ہے۔

دعبلؒ! میں طوس میں شہید کیا جاؤں گا' میری قبر زمین طوس پر بنے گی۔

بس!

غضب ہو گیا' دعبلؒ نے شعر دوبارہ پڑھ دیا۔ کنیز تڑپ کر آئی اور کہا: دعبلؒ! امام رضاؑ کی بہن کو غش آ گیا۔ اب شعر نہ پڑھنا۔

میں کہوں گا: ہائے! میرے حسینؑ کی بہن' ہائے شہزادی زینبؑ' حسینؑ کا سر نیزے پر' زینبؑ کلیجہ تھامے رو رو کر کہہ رہی تھی ارے! میرا ماں جایا' ارے میرا بھیا......

وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ

# مجلسِ سوم

## موضوع: علم اور تعلیم حکمت

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آل عمران: آیت ۱۹)

ارشادِ اقدسِ جناب ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

ہمارے آپ کے درمیان دین پر گفتگو ہے اور دین کے ذیل میں یہ بات ابھی ہو رہی ہے کہ اللہ نے جس کو دین کا رہبر بنایا تھا اور جس کو اپنا دین دے کر بھیجا تھا اس کی ڈیوٹیاں اور اس کے فرائض کیا تھے؟

میں نے پرسوں قرآنِ مجید کی آیات کی روشنی میں اس کے فرائض اور اس کی ڈیوٹیوں کا ذکر کیا ہے کہ جو اللہ نے پیغمبرؐ کی ڈیوٹیاں اور فرائض بتائے ہیں:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

"آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرے"

وَ يُزَكِّيْهِمْ

"لوگوں کے نفوس کو برائیوں سے پاک کرے"

وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

"ان کو کتاب کی تعلیم دے"

وَالْحِكْمَةَ

"اور ان کو حکمت کی تعلیم دے"۔

کل ہمارے آپ کے درمیان جو گفتگو ہو رہی وہ علم اور تعلیم کتاب پر رہی۔ قرآن مجید کائنات عالم کی وہ عظیم کتاب ہے جس میں دنیا کے تمام علوم اور دنیا کے تمام فنون اور دنیا کی تمام ایجادات اور دنیا کے تمام معاملات جو ہیں وہ سب اس میں ہیں اور اس نے اپنے متعلق یہ بات کہی ہے:

لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

(سورۂ مبارکہ انعام: آیت ۵۹)

"کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین نہ ہو"۔

عزیزانِ گرامی! قرآن تو اللہ کی کتاب ہے بندوں کی لکھی ہوئی کتابیں بھی ہر بندے کی سمجھ میں نہیں آتیں' بندوں کی لکھی ہوئی کتابیں بھی' ہماری آپ کی لکھی ہوئی کتابیں کالجوں میں اور یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو ہم لکھیں وہ ہر آدمی کی سمجھ میں آ جائے۔ جس مضمون کی کتاب ہوتی ہے اس مضمون کا اُستاد اس کو پڑھاتا ہے۔ اگر سائنس کی کتاب ہے تو سائنس کا آدمی پڑھائے گا۔ اگر آرٹس کی کتاب ہے تو آرٹس کا آدمی پڑھائے گا۔ اگر کامرس کی کتاب ہے تو کامرس کا آدمی پڑھائے گا۔ اگر قانون کی کتاب ہے تو قانون کا آدمی پڑھائے گا۔ جو جس چیز کا ماسٹر ہوتا ہے وہ اس شعبے کی کتاب کو پڑھاتا ہے۔

اللہ نے قرآن مجید میں جب سارے علم یکجا کر دیئے تو جو بندہ قرآن کو پڑھانے آئے گا۔

دیکھیے! ایک ایک چیز غور کرتے جایئے!

میں جو عرض کر رہا ہوں نہ یہ عقیدت ہے' نہ یہ محبت ہے' نہ یہ اندھا پن ہے کہ بھیا! خدا کے لیے مان لو۔ آپ کو اپنے بچے کے لیے ایک اُستاد کی ضرورت ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا: اطہر صاحب! بچے کی پڑھائی کے لیے ایک اُستاد بھیج دیجیے۔ چھوٹا بچہ ہے اس کو کچھ بتا دیا جائے۔

ہم نے ایک صاحب کو بھیج دیا تو ان کو بٹھایا' آپ نے چائے پلائی۔ کہا: کہاں کے پڑھے ہوئے ہیں آپ؟ انھوں نے کہا: میں کہیں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ کہا: اچھا! یعنی آپ کسی کالج و سکول میں نہیں پڑھے بل کہ گھر میں پڑھے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں! تعلیم ہے ہی نہیں' نہ گھر پے' نہ گھر سے باہر' میں پڑھا ہوا ہوں ہی نہیں۔

کہا: ہم نے تو آپ کو بچوں کی پڑھائی کے لیے بلایا تھا' آپ پڑھائیں گے کیا؟ انھوں نے کہا: مولوی صاحب نے کہا تھا کہ چار بجے جا کر پڑھا دیا کیجیے۔ کہا: ہاں! بالکل ہم نے چار بجے ہی کہا تھا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے صبح کو میں پڑھ لیا کروں گا اور چار بجے آ کر پڑھا دیا کروں گا۔ کہا: ایسے اُستاد سے تو بچہ ایسے ہی ٹھیک ہے۔

اگر آپ اپنے پانچ' چھ برس کے بچے کے لیے ایسا اُستاد نہیں رکھیں گے جو

دن کو پڑھے اور شام کو پڑھائے تو کیا اللہ کائنات کے لیے ایسا نبیؐ بھیجے گا جو یہاں پڑھے اور یہاں پڑھائے۔ نبیؐ کو اُدھر کا پڑھا ہوا ہونا چاہیے۔

میں نے کل بھی بات کی تھی آج بھی میں مثال دے کر بات کر دی۔ اب جب آپ سے ہماری ملاقات ہوئی تو آپ نے کہا: اطہر صاحب! آپ نے ہمارے ساتھ اچھا مذاق کیا' ایسا اُستاد بھیجا جو پڑھا ہوا ہی نہیں ہے۔ میں نے کہا: ایسا نہیں ہے' میں نے بھیجا نہیں تھا وہ سن رہے تھے چلے آئے ہوں گے۔ میں کل بھیجوں گا۔

خیر! وہ دوسرے دن آئے' ان کو دیکھتے ہی آپ کا دل کانپ اُٹھا۔ اس لیے کہ وہ شہر کے مشہور بدمعاشوں میں سے تھے۔ ان کا نام پولیس میں ہر جگہ بہت مشہور تھا۔ ان کو تو دیکھ کر ہی آپ دہل گئے کہ یہ کیسے ہمارے دروازے پر آ گئے؟ میں بدنام ہو جاؤں گا۔

آپ نے کہا: جی ہاں! وہ میں نے اطہر صاحب سے کہا تھا لیکن بچہ اپنے ننھیال چلا گیا اور وہ چھ مہینے تک وہیں رہے گا۔ بڑی زحمت کی آپ نے۔ اچھا! بڑی مہربانی۔ یہ کہہ کر جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

آپ نے مجھ سے شکوہ کیا کہ اطہر صاحب! ٹھیک ہے پہلے تو آپ نے مذاق کیا تھا لیکن اب کی بار جس آدمی کو آپ نے بھیجا ہے ایسے لوگوں کو میں اپنے دروازے پر آنا پسند نہیں کرتا۔ اس سے میری بدنامی ہو گی۔ اگر کوئی دیکھ لیتا تو کیا سوچتا کہ ان کے کیسے کیسے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ ان کے دروازے پر کیسے کیسے

لوگ آتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ کو ان کے افعال سے کیا مطلب ہے۔ وہ بہت قابل آدمی ہے۔ آپ کو اپنے بچے کے پڑھوانے سے مطلب ہے یا اس کے افعال سے مطلب ہے؟ وہ آپ کے بچوں کو پڑھانے کے لیے بہت ہے۔

انھوں نے کہا: نہیں! ہم ایسے آدمی سے بچہ نہیں پڑھوانا چاہتے جس کا کردار بُرا ہو۔ اس لیے کہ اس کے چال چلن کا اثر ہمارے بچے پر پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ آپ اپنے بچے کے لیے کسی ایسے اُستاد کو برداشت نہیں کر سکتے جس کا کردار بُرا ہو اور اللہ دنیا کو پڑھانے کے لیے غیر معصوم بھیج دے گا؟

عصمت نبیؐ اور علم نبیؐ دونوں اس بات سے ثابت ہیں کہ وہ کتاب پڑھانے آیا ہے۔

اب آیئے! ایک قدم اور بڑھتے ہیں! ایک حد تک آپ کے دماغ میں بوجھ اُٹھانے کی سکت ہے اس کے بعد نہیں ہے۔ آپ کی یادداشت کی بھی طاقت ہے۔ آپ کی جانچ کرنے کی بھی ایک طاقت ہے۔ اس کے آگے آپ نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہ ستون لگے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک طاقت ہے۔ یہ چھت کا بوجھ اُٹھا لے گی۔ لیکن اگر آپ دوسرا کمرہ اُوپر بنائیں گے تو یہ ستون کام نہیں آئیں گے اور اگر آپ اُوپر کمرے بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو پوری عمارت کو دوبارہ بنانا ہوگا۔

معلوم ہوا کہ ہر چیز اپنے حساب سے بنتی ہے۔ ہمارا مٹی کا بنا ہوا دماغ اتنے علم کا بوجھ نہیں برداشت کر سکتا اور اگر آپ کو اس میں کچھ شک ہو تو میں آپ

کو ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ آپ بمبئی کی خالی ٹیلی فون ڈائریکٹری یاد کر لیجیے کہ جب کوئی نمبر آپ سے پوچھا جائے تو آپ فوراً بتائیں۔ غلطی نہ ہو۔ زندگی گزر جائے گی آپ کی مگر آپ بمبئی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری یاد نہیں کر سکتے۔ آپ کے دماغ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ آپ بمبئی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری یاد کر سکیں۔

کیوں؟ اس لیے کہ مٹی کے بنے ہوئے دماغ میں اتنی سکت نہیں کہ بمبئی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری یاد کر سکے۔ مگر ایک کمپیوٹر میں پوری ڈائریکٹری محفوظ بھی ہوتی ہے اور صحیح جواب بھی دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں ایک برقی رو ہے جو اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔

اب سمجھ میں آیا کہ ہم رسولوںؑ اور اماموںؑ کے نورانی ہونے کے کیوں قائل ہیں۔ اس لیے کہ ان کے ذمہ جو کام ہے وہ مٹی کا بنا ہوا آدمی پورا نہیں کر سکتا اس لیے ان کو نورانی ہونا چاہیے (نعرۂ حیدری)۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

''ان کو کتاب کی تعلیم دے''

وَ الْحِكْمَةَ

''اور حکمت کی تعلیم دے''۔

حکمت کیا چیز ہے؟

حکمت کے بغیر علم کا جوہر نہیں کھلتا اور حکمت کے بغیر علم کا فائدہ نہیں ہوتا۔

چھوٹے چھوٹے بچے جمع ہیں جن کی عمریں پانچ سال سے لے کر دس سال

تک ہیں اور میں ان میں جو تقریر کر رہا ہوں وہ اتنی عالمانہ ہے کہ ان میں سے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ علم کا استعمال بھی ہو رہا ہے بالکل صحیح استعمال ہو رہا ہے مگر بچے باتیں کیے جا رہے ہیں پریشان ہوئے جا رہے ہیں۔ پسینے پسینے ہوئے جا رہے ہیں کہ یہ آدمی کیا بک رہا ہے۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ معلوم ہوا کہ علم تو ہے مگر جب علم حکمت سے محروم ہو جائے تو زحمت بن جاتا ہے فائدہ نہیں پہنچاتا۔

يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

"کتاب کی تعلیم دے اور حکمت کی تعلیم دے"۔

حکمت علم کے جوہر کو کھولتی ہے۔ حکمت سے مراد وہ نہیں جو حکیم ہوتے ہیں۔ وہ عربی میں طبیب کہلاتا ہے حکیم نہیں کہلاتا۔ حکیم کا لفظ جو وہ اس سے بڑے معنوں میں استعمال ہوتا ہے سکالرز دانش وران کے معنوں میں حکیم استعمال ہوتا ہے تو جس کے پاس حکمت نہ ہو موقع شناسی نہ ہو محفل دیکھنے کی بات نہ ہو۔ وہ بات کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ حکمت وہ شئے ہے جس کے لیے اللہ نے اپنے رسولؐ سے کہا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

"اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت کے ساتھ اور اچھے موعظہ کے ساتھ" (سورۂ مبارکہ نحل: آیت ۱۲۵)۔

چناں چہ جب ہم حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی حیاتِ طیبہ ملاحظہ کرتے ہیں تو ہم کو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ نے جس طریقے سے لوگوں کو دعوتِ اسلام

دی ہے' جس طریقے سے مذہب کی طرف لوگوں کو بلایا ہے وہ اتنا دلکش انداز تھا' اتنا دلوں کو کھینچ لینے والا انداز تھا کہ جو آپ کے بدترین مخالف بھی تھے جو آپ کے بدترین دشمن بھی تھے وہ آپ کے کردار سے' آپ کی سیرت سے' آپ کے عمل سے اور آپ کی زندگی سے متاثر تھے اور آج مسلمانوں کو خاص طور سے علم و حکمت کی شدید ضرورت ہے۔ اس لیے کہ یہ اُمت پتا نہیں کن اسباب کی بنا پر' وہ باتیں مت چھیڑیے تو اچھا ہے۔ یہ اُمت علم سے محروم ہو گئی ہے اور یہ اُمت حکمت سے محروم ہو گئی ہے۔ اسلام کے مسائل کا حل اور اسلام کی مشکلات د[illegible] ف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ اپنے سامنے سیرتِ سرور کائنات ﷺ [illegible] ور کھیں کہ کیا ہے۔ آج ہر طرف سے یہ آوازیں آتی ہیں کہ یہ دشمن اسلام' یہ دشمن اسلام' یہودی دشمن اسلام' عیسائی دشمن اسلام' مشرک دشمن اسلام' مغرب دشمن اسلام' فلاں دشمن اسلام' اسلام چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تو اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ دشمن اسلام مل کر سوچیے کہ کبھی دور ایسا آیا ہے کہ جب اسلام چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہو' تو تاریخ [illegible] ہے کہ اسلام آیا تھا اور جب سرور کائنات ﷺ نے مکہ کے ماحول میں اسلام کو پیش کیا ہے تو چاروں طرف سے دشمنانِ اسلام کا نرغہ تھا' کفار' مشرکین' یہ' وہ' وہ جو ہیں دشمن اسلام' ایسے دشمن اسلام ماحول میں سرور کائنات ﷺ نے کون سا کردار پیش کیا؟

دیکھیے!

یہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو غور کرنے کی بات ہے اور یہ نوجوان اس لیے

پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ جس وقت مکہ میں اسلام کا آغاز ہوا ہے اور اس وقت اسلام سے دشمنی اپنے عروج پر تھی۔ ایسے دشمن ماحول میں رسولؐ نے مسلمانوں کو اور اسلام کو کس طرح بچایا ہے؟ سب سے عظیم شئے جو ان دشمنوں کو مکہ میں مار رہی تھی وہ رسولؐ کا اخلاق تھا۔

قرآن کہتا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورۂ مبارکہ قلم: آیت ۴)

"اے میرے حبیبؐ! آپؐ تو صاحب خلق عظیم ہیں۔"

کفار قریش ہوں یا دشمنانِ اسلام ہوں یا مخالفین مذہب ہوں رسولؐ نے جس سے بات کی محبت سے بات کی۔ جس سے بات کی تہذیب سے بات کی۔ جس سے بات کی اس طرح بات کی کہ اس کے دل میں بات اثر کر گئی۔ جس سے بات کی اس طریقے سے بات کی کہ اس نے ایک دم سے یہ سمجھ لیا کہ یہ ایک معمولی آدمی ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

غصہ، گرمی، برہمی، برداشت کا فقدان یہ بڑی بات نہیں ہے بل کہ کردار کی خوبی یہ ہے کہ آپ غصے کو پی جائیں۔ آپ برہمی کا اظہار نہ کریں۔ آپ برداشت کریں۔ آپ دوسرے سے اس طریقے سے بات کریں کہ وہ آپ کا اپنا ہو جائے اور محسوس کرے۔ رسولؐ نے مکہ کی زندگی میں لوہے کی تلوار سے گردنیں نہیں کاٹی ہیں بل کہ اخلاق کی تلوار سے گردنیں کاٹی ہیں۔ سینکڑوں واقعات ایسے

ہیں۔ ابوجہل آپؐ کے اَخلاق کا اِقرار کر رہا ہے۔ ابولہب آپؐ کے اَخلاق کا اِقرار کر رہا ہے۔ کفارِ مکہ آپؐ کے اَخلاق کا اِقرار کر رہے ہیں۔ ایک چیز تھی اَخلاق اور دوسری چیز تھی کردار۔

خدا کی قسم! اگر آج مسلمان صرف ان باتوں پر غور کریں تو ہر چیز اور ہر مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ایک چیز تھی اَخلاق اور دوسری چیز تھی کردار۔

اَخلاق کیا تھا؟

غیر سے ملا تو گرویدہ ہو گیا اور دو باتیں جس سے کیں وہ عاشق ہو گیا اور اس نے کہا کہ یہ تو آدمی پر جادو کر دیتے ہیں۔ حالاں کہ وہ جادو نہیں تھا بل کہ وہ میٹھی زبان تھی جو دلوں میں اُتر جاتی تھی۔

دوسری طرف کردار تھا کہ اگر کسی شخص سے کہہ دیا کہ میں یہاں تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ بھول گیا' کئی گھنٹوں کے بعد جو وہ آیا پلٹ کر تو دیکھا کہ وہیں کھڑے ہیں۔ عرض کیا: آپؐ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟ فرمایا: تم صبح ملے تھے نا! اور میں نے کہا تھا کہ تم پلٹ کر آؤ میں یہاں انتظار کر رہا ہوں۔ وہ ہاتھ جوڑ کر قدموں پر گر پڑا۔

عرض کیا: سرکارؐ! معاف کر دیں مجھے یہ اندازہ نہیں تھا' مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب وہ معذرتیں کر رہا ہے۔ رسولؐ فرما رہے ہیں: کوئی بات نہیں ہے۔ نہ چہرے کی مسکراہٹ میں فرق ہے' نہ مذاق میں برہمی ہے' نہ لبوں کے اُوپر کوئی غصہ ہے' نہ آنکھوں میں کوئی سرخی ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس اَخلاق کے اثر سے لوگ متاثر

ہو رہے ہیں۔ آج مسلمانوں میں وہ اخلاقِ محمدؐ کہاں ہے؟

ہم اس کی تلاش کرتے ہیں۔ بدتر سے بدتر کافر اور بدتر سے بدتر مخالف مذہب بھی یہ کہتا ہے کہ یہ امانت میں خیانت نہیں کریں گے۔ چناں چہ جس وقت ہجرت کر رہے تھے تو تاریخ بتاتی ہے کہ امانتیں مولا علی علیہ السلام کے حوالے کر کے گئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کے وقت تک کافروں کی امانتیں رسولؐ کے پاس تھیں تو کافر کافر ہوتے ہوئے یہ جانتے تھے کہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہیں' یہ ہمارے نظریات کے خلاف ہیں' یہ ہمارے عقائد کے خلاف ہیں مگر ایک ہزار دینار کی تھیلی ان کے پاس اگر رکھوادی ہے تو جیسے رکھوائی ہے ویسے ہی ملے گی اس میں ہاتھ نہیں لگایا جائے گا لیکن ہمارا ابوجہل ہمارا اپنا ہے' ہمارا ہم مذہب ہے' ہمارا دوست ہے مگر بھیا پیسا نہ رکھوانا ورنہ رو پڑو گے۔

عزیزانِ گرامی! انصاف سے بتایئے کہ اگر مسلمان محمدؐ کی صرف ایمان داری کو اپنائے ہوتا اور دنیا کی ہر قوم اس بات کو جانتی ہوئی کہ مسلمان کی گردن کٹ جائے گی مگر وعدہ خلافی نہیں کرے گا اور امانت میں خیانت نہیں کرے گا تو پوری دنیائے تجارت پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا (نعرۂ حیدری)۔

ساری دنیا کی تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی کہ صاحب وہ مسلمان ہیں اگر انھوں نے کہہ دیا کہ مال اس تاریخ کو آئے گا تو آئے گا' فکر کی کوئی بات نہیں۔ اگر انھوں نے تاریخ دے دی ہے کچھ پیسے دے دے گا تو کچھ پیسے دے دے گا۔

عزیزانِ گرامی!

یہ ہے کردار، یہ ہے سیرت، یہ ہے تعلیم، یہ ہے اَخلاق، یہ اَخلاقِ رسولؐ ہے، یہ کردارِ رسولؐ ہے۔ مسلمان میں آج برداشت ختم ہو گئی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر آستینیں اُلٹ لیتا ہے۔ ہمارے تعصب ہو رہا ہے۔ بے شک میں تعصب کے وجود سے انکار نہیں کرتا لیکن آپ سیرتِ رسولؐ پر عمل پیرا ہوں تو تعصب کی دیواریں گر جائیں گی۔ تعصب اس وقت آدمی کرتا ہے جب آپ کے جیسے اس کو اپنے گھر میں مل جائیں، اگر آپ بمبئی میں دل کے سب سے اچھے ڈاکٹر ہیں تو کوئی تعصب کام نہیں کرے گا جو بیمار ہو گا اس کی پہلی کوشش یہی ہو گی کہ وہ آپ سے علاج کرائے۔ اگر سب سے اچھا نقشہ بناتے ہیں تو جو بلڈنگ بنائے وہ سب سے پہلے آپ کے پاس آئے گا۔ اس طرح تعصب کی ساری دیواریں گر جائیں گی۔ یہ دھوکہ دینے والی باتیں ہیں کہ تعصب ہوتا ہے۔ ہوتا ہو گا تعصب مگر تعصب اس لیے ہوتا ہے کہ ہمارے اندر کمزوریاں ہیں۔ آپ نے کون سی اسلام کی ایسی مدد کی ہے جو قابلِ تعصب ہو۔ علیؓ سے ہو گا تعصب، علیؓ کی تلوار نے دشمنانِ اسلام کو قتل کیا تھا اور ان کو انجام تک پہنچایا تھا۔

علیؓ سے زیادہ تعصب ہو گا یا آپ سے ہو گا؟ آپؐ نے زیادہ خدمت کی ہے اسلام کی یا تم نے زیادہ خدمت کی ہے؟

آپ نے زیادہ مقابلہ کیا ہے دشمنانِ اسلام (کفار) سے یا علیؓ نے زیادہ مقابلہ کیا ہے؟

پھر کیا وجہ ہے کہ مولا علی علیہ السلام کی سیرت کو پلٹ دیا۔ کبھی آپ کو یہ نظر آئے گا کہ علیؑ فلاں یہودی کے باغ میں کام کر رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ تعصب کے باوجود لوگ علیؑ کو کام کیوں دیتے تھے؟

بھئی! علیؑ کی تو صورت ہی دیکھ کر ہر کوئی کہتا کہ ہمارے پاس کام نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد علیؑ کو کام مل رہا ہے۔ تعصب کو کام نہیں مل رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ علیؑ سب سے زیادہ کام کریں گے۔ سب سے بہتر کام کریں گے۔ لہٰذا اس کو اپنا فائدہ مقصود ہے' تعصب کی دیوار گر رہی ہے۔ یہ یہودی آیا علیؑ سے پوچھنے' یہ نصرانی آیا علیؑ سے پوچھنے' یہ مجوسی آیا علیؑ سے پوچھنے۔ یہ غیر مسلم علیؑ کے دروازے پر سوال کرنے کیوں آ رہے ہیں؟ تعصب کیوں کام نہیں کر رہا ہے؟

وہ جانتے ہیں کہ علیؑ ہمارے اپنے مذہب کے نہیں ہیں لیکن جواب ملے گا تو انھیں سے ملے گا کسی اور سے نہیں ملے گا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی! غور طلب بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ میری تقریر کچھ ذہنوں میں پھل رہی ہو مگر غور طلب بات یہ ہے کہ آدمی کو کبھی کبھی دن میں ایک آدھ دفعہ آئینہ بھی دیکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ دنیا میں سب کی صورت دیکھ سکتے ہیں اپنی صورت نہیں دیکھ سکتے۔ اگر میرے ماتھے پر کالا دھبہ لگا ہے تو ساری مجلس میں جتنے لوگ ہیں سب دیکھیں گے اور اس کا ڈیو جہاں جہاں تک جا رہا ہے وہاں وہاں تک والے بھی دیکھیں گے سوائے میرے کہ میں نہیں دیکھ سکتا یا کوئی متوجہ

کرے کہ آپ کے کالا دھبہ لگا ہے یا میں آئینہ دیکھوں ورنہ مجھے پتا نہیں لگے گا کہ میرے یہاں کالا دھبہ لگا ہوا ہے۔

عزیزانِ گرامی! مسلمان کو چاہیے کہ تقریر کرنے والے کی تقریر سنے یا آئینہ دیکھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا ہمارے ساتھ تعصب برت رہی ہے مگر ہم نے علم کو کیوں چھوڑ دیا؟ کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ہمارے شہر جس میں دوستوں کی کمی نہیں ہے' جن میں پیسے کی کمی نہیں ہے جس میں سونے اور چاندی کی نہریں بہتی ہیں۔ سونا صرف سنہری نہیں ہوتا ہے بل کہ سفید سونا بھی ہوتا ہے' سبز سونا بھی ہوتا ہے اور کالا سونا بھی ہوتا ہے۔

توجہ ہے! جن کے گھروں میں سونے چاندی کی نہریں بہتی ہوں وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے بچے اس لیے نہیں پڑھے کہ پیسے نہیں تھے۔ ہم اس لیے نہیں پڑھوا پائے بچوں کو کہ پیسے نہیں تھے۔ ہم اس لیے یونیورسٹیاں قائم نہیں کر پائے کہ پیسے نہیں تھے۔ ہم اس لیے تعلیمی ادارے قائم نہیں کر پائے کہ پیسے نہیں تھے۔ پیسے بہت تھے لیکن آرام طلبی کی عادت نے محنت کی عادت چھڑا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دوسروں کا دست نگر بن گیا۔ مسلمان دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے والا بن گیا۔ مسلمان دوسروں کے آگے اپنی ضروریات کو پیش کرنے والا بن گیا اور آج جب حالات بگڑ گئے تو اب لوگ فریاد کر رہے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟

عزیزانِ گرامی! میرا سلسلۂ بیان آگے بڑھے گا لیکن آج میں آپ کی خدمت میں اپنے بیان کی theme کو عرض کر دوں تا کہ اس کے آگے بات جو

ہے وہ ہوتی رہے کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ "دین کیا ہے؟" یہ سناؤں گا اور "اسلام کے دشمن کون ہیں؟" یہ سناؤں گا۔ ہوسکتا ہے کہ بت پرست تو سب نے ہمارے ساتھ کوئی دشمنی کی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ یہودیوں نے ہمارے ساتھ زیادتیاں کی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ عیسائیوں نے ہمارے ساتھ زیادتیاں کی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ مغرب نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہو۔ ہمیں ان باتوں سے کوئی انکار نہیں ہے لیکن آپ اپنے اصلی دشمن کو پہچانیے کہ وہ کون ہے۔

میں نے پوری تحقیق کر کے اور پورا وقت صرف کر کے اور سال بھر کی محنت کر کے میں نے اسلام کے دشمن ڈھونڈ نکالے ہیں کہ جنھوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اور ان دشمنوں کو جب تک آپ پہچانیں گے نہیں اس وقت تک آپ اسلام کی خدمت نہیں کر پائیں گے۔ جب تک ڈاکٹر مریض کے مرض کو نہیں پہچانے گا اس وقت تک وہ دوا تجویز نہیں کرسکتا اور جب تک دوا تجویز نہیں ہوگی اس وقت تک مریض اچھا نہیں ہوگا۔ سب سے پہلا کام جو ہوتا ہے وہ تشخیص مرض ہوتا ہے کہ پہلے یہ معلوم ہو کہ مرض کیا ہے' دوا تو معلوم ہے کہ یہ ہے لیکن پہلے یہ تو طے ہو جائے کہ مرض کیا ہے' کون سا بخار آ رہا ہے پھر جونسا بخار آ رہا ہو اس کی دوا دی جائے۔ بنیادی بات مرض کی تشخیص ہے۔

عزیزان گرامی! اسلام کو جو نقصان پہنچا ہے وہ تین چیزوں سے پہنچا ہے:

① ملوکیت ② جہالت ③ کٹھ ملائیت

اسلام کی سب سے بڑی دشمن وہ جہالت ہے۔ جب اسلام آیا ہے تو اس کا

پہلا مقابلہ دورِ جاہلیت سے ہوا تھا۔ آپ نے کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ دورِ جاہلیت تھا۔ جب اسلام آیا تو اسلام کی سب سے بڑی دشمن جہالت ہے نمبر ایک۔

دوسرا دشمن اسلام کا ملوکیت۔ اسلام کا تیسرا دشمن کٹھ ملائیت۔

کٹھ ملائیت کا کیا مطلب ہے؟

میں یہ لفظ اکثر پڑھتا ہوں۔ یہ اُردو کا خاص لفظ ہے۔ اسلام کا مترادف لفظ نہ عربی میں ہے نہ فارسی میں ہے جو اُردو کا خاص لفظ کٹھ ملا، ملا کے معنی بہت اچھے ہیں' عربی لغت میں آپ دیکھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ملا کے معنی ہیں جس کے پاس بہت علم ہو' علم سے بھرا ہوا' پڑھا لکھا آدمی' سکالر' اس کو عربی زبان میں مُلا کہتے ہیں۔ یہ کٹھ ملا جو لگا دیا وہ ایسا آدمی جس کے کپڑے اور لباس تو مولوی جیسے ہوں لیکن اندر سے علم کا خزانہ خالی ہو۔ اس کو اُردو زبان میں کٹھ ملا کہتے ہیں۔

اسلام میں یہ تین طبقے تھے جنھوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا' جہالت نے معاملے کو سمجھنے نہ دیا' ملوکیت نے جہالت سے فائدہ اُٹھا کر گم راہ کیا اور کٹھ ملائیت نے دلالی کی مذہب اور حکومت کے درمیان۔ مذہب کا مزاج یہ ہے کہ ہم سب سے بڑے' بادشاہت کا مزاج ہے کہ ہم سب سے بڑے۔

توجہ ہے! مزاج مذہب یہ ہے ہم سب سے بڑے' ہم سے بڑا کوئی نہیں اور بادشاہ کا مزاج یہ ہے کہ ہم سب سے بڑے' ہم سے بڑا کوئی نہیں۔ دو بڑے ایک جگہ نہیں رہ سکتے' ٹکراؤ ہو جائے گا۔ اب بیچ والا طبقہ پیدا ہوا کہ مذہب بھی راضی رہے اور سرکار بھی راضی رہیں تو سرکار کی حمایت میں مذہب کو تبدیل کر کے فتویٰ

دیتے رہے۔ یہ کٹھ ملائیت تھی جس نے اسلام کو برباد کیا۔

عزیزانِ گرامی! اگر آپ کو کٹھ ملائیت کا غلاظت دیکھنا ہو تو یہاں پر دیکھ لیں جہاں پر قتل حسینؑ کے فتوؤں پر عالموں نے دستخط کیے اور اللہ نے اسلام کے پاس ان تین چیزوں کا جواب بھی دیا۔ جہالت کے جواب میں قرآن ہے' ملوکیت کے جواب میں عبدیتِ محمدؐ ہے۔

سنیے! جہالت کا جواب قرآن' ملوکیت کا جواب عبدیتِ محمدؐ اور کٹھ ملائیت کا جواب علم اہل بیتؑ (نعرہ حیدری)۔

دین میں جو بگاڑ پیدا ہوا اور دین میں جو خرابی پیدا ہوئی اور دین میں جو اختلافات پیدا ہوئے وہ انھی چیزوں کا نتیجہ ہے۔

عزیزانِ گرامی! میں نے آپ کو دین کے متعلق عرض کیا' دین کے بعد دین کے رہبر کے فرائض کیا ہیں؟ یہ بیان کیے جس میں تعلیم دینا' کتاب وحکمت کی تعلیم دینا شامل ہے۔ انسانی کردار کو صحیح کرنا شامل ہے' انسانی سیرت کو' اس کے ذہن کو تیار کرنا شامل ہے حق کو قبول کرنے کے لیے۔ اب ہمارا بیان اس تمہید کے بعد آگے بڑھے گا اصلی بیان اب شروع ہوتا ہے۔

اللہ نے دین اس لیے بھیجا کہ انسان کو انسان بنا کر پیش کرے اور دین آدمؑ سے لے کر سرورِ کائناتؐ تک ایک ہی ہے بدلا نہیں ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (سورہ مبارکہ آل عمران: آیت ۱۹)

''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔''

وہ ایسا نہیں ہے کہ آج اسلام ہے' کل عیسائیت تھی' پرسوں یہودیت تھی۔
ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں سے وہاں تک پورا دین حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے یہ سب ایک ہی دین کے رہبر تھے اور اس ایک دین کا نام ہے اسلام۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے آئے سب ایک ہی دین کے رہبر تھے اور اس دین کا نام ہے اسلام۔ اب جو نئی شریعتیں آئیں۔

دیکھیے! دو لفظ ہیں:

① شریعت ② دین

شریعت اور دین کا فرق سمجھیے کہ کیا ہے؟

دین بڑا دائرہ ہے' شریعت بڑے دائرے میں چھوٹا دائرہ ہے۔ جیسے ہندوستان بڑا دائرہ ہے اور مہاراج بڑے دائرہ میں چھوٹا دائرہ ہے۔ مہاراج ہندوستان سے باہر نہیں ہے مگر پورا ہندوستان مہاراج بھی نہیں ہے۔ ہندوستان میں اور بھی صوبے ہیں۔ ایک صوبے کا نام مہاراج بھی ہے۔ جس طریقے سے کچھ طریقے ایسے بھی ہیں جو مہاراج حکومت کے ہیں لیکن جب آپ گجرات چلے جائیں گے تو وہ قانون نہیں رہے گا۔ کچھ قانون ایسے ہیں جو وفاقی حکومت کے ہیں جو دہلی حکومت ہے۔ ہندوستان کے کسی صوبے میں ہوں گے آپ تو وہ قانون لاگو ہوں گے اس لیے کہ وہ وفاقی حکومت کے قانون ہیں۔ کچھ چھٹیاں ایسی ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مہاراج میں چھٹی ہو لیکن گجرات یا راجستھان میں نہ ہو۔ کچھ

چھٹیاں ایسی ہیں جو یوپی یا گجرات میں ہوں کسی اور صوبے میں نہ ہوں لیکن وفاقی حکومت کی چھٹی ہو گی تو پورے ہندوستان میں اس دن چھٹی ہو گی۔ جس طریقے سے وفاقی حکومت اور صوبائی حکومت ہوتی ہے اسی طریقے سے دین اور شریعت ہے۔

دین کو آپ سمجھیے کہ وفاقی حکومت ہے اور شریعت جو ہے وہ صوبائی حکومت ہے۔

غور کیا آپ نے؟

اب شریعت تبدیل ہوتی ہے انسانی ضروریات کی بنیاد پر' دین تبدیل نہیں ہوتا' دین وہی ہے جو تھا تو حضرت آدم علیہ السلام جو دین لے کر آئے تھے وہی دین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی لائے تھے' البتہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں انسانیت کی ابتدا تھی۔ بچہ جب بہت چھوٹا ہوتا ہے تو اس کو کتاب نہیں دی جاتی خالی بڑی کی تربیت ہی سے وہ سنورتا ہے۔ اس لیے آدمؑ نبی تھے مگر صاحب کتاب نہیں تھے صرف تربیت آدمؑ ہی کافی تھی آدمی کو آدمی بنانے کے لیے۔ لیکن جب حضرت نوح علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ صحیفہ بھی آیا۔ اب ضرورت پڑ گئی۔ جب ابراہیم علیہ السلام آئے تو ان کو صحیفے عطا کیے گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کو تورات جیسی کتاب عطا کی گئی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کو انجیل جیسی کتاب عطا کی گئی اور جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو کیوں کہ یہ آخری نبی تھے اور ان کے بعد اب کوئی نبی آنے والا نہیں تھا لہٰذا دین کے ساتھ ساتھ ان کی شریعت کو اللہ نے صبح قیامت کے لیے باقی رکھ دیا۔ اگر اور نبی بھی ان کے بعد آنے والا ہوتا تو شریعت میں تبدیلی کا امکان تھا لیکن چوں کہ یہ آخری نبیؐ تھے لہٰذا

ان کی شریعت بھی صبح قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ میں اس لیے سنا رہا ہوں آپ کو کہ بچوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جی دین اور شریعت ایک ہی چیز ہے۔ ایسا نہیں ہے' دین الگ ہے' شریعت الگ ہے۔ جہاں تک دین کو نقصان پہنچنے کا سوال ہے۔

سنیے! دین کے لیے ہمیشہ بیرونی دشمن بھی رہے اور اندرونی دشمن بھی رہے۔ بیرونی دشمن کون؟ جو گھر سے باہر حملہ کریں۔ اندرونی دشمن کون؟ جو گھر میں نظام کو خراب کریں۔

مذہب کے ساتھ دونوں دشمن رہے' بیرونی بھی' اندرونی بھی۔ حضرت آدمؑ جب آئے تو بیرونی دشمن شیطان تھا' جس نے آدمؑ کا مقابلہ کیا۔ اندرونی دشمن قابیل تھا جس نے گھر میں بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قابیل جو تھا وہ شیطان کے ہاتھ میں کھلونا بن کر آدمؑ کے گھر میں فساد کا سبب بنا۔ یہ روزِ اول کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ آدمؑ سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے نبی جب آئے تو ان کو شروع میں جو دو بیٹے ملے ان میں ایک نیک تھا' ایک بد تھا۔ ایک مقتول تھا یعنی شہید تھا' ایک قاتل تھا۔ ایک ظالم تھا' ایک مظلوم تھا۔ اسی دن سے آدمؑ کی میراث بٹ گئی۔ کچھ قاتلوں کے حصے میں چلے گئے' کچھ شہیدوں کے حصے میں چلے گئے۔

سوال: آج لوگ اکثر پوچھتے ہیں: بھئی! ہم لوگ ہابیلؑ کی نسل سے ہیں یا قابیل کی نسل سے ہیں؟

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ نہ ہابیلؑ کی نسل سے ہیں نہ قابیل کی نسل سے ہیں اللہ نے حضرت آدمؑ کو اور اولادیں دی تھیں ہم لوگ جو آدمؑ کی اور اولادوں کی نسل سے ہیں۔ نہ ہابیلؑ کی نسل سے ہیں نہ قابیل کی نسل سے ہیں۔ یہ تو وہ جواب ہے جو کتاب میں لکھا ہے لیکن اگر یہ ضد ہے کہ نہیں صاحب! ہابیلؑ کی نسل سے ہیں یا قابیل کی نسل سے؟

بھیا! اس کا بہت سیدھا سا جواب یہ ہے کہ جو شبیدوں کا ساتھ دے وہ ہابیلؑ کی نسل سے ہے، جو قاتلوں کا ساتھ دے وہ قابیل کی نسل سے ہے (نعرۂ حیدری)۔

ایک شخص آیا جس نے کہا: میرے خیال میں انسان گھاس پھوس کی طرح پیدا ہو کر مر جاتا ہے۔ اس کے چہرے کی سرخی، اس کے مزاج کی برہمی شیر خداؑ کو ذوالفقار نکالنے پر مجبور کر سکتی تھی مگر علیؑ نے ایسا نہیں کیا۔ بڑے پیار سے اس کو جواب میں فرمایا: بھائی! برا کیوں مان رہا ہے، جھگڑ کیوں رہا ہے۔ ارے بھئی! اگر تو ٹھیک کہہ رہا ہے تو ہمارا گیا کیا، کچھ نہیں ہے تو نہ سہی، تم نے بھی انجوائے کیا ہم نے بھی انجوائے کیا۔ تم نے بھی کھانا کھایا، ہم نے بھی کھایا۔ تیرے بھی بال بچے ہوئے، ہمارے بھی بال بچے ہوئے۔ آخرت میں ہم بھی ختم ہو گئے، تم بھی ختم ہو گئے۔ ہمارا گیا کیا، ہمارا نقصان کیا ہوا۔ لہٰذا ہم کاہے کو پریشان ہوں لیکن اگر ہم صحیح کہہ رہے ہیں کہ آخرت ہے تو تم بتاؤ کہ تم کدھر جاؤ گے؟ تھوڑی دیر سوچتا رہا اور عرض کیا: یا علیؑ! کلمہ پڑھوا دو۔

دیکھا آپ نے! کافر بھی کبھی یوں بھی قتل ہو جاتے ہیں علیؑ کی زبان

ہے (نعرۂ حیدری)۔

## ذکرِ مصائب: داخلہ کربلا

عزیزانِ گرامی! زندگی رہی تو بات کل آگے بڑھے گی۔ آج تو صرف اتنا کہ اسی دین کو بچانے کے لیے حسینؑ کربلا میں آئے۔ اس لیے کہ دین قربانی چاہتا ہے' دین خون چاہتا ہے۔ دین کو ضرورت تھی کچھ کٹے سروں کی' دین کو ضرورت تھی کچھ قربانیوں کی تاکہ صبح قیامت تک اسلام زندہ ہو جائے۔ کوئی مقصد بغیر قربانی کے آگے نہیں بڑھتا۔ اسلام بغیر قربانی کے کیسے آ گیا؟

ملوکیت نے للکارا تھا' جہالت نے لوگوں کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے تھے' کٹھ ملائیت نے بہکا دیا تھا' نبیؐ کے نواسے نے آگے بڑھ کر اپنے خون سے ایسا چراغ جلا دیا جس کی روشنی آج تک باقی ہے۔

عزیزانِ گرامی! آج محرم کی پہلی تاریخ ہو گئی' آج سے محرم شروع ہو گیا ہے۔ ہمارے نئے سال کا آغاز خوشی اور مسرت سے نہیں ہوتا' ہم نئے سال میں حسینؑ ابن علیؑ کی سرکار میں کچھ آنسو پیش کرتے ہیں۔

اے نبیؐ کے نواسے! اگر یہ آنسو قبول ہو جائیں تو ہمارے لیے سعادت ہے۔ حسینؑ کا قافلہ کربلا کے قریب پہنچ رہا ہے۔ حرؑ کے لشکر کو سیراب کر چکے' ساقی کوثر کا کردار دہرا چکے' اب کل سویرے حسینؑ کا قافلہ کربلا پہنچ جائے گا۔ مدینہ ہمیشہ کے لیے ویران ہو جائے گا' کربلا ہمیشہ کے لیے آباد ہو جائے گی۔ خدا ہمیں

بھی کربلا پہنچائے اور وہاں جا کر قبرِ حسینؑ کو بوسہ دیں (آمین)۔

یہاں وہ امام عالی مقامؑ سو رہا ہے جس نے اسلام کو زندہ کر دیا۔ حسینؑ اپنے ساتھیوں کو لیے ہوئے اپنے دوستوں کو لیے ہوئے اپنے عزیزوں کو لیے ہوئے کربلا پہنچ گئے اور جب کربلا پہنچے تو پہلے نام کی تحقیق کی جب کسی نے کہا کہ یہ کربلا ہے تو اُتر پڑے فرمایا: یہیں ہمارے خون بہائے جائیں گے یہیں ہمارے بچے ذبح کیے جائیں گے یہیں ہماری ہتک حرمت کی جائے گی۔

اس کے بعد فرمایا: یہ زمین کس کی ہے؟ اس کے مالکوں کو بلاؤ۔ اس کے مالکوں کو بلایا گیا اور ان سے کربلا کی زمین خریدی۔ یہ کربلا کی زمین حسینؑ کی ملکیت ہے۔ ان زمینداروں سے جن کی زمین تھی جو دام اُنھوں نے مانگے وہ قبول کر کے زمین خرید لی اور جب خرید چکے تو اس کے بعد پھر ان سے فرمایا: اچھا! اب ہم تمھیں واپس کرتے ہیں ہمیں یہاں رہنا نہیں ہے ہم یہاں خالی چند دن رہیں گے اس کے بعد ہماری قبریں بنیں گی یہاں پر بس! تمھارے ذمہ اتنا کام ہے کہ جب کوئی ہماری قبر کو تلاش کرتا ہوا آئے تو اس کو ہمارا نشانِ قبر بتا دینا۔

بس عزادارو! زمین رہنے کے لیے نہیں خریدی حسینؑ نے بلکہ زمین قبریں بنانے کے لیے خریدی تاکہ غیر کی زمین پر قبر نہ بنے۔ مگر ہاں دسویں محرم کو قبریں نہیں بنیں قبریں بارھویں محرم کو بنیں جب چوتھے امامؑ اپنے بابا کو دفن کرنے کے لیے آئے۔ روایت بتاتی ہے کہ ایک بہت بڑی قبر تیار کی جسے "گنج

شہیداں" کہتے ہیں۔ اس میں جونؑ غلام حبشی بھی ہیں، اس میں حسینؑ کے یاور و ناصر بھی ہیں، گنج شہیداں بنایا ہے اور اس کے بعد ایک جگہ سے مٹی ہٹائی، قبر حسینؑ تیار تھی کیوں کہ فرشتوں نے بنائی تھی، اپنے بابا کی لاش کو لائے، دو ہاتھ رسولؐ کے ہاتھوں سے مشابہ نکلے، فرمایا: لاؤ میرے بچے کی میت کو لاؤ۔

جب حسینؑ کو دفن کر چکے تو حسینؑ کے پاکی حسینؑ کے اس اٹھارہ برس والے کو دفن کیا جس کے منہ پر منہ رکھ کر کہہ رہے تھے: بیٹا! تیرے بعد دنیا پر خاک ہے۔

عزیزانِ گرامی! روایت بتاتی ہے کہ جب سب شہید دفن کر چکے تو بنی اسد سے فرمایا: بنی اسد والو! دریا پر جاؤ ایک میت وہاں ہو گی۔ بنی اسد دریا پر گئے اور آ کر عرض کرتے ہیں: مولاؑ! میت تو ہے مگر بہت ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ فرمایا: نہیں! میں خود چلوں گا۔

روایت میں ہے کہ جب پہنچے تو فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّاهُ

"اے چچا! میرا اسلام لیجیے۔"

میرا دل کہتا ہے کہ امامؑ نے یہ بھی کہا ہو: اے چچا! آپؑ سو رہے ہیں، آپؑ کی بھتیجی تمانچے کھا رہی ہے آپؑ کی بہنیں بازاروں میں......

بس آخری جملہ!

جب قبر تیار ہو گئی تو بنی اسد نے چاہا کہ میت کو دفن کریں۔ فرمایا: نہیں بنی

اسد! تم ہاتھ نہ لگانا' اپنے چچا کی میت میں خود دفن کروں گا۔

عزادارو! عباسؑ کی میت کی امامِ وقت لیے ہوئے ہیں۔

میں کہوں گا: مولاؑ! ایسا کیوں؟

فرمایا: سیدہؑ نے انھیں بیٹا کہا ہے' یہ فاطمہؑ کا بیٹا ہے جو شہید ہو گیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

# مجلسِ چہارم

## موضوع: رسولؐ کا اندازِ تبلیغ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آلِ عمران: آیت ۱۹)

ارشادِ اقدسِ ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

عزیزانِ گرامی! ہمارے آپ کے درمیان گفتگو جو چل رہی ہے اس کا موضوع ہے "دین"۔ میں نے کچھ ابتدائی باتیں آپ کی خدمت میں عرض کیں کہ دین کیا ہے؟ دین کی ضرورت کیا ہے؟ جن کو دین دے کر بھیجا گیا ان کی ڈیوٹی اور فرائض کیا ہیں؟ یہ چیزیں میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ آج میں یہ چاہتا ہوں کہ اسلام کے تعلق سے میرے مسلمان بھائی بھی اور اگر کوئی غیر مسلم دوست میرا سن رہا ہے تو وہ بھی میری تقریر کو ذرا توجہ سے سنیں کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کا مقصد کیا ہے؟ اور اسلام کا مشن کیا ہے؟

اسلام اس دین کو کہتے ہیں جو ہمارے create کرنے والے نے، ہمارے بنانے والے نے، ہمارے خلق کرنے والے نے، جس نے ہم کو بھی بنایا ہے، آپ کو بھی بنایا ہے اور ساری دنیا کو بنایا ہے اور وہ ایک ہی ہے وہ دو نہیں

ہے۔ اس کے نام جتنے بھی ہوں اس کو پکارا جس انداز سے بھی جائے اس کو جس انداز سے بھی بلایا جائے وہ الگ ہے مگر وہ ایک ہے اور ایک ہونا اس کا ایک ایسی سچائی ہے جس کو دنیا میں سب مانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "وید" میں بھی لکھا ہے کہ وہ ایک ہے، گیتا" میں بھی لکھا ہے کہ وہ ایک ہے، "تورات" میں بھی لکھا ہے کہ وہ ایک ہے، "انجیل" میں بھی لکھا ہے کہ وہ ایک ہے، جس نے اس پوری universe کو، اس پوری کائنات کو، اس پوری دنیا کو create کیا ہے اور بنایا ہے وہ ایک ہے اور اگر اس دنیا کا کوئی بنانے والا نہ ہوتا اور خالی میٹریل کے ملنے سے یہ دنیا بن گئی ہوتی تو بن جاتی مگر ہمارے دماغ میں عقل کی شمع روشن کرنے والا کون تھا؟

دیکھیے! غور طلب بات ہے، ہر بچہ اس بات کو سوچ کہ ایک کروڑ ایک ارب، ایک بلین minus مل کر ایک plus نہیں بنا سکتے۔ آپ دن بھر minus، minus کہتے رہیے تو اس کے نتیجے میں رات بھر ایک plus نہیں بنے گا۔ minus، minus ہی رہے گا کبھی plus نہیں ہو گا۔ مادے میں اور میٹریل میں شعور نہیں ہے۔

ہمارے دماغ میں عقل کی شمع جلانے والا کون ہے؟ اس کو ڈھونڈیے۔

بس! اگر آپ نے اس کو پا لیا تو creator کو پا لیا، اپنے رب کو پا لیا، اپنے خدا کو پا لیا، اپنے بھگوان کو پا لیا۔ لفظیں جو چاہے کہہ لیجیے چاہے God کہیے چاہے رب کہیے، چاہے بھگوان کہیے، چاہے الٰہی کہیے، الوہی کہیے، لفظوں سے ہمیں

تکمیل نہیں ہے اور نہ مطلب ہے لیکن وہ ایک جس نے ہم سب کو بنایا وہ ایک ہے۔ اگر ایک باپ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بچے خراب نکلیں' اگر ایک باپ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بچے جاہل نکلیں' اگر ایک باپ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بچے چور اور بد معاش نکلیں تو ہمارا create کرنے والا جس نے باپ اور ماں کے دل میں محبت ڈالی ہے وہ کیسے چاہے گا کہ اس کے بندے خراب ہو جائیں۔ لہٰذا جس طرح باپ اپنے بچے کی تربیت کا انتظام کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اچھے سے اچھا بنے' ویسے ہی اللہ نے اپنے رہبروں کے ذریعے انسانوں کی تربیت کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ اس کی مرضی یہ تھی کہ ہم بہتر سے بہتر انسان بنیں۔

عزیزانِ گرامی! یہ بھی آپ کو بتا دوں کہ مذہب کا تصور انسانی زندگی کے لیے جو ہے وہ کچھ اور ہے اور دنیا کا تصور انسانی زندگی کے لیے جو ہے وہ کچھ اور ہے۔ ہمارے خیال میں ایک انسان کی زندگی وہاں پر ختم ہو جاتی ہے' جہاں پر اس کو موت آتی ہے' پیدائش سے لے کر موت تک' یہ ہے انسان کی زندگی ہمارے دماغ میں۔

انھوں نے کہا: کب پیدا ہوئے؟

کہا: ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ انتقال کب کر گئے؟ کہا: ۲۰۰۸ء میں انتقال کر گئے۔ تیراسی (۸۳) سال کی عمر ہوئی۔ بہت کام یاب ہوئے۔ بہت پیسہ کمایا' بہت بڑے عہدے تک پہنچے' بہت بڑا اسٹیٹ بنایا' بہت بڑے کاروبار کے مالک تھے' بڑے کام یاب انسان تھے۔ یہ ہے ایک تصدیق۔ دوسری تصدیق۔ ہاں! بے

چارے زندگی بھر ناکام رہے' کوشش کرتے رہے' کام یابی نہیں ملی' مومن آدمی تھے' غریب تھے' زندگی ان کی تکلیف میں بسر ہوئی۔ ایک زندگی ہمارے خیال میں کام یاب ہے اور ایک زندگی ہمارے خیال میں ناکام ہے۔

دیکھیے! میری بات کو غور سے سنتے جائیے گا! ایک زندگی کام یاب اور ایک زندگی ناکام ہے۔ زندگی کا دورانیہ کتنا ہے؟ تراسی سال۔ ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۰۰۸ء میں انتقال کر گئے' حساب کیا تو تراسی سال کا دورانیہ ہے۔

یہ ہمارا تصور ہے زندگی کے لیے لیکن مذہب کا تصورِ زندگی کے لیے یہ نہیں ہے۔ مذہب کا یہ تصور ہے کہ یہ زندگی امتحانِ زندگی ہے اور اصلی زندگی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ یہ امتحانِ زندگی ہے اور موت جو ہے وہ حقیقی زندگی اور اس زندگی کے بیچ میں ایک کالا پردہ ہے جس کو اُلٹ کر انسان اِدھر سے اُدھر چلا جاتا ہے اور اُدھر جانے کے بعد ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اسی لیے دنیا میں وہ انسان کام یاب سمجھا جاتا ہے جس نے دولت جمع کر لی یا بڑا عہدہ پا گیا یا بڑا مرتبہ پا گیا یا کسی بڑی کرسی تک پہنچ گیا وہ انسان کام یاب ہے لیکن قرآن کہتا ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (سورۂ مبارکہ عصر: آیات ۲،۱)

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں۔''

اے قرآن! یہ کیا کہہ رہا ہے؟ وہ ہر سال نئی کار خرید لیتا ہے آپ کہہ رہے ہیں گھاٹے میں ہے۔ وہ ہر سال ایک نیا کاروبار شروع کر لیتا ہے آپ کہتے ہیں گھاٹے میں ہے۔ ہر سال اس کی دولت میں کئی بلین ڈالر کا اضافہ ہو جاتا ہے

آپ کہتے ہیں گھاٹے میں ہے۔ یہ کیسا گھاٹا ہے؟

کہا: تمہارا تصور زندگی کے لیے دوسرا ہے اور ہمارا تصور دوسرا ہے۔ تم اسی زندگی کو اصلی زندگی سمجھتے ہو ہم دوسری زندگی کو اصلی زندگی سمجھتے ہیں۔

ایک مثال سنیے! جو ہمارے اور مذہب کے تصور میں فرق ہے تاکہ بچے بچے کی سمجھ میں آ جائے۔ یہ فلسفہ ذرا دقیق ہے' مشکل ہے مگر میں اپنے انداز میں مثال سے اس کو اتنا آسان کر دوں گا کہ ہر بچہ سمجھ لے گا۔ بمبئی میں ایک بہت اُونچی آسامی کے لیے انٹرویو تھا' دو لڑکے احمد آباد سے چلے۔ احمد آباد سے دو لڑکے انٹرویو دینے کے لیے آئے۔ ایک کو ریزرویشن مل گیا وہ آرام سے رات کو برتھ پر سوتا ہوا آیا' سویرے بمبئی پہنچا۔ دوسرا لڑکا بھی اسی ٹرین سے آیا اس لیے کہ اس کو بھی انٹرویو دینا تھا مگر اس کو ریزرویشن نہیں ملا تھا تو جس کو بمبئی کی اصطلاح میں چالو ڈبہ کہتے ہیں وہ چالو ڈبہ میں بیٹھ گیا۔ بیٹھا کہاں' کبھی بیٹھ گیا' کبھی کھڑا رہا۔ جیسے بھی بہر حال وہ بھی رہا اسی ڈبہ میں یہاں تک سویرے وہ ٹرین بمبئی پہنچ گئی تو دونوں اس ٹرین سے ساتھ اُترے مگر ایک رات بھر آرام سے سو کر اُترا اور ایک رات بھر جاگ کر' کھڑے رہ کر اُترا۔ جب انٹرویو میں گئے تو وہ لڑکا جو تکلیف سے آیا تھا وہ منتخب ہو گیا اور وہ لڑکا جو آرام سے آیا وہ منتخب نہیں ہو پایا۔

اب آپ مجھے بتائیں کہ ان دونوں کامیاب کون سا لڑکا ہوا؟ وہ لڑکا جو منتخب ہو گیا تھا مگر رات بھر جاگ کر آیا تھا وہ کامیاب ہوا یا وہ لڑکا جو منتخب نہیں ہوا مگر رات بھر آرام سے آیا تھا وہ کامیاب ہوا؟

انھوں نے کہا: بھئی! اگر مقصد احمد آباد سے بمبئی تک کا سفر ہے تو وہ کام یاب ہوا جو سو کر اور آرام سے آیا اور اگر مقصد نوکری ملنا ہے تو وہ کام یاب ہوا جس کو نوکری مل گئی۔

عزیزانِ گرامی! دنیا میں آرام سے گزری یا تکلیف سے گزری اگر مقصد یہ دنیا ہے تو وہ کام یاب ہے جو آرام سے رہا۔ وہ ناکام ہے جو تکلیف سے رہا اور اگر اس دنیا کے بعد بھی دنیا ہے تو کام یاب وہ ہوا' تو جو وہاں کام یاب ہوا اور ناکام وہ ہوا جو وہاں ناکام ہوا۔

عزیزانِ گرامی! اللہ نے ہم کو بتایا ہے' کائنات کی سب سے خوب صورت مخلوق' کائنات کی سب سے ذہین مخلوق' کائنات کی سب سے پیاری تصویر اور کائنات کا سب سے حسین چہرہ انسان۔ معبود! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ستاروں کی عمریں جو بلین سے بلین سال ہوں سمندر تو کروڑوں برس رہیں' پہاڑ تو اربوں برس رہیں' کچھ درختوں کی زندگیاں بھی انسانوں سے زیادہ ہوں' کچھ جانوروں سے زیادہ ہوں اور یہ دنیا کا سب سے حسین کھلونا جو ہے یہ اگر اتنی جلدی ٹوٹنا تھا تو اتنا خوب صورت بنایا کیوں؟

ممکن ہے کہ جواب آئے: ہم نے تو اس کو بنایا ہے بہت دنوں کے لیے مگر یہ دنیا جو ہے یہ اس کے امتحان کی جگہ ہے اور اس دنیا میں جا کر یہ کام یاب ہو گا۔

عزیزانِ گرامی! پہلے مذہب کے تصور کو جگائیے ذہن میں کہ مذہب ہے کیا؟ خالی اعتراض کرنے سے کام نہیں بنتا ہے' ذہنوں کو جھنجوڑیے۔ قرآن کہتا ہے:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (سورۂ مبارکہ عصر: آیات ۱،۲)

"عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں۔"

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورۂ مبارکہ عصر: آیت ۳)

"نفع میں وہ ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا۔"

اب آیئے میں آپ کو مثال دیتا ہوں! آدمی لکھنؤ کا ہے لیکن بمبئی میں پیسے کمانے آیا ہے جتنا کما کر لکھنؤ تک پہنچا دے وہ تو فائدہ ہے اور بمبئی میں لٹ گیا یا راستے میں لٹ گیا۔ اب جو لٹا وہ نقصان میں گیا یا فائدے میں؟

سوچیے! دنیا میں اس کی مثالیں ہیں! ابھی چند برس پہلے کی بات ہے کہ ہمارے بہت سے انڈیا کے رہنے والے کویت میں کام کرتے تھے۔ میں مجالس پڑھنے کویت جاتا تھا بہت لوگ ملتے تھے۔ پھر ایک رات کویت پر عراق کا قبضہ ہو گیا اور جو بے چارے غیر ملکی تھے وہ اپنی جانیں بچا بچا کر وہاں سے بھاگے۔ ان میں بہت سے بمبئی کے لوگ تھے، بہت سے لکھنؤ کے لوگ بھی تھے، ہر جگہ کے تھے۔

اب جب وہاں سے آئے تو انھوں نے کہا: ارے صاحب! وہاں پر اتنا عمدہ ملا تھا، ہمارے پاس تین گاڑیاں تھیں، ہمارے پاس اتنا فرنیچر تھا، اتنا بنک بیلنس تھا، یہ تھا وہ تھا، لیکن وہاں ہم کیا کرتے، ہماری جان کو خطرہ تھا ہم اپنی جان بچا کر واپس آ گئے۔ جو چھوڑ آئے کویت میں وہ نفع ہے کہ نقصان ہے؟

اب آپ کے پاس تین بالکل نئی امریکن گاڑیاں تھیں کویت میں اور وہ آپ چھوڑ کر آئے وہاں پر اور یہاں آ کر آپ نے ٹیکسی پکڑی تو ٹیکسی ڈرائیور کو

اس سے مطلب نہیں ہے کہ کویت میں آپ کے پاس کئی گاڑیاں تھیں ٹیکسی کا جو کرایہ بنتا ہے وہ دیجیے اسے' اگر آپ کی جیب میں اتنے پیسے ہیں تو سمجھیں آپ کی عزت وآبرو بچی ہوئی ہے اور اگر آپ کی جیب میں پیسے نہیں ہیں اور عزت وآبرو اللہ کے حوالے یا آپ پیسے دیں یا آپ کا کوئی دوست جو کھڑا ہو وہ پیسے دے دے (نعرۂ حیدری)۔

اس کو اس سے مطلب نہیں ہے کہ آپ کے پاس مرسیڈیز بھی تھی' آپ کے پاس بی ایم ڈبلیو بھی تھی وغیرہ وغیرہ۔ ہوا کرے' یہاں کیا لائے' بمبئی میں کیا ہے وہ لائیے۔ جب بمبئی کے ٹیکسی ڈرائیور کو اس سے بحث نہیں ہے کہ کویت میں آپ کے پاس اچھے گاڑیاں تھیں تو محشر کے فرشتوں کو اس سے کیا غرض کہ دہلی میں آپ کے پاس کوئی تخت تھا یا قلعہ تھا۔ ہو لال قلعہ دہلی میں آپ کے پاس یہاں کیا لائے وہ نکالیے۔

عزیزانِ گرامی! جب بڑے لوگ مرتے ہیں' رئیس لوگ مرتے ہیں' زمیندار ہیں یا نواب یا کوئی راجا اور سیٹھ' اس طرح کے لوگ جب مر جاتے ہیں تو لوگوں میں چرچا ہوتا ہے کہ ارے بھئی! بہت دولت چھوڑ کر مرے ہیں اور بہت بڑے کاروبار ہیں اور کئی کوٹھیاں بھی ہیں اور یہ ہے اور وہ ہے۔ یہ آپ نے سنا ہوگا اکثر کہ یہ سب چھوڑ کر مرحوم۔ میں نے کہا: ہاں! یہ سب تو آپ ذکر کر رہے ہیں مگر نماز بھی تو برابر مسجد میں آ کر پڑھتے تھے۔ کہا: ہاں! ہاں! نماز بھی پڑھتے تھے بڑے نمازی بھی تھے۔ ہم نے کہا: اندازاً کتنی نمازیں چھوڑی ہوں گی؟ کہنے لگے:

جی! چھوڑی ہوں گی سے کیا مطلب؟ ہم نے کہا: جائیداد چھوڑی ہے زمین چھوڑی ہے باغات چھوڑے ہیں کاروبار چھوڑا ہے تو نمازیں کتنی چھوڑیں روزے کتنے چھوڑے ایمان کتنا چھوڑا؟ کبھی آپ نے سنا کہ مرحوم کئی ہزار رکعت چھوڑ کر مرے اب ان کے بیٹوں میں اگر کوئی سجدہ نہ کرے تو بھی انھی کی نمازیں کافی ہیں اور کئی سو روزہ ہے اور تقریباً پچاس حج چھوڑ کر مرے ہیں اور ایمان تو اتنا ہے کہ کئی کمرے بھرے ہوئے ہیں پیٹیاں ہیں ان میں ایمان ہی ایمان بھرا ہوا ہے سارا۔

کہا: کیا مذاق کی بات کرتے ہیں اطہر صاحب! دولت تو آپ نے سب گنوا دی کہ یہ چھوڑا یہ چھوڑا اور نماز روزہ اور ایمان اس کو آپ نے جتایا کہ کدھر چھوڑ کر گئے۔ کہا: چھوڑ کر کیا گئے وہ سب لے گئے۔ قرآن نے کہا ہے: جو چھوڑ کر جاؤ وہ نقصان ہے جو لے جاؤ وہ نفع ہے۔

عزیزانِ گرامی! انھوں نے کہا: ہاں! اطہر صاحب! ٹھیک ہے یہ دنیا اور آخرت کی بات ہے یہ تو آپ خطابت کر رہے ہیں اور خطابت میں تو بڑی جان ہے جب چاہیں مجمع سے واہ واہ کرا لیں مگر یہ کہ اگر آپ کو ملے تو کیا آپ چھوڑ دیں گے؟

دیکھیے! انسانی کمزوری ہر انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ میں انسانی کمزوریوں سے دور ہوں مگر میں آپ کو مثال دے دوں کہ دولت' حکومت' طاقت اور اقتدار۔ میں آپ کے سامنے ایک ایسی تصویر پیش کرتا ہوں کہ آپ اتنا سوچ نہیں سکتے جتنا اس نے کما لیا اور جتنا اس نے بنا لیا' اس کا نام سکندر

وہ کسی سرحد کا پابند نہیں تھا' وہ سرحدیں خود بناتا تھا۔ ہندوستان تک آیا ہے فتح کرتا ہوا' سکندرِاعظم۔ اب آپ نہیں کہہ سکتے کہ دولت کیا ہے اسے نہیں معلوم تھا' طاقت کیا ہے اسے نہیں معلوم تھا' آپ کو نہیں ہوگا اس کو سب معلوم تھا۔ اس کی فوجیں سمندر کی لہروں کی طرح بڑھتی تھیں آگے جس تخت کو پسند کیا اس تخت پر قدم رکھ دیا۔ جس تاج کو پسند کیا سر پر اُٹھا کر رکھ لیا۔ اس کو پرواہ نہیں تھی کسی کی اور یہ ہیرے' جواہرات' یاقوت' بڑے بڑے قیمتی پتھر یہ سب اس کے سامنے نذر گزرتی تھی لیکن اتنے بڑے دولت واقتدار اور سلطنت کے بعد جب موت کا وقت آیا تو وصیت کر گیا کہ میرے دونوں ہاتھ کفن سے باہر نکال دینا۔

لوگوں نے پوچھا: اس میں راز کیا ہے؟

کہا: دنیا دیکھ لے کہ سکندر خالی ہاتھ جا رہا ہے۔ گھاٹے میں کون ہوتا ہے؟ وہی ہوتا ہے جو خالی ہاتھ رہ جائے آخر میں۔

ارے بھئی! اسی کو تو کہتے ہیں گھاٹے میں جس کے پاس کچھ نہ رہے۔ کہا: دنیا دیکھ لے کہ سکندر خالی ہاتھ جا رہا ہے۔

قرآن نے کہا:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (سورۂ مبارکہ عصر: آیات ۱،۲)

""عصر کی قسم! انسان گھاٹے میں ہے۔""

عزیزانِ گرامی! اس کے بعد قرآن نے یہ بھی کہا ہے: نفع میں وہ ہے جو ایمان لایا اور نیک عمل کرے۔ تاریخ میں ایک بادشاہ اور گزرا ہے جو اپنے وقت

میں آدمی سے زیادہ دنیا پر قابض تھا مگر اس نے کبھی عمدہ لباس نہ پہنا' ہمیشہ موٹے کپڑے پہنے۔ کبھی اچھی غذا نہ کھائی' ہمیشہ جو کی روٹی کھائی۔ کبھی اچھے گھر میں نہ رہا' ہمیشہ چھوٹے سے معمولی گھر میں رہا۔ کبھی سر پر تاج زر نہ رکھا' کبھی دوش پر زرودار قبا نہ ڈالی۔ وہ بھی بہت بڑا فاتح تھا۔ سکندر کی فتوحات اس کے لشکر کے بل پر ہوتی تھیں یہ وہ تھا کہ لشکر اس کے بازو کے بل پر جیتتا تھا (نعرۂ حیدری)۔

برسرِ اقتدار تھا مگر جو کی سوکھی روٹی زانو سے توڑ کر نمک سے کھاتا تھا اور اس پر شکر خدا کرتا تھا۔ تیز سردیوں میں ایک معمولی سی چادر اوڑھے ہوئے ملتا تھا اور کہتا تھا: میں اپنے وطن سے یہی لایا تھا' میں نے تمہارے مال میں سے کچھ نہیں لیا۔ بادشاہ وہ بھی تھا اور اپنے زمانے کی آدمی سے زیادہ دنیا پر اس کا قبضہ بھی تھا لیکن جب دنیا سے گیا تو سکندر کی طرح یہ کہہ کر نہیں گیا کہ میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں بلکہ پکار کر کہتا گیا:

فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَه

"ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا" (نعرۂ حیدری)۔

سمجھے آپ!

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورۂ مبارکہ عصر: آیت ۳)

یہ ہے مذہب' یہ ہے دین۔ اللہ نے انسان کو بنایا ہے' اس لیے بنایا ہے کہ دنیا میں وہ اپنا کردار پیش کرے۔ اس دنیا میں وہ اپنی سیرت پیش کرے' اس دنیا میں وہ اپنی زندگی پیش کرے اور اس زندگی میں وہ اگر اللہ کے بتائے ہوئے راستے

پر چلتا ہے' اگر اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتا ہے' وہ اگر پیدا کرنے والے'
اپنے خلق کرنے والے کو مانتا ہے تو وہ ایک کام یاب انسان ہے اور مرنے کے بعد
اسے کام یابی ملے گی اور اگر وہ نہیں مانتا ہے تو اس کو ناکامی ملے گی۔

عزیزانِ گرامی! مذہبوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ خالی جھگڑے جو
ہیں وہ توضیح وتشریح کے ہیں۔ خالی جھگڑے جو ہیں وہ اس چیز کے ہیں کہ کس بات
کو کیسے واضح کیا ہے اور بعد میں اس میں کیسے کیسے خیالات اور شامل ہو گئے ہیں۔
یہ مسئلہ ہے ورنہ "مرنے کے بعد کی زندگی" کو ہر مذہب مانتا ہے۔ یہودی بھی کہتے
ہیں کہ یہ انسان بعد میں زندہ کیا جائے گا۔ عیسائی بھی کہتے ہیں کہ انسان بعد میں
زندہ کیا جائے گا۔ مسلمان بھی کہتے ہیں کہ انسان بعد میں زندہ کیا جائے گا۔ ہندو
بھی کہتے ہیں کہ انسان بعد میں زندہ کیا جائے گا اور اس کے لیے آخرت میں کوئی
انجام ہے۔

بہر حال! وہ بات توضیح وتشریح کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ میں اس بات کو اور
طرح کہہ دوں۔ آپ کسی اور طرح کہہ دیجیے۔ یہ کسی اور طرح کہہ دیں لیکن
theme جو ہے وہ ایک ہی ہے۔

عزیزانِ گرامی! اس میں بھی میں آپ کو بہ حیثیت اُستاد کے ایک بات بتا
دوں کہ آپ خود دس لڑکوں کو پڑھائیے ایک ہی بار۔ ایک ہی اُستاد دس بچوں کو ایک
ہی طریقے سے ایک ہی لیکچر میں چار باتیں سمجھائے اور اس کے بعد ان دس بچوں
کو الگ کر کے ایک ایک کو بلا کر اس کا ٹیسٹ ریکارڈ کرے تو بات بدل جائے گی۔

یہ بات میں آپ کو بہ حیثیت اُستاد کے بتا رہا ہوں اس لیے کہ یہ میری زندگی بھر کا تجربہ ہے۔ یہ میرا مضمون ہے میں نے بھی یاد کیا ہے زندگی میں۔ سب بچے ایک ذہن کے نہیں ہوتے۔ لہٰذا اپنی اپنی ذہانت کے حساب سے وہ بچے آپ کو جواب دیں۔ جب آپ ان سب کے جوابات الگ الگ سنیے گا تو کہیں کہیں پر ایسا لگے گا کہ الگ الگ بیانات سامنے آ رہے ہیں۔ یہ ایک ہی تعلیم کے الگ الگ بیانات ہیں۔ یہ انسان کی کم زوری ہے اور یہ انسان کی کم زوری ہے اور کم زوری پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ ہم نے زندگی بھر کالج میں پڑھا کر یہ تجربہ حاصل کیا ہے کہ لڑکوں کو پڑھایا ایک ہی آدمی نے' لیکن سمجھنے کی لیاقت کے نتیجے میں کچھ لڑکے فیل ہو گئے' کچھ تیسری ڈویژن پاس ہوئے' کچھ دوسری ڈویژن پاس ہوئے' کچھ پہلی ڈویژن پاس ہوئے۔

یہ نمبروں میں فرق کیوں آ گیا؟ یہ اپنے اپنے سمجھنے کی لیاقت کی بات تھی۔ اس میں اُستاد پر الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ان کی اپنی ذہانت کی بات تھی۔ ہم جو معصوم امامت کے قائل ہیں وہ اس لیے قائل ہیں کہ جب رسولؐ کا فیضانِ کرم برسا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ سب ایک طرح سمجھ لیں لہٰذا بزم میں ایک معصوم ہونا ضروری ہے (نعرۂ حیدری)۔

اللہ خالق جس نے ہم کو' آپ کو' سب کو خلق کیا اور ہم کو' آپ کو' سب کو خلق کیا' وہ چاہتا ہے کہ ہماری زندگی میں بربادی نہ ہو' ہماری آخرت' ہمارا انجام' ہمارا آخر اور ہماری موت کے بعد کی زندگی آرام سے گزرے' لہٰذا اس نے مذہب بھیجا

کہ اگر اس دائرے میں رہو گے اور اس سے باہر نہیں نکلو گے تو تم ایک اچھے انسان کہلاؤ گے اور ساری دنیا میں تمہاری تعریف ہوگی۔

عزیزانِ گرامی! یہ ہے اللہ، خالق، بھگوان، God جو کہہ لیجیے۔ اب جہاں جہاں انسانیت میں خرابی ہے، جہاں جہاں انسانیت میں بُرائی ہے، جہاں جہاں انسانیت میں عیب ہے، وہاں وہاں پر اس نے اپنے رہبر بھیجے۔ اللہ کا نہ کوئی سگا ہے نہ اللہ کا کوئی سوتیلا ہے، نہ اللہ سے کسی کی رشتہ داری ہے، ہم سب کا بنانے والا اللہ ہے۔ لہٰذا ہم سب سے اس کا رشتہ برابر کا ہے۔ اب رشتہ تو اس نے ہم سے برابر کا رکھا ہے، ہم اپنا رشتہ اس سے کیسے بناتے ہیں، یہ ہم پر منحصر کرتا ہے۔ ہم اچھے بندے بنتے ہیں یا خراب بندے بنتے ہیں۔ اس کے ماننے والوں میں شمار ہوتے ہیں یا اس کے مخالفین میں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں یا اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ ہمارے اُوپر منحصر کرتا ہے۔

عزیزانِ گرامی! یہ بھی سمجھ لیجیے کہ بعض اوقات ہم اللہ سے دعائیں بھی مانگتے ہیں اور خوش آمد بھی کرتے ہیں اور ہاتھ بھی جوڑتے ہیں کہ یہ کام ہمارا ہو جائے لیکن نہیں ہوتا۔ ہمارے مزاج میں برہمی پیدا ہوتی ہے واہ اللہ میاں! ہم نے اتنی دعائیں کیں، اتنے سجدے کیے، اتنی پوجا کی، اتنا چرچ میں گئے، اتنا مسجد میں سر رگڑا۔

دیکھیے! میں بچوں کو سمجھا رہا ہوں، بڑوں کو نہیں۔ یہ فلاسفی کوئی پیچیدہ نہیں ہے یہ ہر گھر میں ہے۔ بچہ تین برس کا ہے، ذرا سا اس نے ٹھنڈی چیز کھائی اور اس کو نمونیا ہوا، اور اس کا سینہ جکڑا اور اس کی سانس چڑھنا شروع ہوئی۔ بمبئی میں ہوا

ٹھنڈی ہے' موسم ٹھنڈا ہے وہ ضد کر رہا ہے کہ ہم آئس کریم کھائیں گے۔ چاہنے والی ماں بھی بہلا رہی ہے مگر آئس کریم نہیں دیتی۔ چاہنے والا باپ بھی بہلا رہا ہے مگر آئس کریم نہیں دیتا۔ وہ رو رہا ہے' خوش آمد کر رہا ہے' پیٹ رہا ہے' ناراض ہو رہا ہے لیکن اس کو آئس کریم کھانے کو نہیں دے رہے ہیں۔ ہم تمہیں کھلونے دلا دیں گے' آئس کریم نہیں۔ فلاں چیز کھا لو' آئس کریم نہیں۔ چلو ہم تمہیں گھما لائیں گے' آئس کریم نہیں۔ وہ آئس کریم پر ضد کر رہا ہے آپ ہر چیز دینے پر تیار ہیں مگر آئس کریم دینے پر تیار نہیں ہیں۔ تین برس کا بچہ یہ سوچتا ہے کہ میرے ماں باپ سے زیادہ ظالم مخلوق پیدا نہیں ہوئی ہے لیکن جب وہی لڑکا تیس برس کا ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ ماں باپ کی محبت کا کمال تھا جو مجھ کو آئس کریم نہیں دی اگر دے دیتے تو شاید میں مر جاتا۔

عزیزان گرامی! دنیا میں بھی کبھی ہم یہ سوچتے ہیں کہ کیسا ہے اللہ جو ہماری نہیں سنتا' آخرت میں جب آنکھیں کھلیں گی تو معلوم ہوگا کہ اس کا کمال رحم تھا جو نہیں ملا (نعرۂ حیدری)۔

لڑکا تین برس کا ہے' باپ تیس برس کا ہے۔ ستائیس برس کا تو فرق ہے دونوں میں۔ ستائیس برس بڑا ہے باپ بیٹے سے تو ستائیس برس کے تجربے میں جب اتنی بات پیدا ہو جائے تو اللہ اور بندے میں کیا معاملہ ہوگا؟

عزیزان گرامی! مذہب کو سوچیے مگر مذہب کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں ان کو دماغ سے دور کر دیں۔ یہ اللہ نے انسانوں کی اچھائی کے لیے دھرم بھیجا' مذہب

بھیجا' religion بھیجا۔

اب ایک بات اور سنیے! کبھی کبھی یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ جو سب سے بڑا رسولؐ تھا اس کو ایسی جگہ کیوں بھیج دیا؟ رسولؐ آتے رہے' ہدایت کرتے رہے' انسان کو تعلیم دیتے رہے۔ لیکن جو سب سے بڑا رسولؐ تھا اور جس میں ہدایت کی طاقت سب سے زیادہ تھی اور جو انسانوں کو صراطِ مستقیم پر رکھنے اور لانے کے لیے سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا تھا اس کو سب سے خراب ٹھکانے پر بھیجا۔

کن معنوں میں؟ ایران میں تہذیب تھی اور ایران تہذیب کا گہوارہ مانا جاتا تھا۔ ہندوستان میں تہذیب تھی اور ہندوستان ہزاروں سال سے۔ اسلام کی عمر تو ابھی چودہ سو برس ہے' انڈین تاریخ یا ایرانی تاریخ یا یونانی تاریخ پانچ پانچ ہزار سے زیادہ ہے۔ جو لوگ تاریخ پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یونانی تہذیب ہو یا ایرانی تہذیب ہو یا انڈین تہذیب ہو اس کی تاریخ ہزار برس سے کہیں زیادہ ہے اور اسلام کی عمر چودہ سو برس ہے تو جو تہذیب کے مرکز تھے' ادب کے گہوارے تھے' جو انسانی تمدن کے ٹھکانے تھے' جو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کے گھر تھے سب سے بڑے رسولؐ کو وہاں آنا چاہیے تھا۔ یہ رسولؐ مصر میں آتا' یہ رسولؐ ہندوستان میں آتا' یہ رسولؐ ایران میں آتا' یہ رسولؐ یونان میں آتا' بات ہی کچھ اور ہوتی۔

معبود! اتنے بڑے رسولؐ کو عرب کے ایک جزیرہ نما میں بھیج دیا۔ اتنے بڑے رسولؐ کو ایسی جگہ بھیج دیا جہاں نہ تعلیم تھی' نہ تہذیب تھی' نہ فن تھا' نہ تہذیب تھی' بس نظام تھا جو برسوں سے چلا آ رہا تھا اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا وہاں پہ۔

ایک ایسے ماحول میں جہاں وحشی لوگ رہتے تھے' جہاں قبائلی نظام تھا اور مہذب دنیا نہیں تھی' ایسے علاقے میں بھیج دیا۔ یہ کیا انصاف کیا اتنے بڑے رسولؐ کے ساتھ؟

عزیزانِ گرامی! جواب سنیے! اللہ سب کا ہے۔ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں کہ جو تہذیب یافتہ ہیں اور وہ بھی اللہ کے بندے ہیں جو غیر مہذب ہیں۔ اُن کو بھی اللہ نے بنایا ہے جو یورپ کے گورے چٹے لوگ ہیں اور اُن کو بھی اللہ نے بنایا ہے جو افریقہ کے کالے لوگ ہیں۔ ہم گورے کو پسند اور کالے کو ناپسند کریں یہ ہمارا فعل ہے۔ لیکن اللہ کے یہاں سب برابر ہیں کیوں کہ کالا بھی اسی کا ہے' گورا بھی اسی کا ہے۔ جس ماں کا بچہ کالا ہوتا ہے اس کو اپنا ''کلوہ'' ہی اچھا لگتا ہے۔ آپ کے ''چندہ'' سے اسے پیار نہیں ہے اس کو اپنا ''کلوہ'' پیارا ہے۔

عزیزانِ گرامی! اللہ نے کالے بھی بنائے' گورے بھی بنائے' زرد بھی بنائے' مختلف رنگوں کے جو لوگ ہیں وہ سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا اب یہ سوچے کہ اللہ گوروں پر مہربان ہوگا' کالوں پر ناراض ہوگا۔ یہ ہماری سوچ ہے' اللہ کے ہاں یہ بات نہیں ہے۔ اب سنیے کہ اتنا بڑا رسولؐ وہاں کیوں بھیجا گیا؟

دیکھیے! آپ کے چار بچے ہیں۔ ایک بچہ زیادہ بیمار ہے جو زیادہ بیمار ہے اس کو سب سے بڑے ڈاکٹر کو دکھانے لے جائیں گے۔ اب آپ کہیں گے: واہ! یہ تندرست بچے جو کھیل رہے ہیں ان کو دکھایئے۔ یہ بے چارہ تو خود ہی مر رہا ہے' اس کو آپ بڑے ڈاکٹر کو کیوں دکھائیں گے؟

ہم کہیں گے: واہ! کیسی بات کرتے ہیں اس کو بڑے ڈاکٹر کے پاس اس

لیے لے جاتے ہیں کہ اس کی حالت زیادہ خراب ہے۔ چوں کہ عربوں میں انسانیت پستی کی طرف تھی' لہٰذا سب سے بڑا رہبر بھیجا تا کہ ان کا علاج ہو سکے (نعرۂ حیدری)۔

وہ ماحول کیا تھا جس میں اسلام آیا؟ وہ صورت حال کیا تھی جس میں اللہ کے رسولؐ نے آ کر پیغام پہنچایا؟

سنیے! وہاں انسانیت دم توڑ رہی تھی' دولت کے آگے غربت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ غریبوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں تھا' زندگی کے سب حقوق مال داروں کے پاس تھے۔ کالے انسان نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ان کے وہ گھوڑے جو ان کی ریسوں میں دوڑتے تھے وہ ان کے نزدیک قیمتی تھے۔ لیکن ان کے وہ کالے غلام جوان گھوڑوں کی خدمت کیا کرتے تھے ان کی قیمت ان گھوڑوں کے برابر نہیں تھی یعنی انسان کی جان کی قیمت جانور کی جان سے کم تھی۔ کالے کو سماج اور معاشرہ میں کوئی حق حاصل نہیں تھا' اس لیے کہ وہ کالا ہے۔ عجمی کو عرب کے ماحول میں کسی عزت کا تصور نہیں تھا اس لیے کہ اس کی زبان عربی نہیں ہے۔ عورتوں پر بہت مظالم تھے اور عورت چاہے ماں ہو' چاہے بیوی ہو' چاہے بہن ہو' چاہے بیٹی ہو' مظالم کا شکار تھی' ناانصافیوں کا شکار تھی اور عورتوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ یوں کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا۔ قرآن مجید میں وہ آواز موجود ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ

"جب قیامت کے دن ان لڑکیوں سے سوال ہوگا جو پیدا
ہوتے ہی مار ڈالی گئیں کہ تمھیں کس جرم میں قتل کیا گیا۔"

(سورۂ مبارکہ تکویر: آیات ۸،۹)

دیکھیے! اگر کوئی آدمی کسی چیز کو برائی سمجھ کر برائی کر رہا ہے مگر یہ سمجھ کر کر رہا ہے کہ برائی ہے تب بھی غنیمت ہے شاید کبھی چھوڑ دے یعنی میں شراب پی رہا ہوں مگر یہ سمجھ کر پی رہا ہوں کہ اسلام میں حرام ہے یہ بری چیز ہے حرام ہے مگر پی رہا ہوں عادت پڑی ہوئی ہے تو برائی تو کر رہا ہوں مگر پھر بھی اُمید ہے ذرا سی کیوں کہ اسے بڑا سمجھ رہا ہوں لہٰذا شاید کبھی چھوڑ دوں لیکن اگر میں شراب یہ سمجھ کر پی رہا ہوں کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اچھا کام نہیں ہے تو یہ اور زیادہ خطرناک مرض ہے۔ اس لیے کہ برائی کر رہا ہوں اور برائی کو اچھائی سمجھ کر کر رہا ہوں یا اور بربادی اور تباہی کا راز ہے اس میں۔

عزیزانِ گرامی! جس ماحول میں اسلام آیا ہے اس ماحول میں جو لوگ برائی کر رہے تھے وہ برائی کو اچھا سمجھ رہے تھے۔

دیکھیے! لوگ چوری کرتے ہیں لوگ ڈاکہ مارتے ہیں دنیا میں ایسے آدمی ہیں جن کی گزر بسر ڈاکہ پر ہوتی ہے۔ راستوں میں لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ تو سمجھتے ہیں کہ چوری بری چیز ہے۔ عرب میں ڈاکہ زنی ہوتی تھی چوری ہوتی تھی اور اس کے بعد اپنی مدح میں قصیدہ ہوتا تھا کہ ہم وہ ہیں جو یوں مُجرا لائے۔

میں آپ کو حوالہ دیتا ہوں! عربی اَدب کی ایک کتاب ہے "حماسہ"۔ یہ وہ کتاب ہے جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور بمبئی میں دستیاب ہے۔ اس میں عرب کے پُرانے زمانے کی شاعری ہے۔ آپ اس کو پڑھیے۔ اس میں ایک چور پورا قصیدہ اپنی مدح میں کہہ بیٹھا ہے' ڈاکہ بھی ڈالا ہے اور قصیدہ بھی کہہ رہا ہے۔ قتل بھی کر رہا ہے اور اپنی مدح میں قصیدہ بھی کہہ رہا ہے۔ لڑکی کو زندہ دفن کر دیا' چار، پانچ برس کی لڑکی کو۔

خدا کی قسم! اگر پڑھ دوں تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں' لوگ رونے لگیں۔ سفر پر گیا ہوا تھا' اس کی بیوی جو وہ حاملہ تھی۔ وہ باہر تھا اس میں زمانے میں سال سال کے' دو، دو سال کے سفر ہوتے تھے۔ بیٹی پیدا ہوئی' کہہ گیا تھا کہ بیٹی پیدا ہو تو دفن کروا دینا۔ ماں کے دل نے نہیں مانا کہ اپنے دل کے ٹکڑے کو دفن کروا دے۔ اس نے پڑوس میں پلوایا۔ یہاں تک جب اس کا شوہر آیا پلٹ کر اس نے پوچھا۔ اس نے کہا: ہاں! لڑکی ہوئی تھی ہم نے دفن کروا دیا۔ اس نے کہا: ٹھیک کیا۔ اب وہ رہنے بسنے لگا' اب وہ لڑکی ہو گئی پانچ برس کی اور وہ کہتی ہے' مجھے میرے باپ سے ملاؤ۔ ماں ڈرتی ہے اگر ملاؤں گی تو ایسا نہ ہو کہ بھڑک جائے۔ وہ لڑکی ایسی پیاری باتیں کرتی تھی اس نے سوچا کہ یہ پتھر اب موم ہو جائے گا۔ اس نے اس کو اس سے ملایا۔ وہ تو جانتی تھی کہ میرا باپ یہ ہے۔ جا کر چمٹ گئی اس کو' بیٹی کو گود میں بٹھایا' سر پر ہاتھ پھیرا' اس سے باتیں کیں' اس کو پیار کیا' اس کے بعد اس نے کہا: بیٹی! چلو تمہیں کوئی چیز دلا لائیں۔ ماں سمجھی کہ یہ پتھر اب موم ہو گیا ہے وہ اس

کو لیے ہوئے جنگل میں چلا آیا اور وہاں اس نے زمین کھودنا شروع کی' اس نے جو اپنی مدح میں شعر کہے ہیں ان شعروں میں کہتا ہے: جب میں زمین کھود رہا تھا اور مجھے پسینہ آ رہا تھا' وہاں کھجور کے پتے پڑے جن سے وہ مجھے پنکھا جھلنے لگی لیکن میں سنگ دل ہوں کہ مجھے اس کے بعد بھی رحم نہ آیا اور جب قبر کھود چکا تو میں نے اس کو زندہ دفن کر دیا حالاں کہ وہ کہہ رہی تھی: بابا! کیا کر رہے ہیں؟ بابا! کیا کر رہے ہو؟ مگر میں نے کسی بات کی پرواہ نہ کی۔

عزیزانِ گرامی! ایسے ماحول کو اصلاح دینے کے لیے اسلام آیا۔ پہلے اسلام کی کہانی تو سنیے پھر کہیے گا کہ اسلام نے عورت کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔

بس عزیزانِ محترم! آج میرا وقت تمام ہو رہا ہے لہٰذا آج بات ختم کروں گا میں لیکن آپ انصاف سے بتایئے کہ یہ عمل کرنے کے بعد وہ سنگ دل آدمی اپنی مدح میں قصیدہ کہتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ میں ایسا ظالم اور ایسا سنگ دل ہوں میں نے اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر ڈالا۔

عزیزانِ گرامی! وہ سماج جس میں اسلام آیا تھا اور وہ معاشرہ جہاں اللہ نے سب سے بڑے ڈاکٹر کو بھیجا تھا' وہ سب سے زیادہ بیمار تھی اس لیے سب سے بڑا ڈاکٹر بھیجا۔

## ذکرِ مصائب: حُرؑ کے بیٹے کی شہادت

ایسے ہی سنگ دلوں سے اسلام کو بچانا تھا جو حسینؑ اپنے بچوں کو لے کر

آئے۔ اسی مزاج کفر کے کچھ سنگ دل جمع ہو گئے کربلا میں۔ چھوڑیئے اس بات کو
کہ حسینؑ پر رحم نہ آیا' چھوڑیئے اس بات کو کہ حسینؑ کے عزیزوں اور ساتھیوں پر
رحم نہ آیا۔ یہ تو وہ سنگ دل تھے جنھیں چھ مہینے کے علی اصغرؑ پر رحم نہ آیا۔ انسانیت
کانپ جاتی ہے۔ شرافت کا سر جھک جاتا ہے' اخلاق پناہ مانگنے لگتا ہے جب ہم یہ
منظر دیکھتے ہیں کہ ظالم پانی زمین پر گرا رہے ہیں اور پیاسے بچے زمین پر تڑپ
رہے ہیں اور حسینؑ پر پانی بند ہے اور اس پانی بند کرنے والوں میں وہ بھی شامل
ہیں جن کو راستے میں حسینؑ نے کل سیراب کیا۔ ایک ہی پورے لشکر میں انسان نکلا
جس نے انسانیت کی لاج رکھ لی ورنہ کربلا کے ریگستان میں انسان نما درندوں کے
ہاتھوں انسانیت کی کشتی ڈوب جاتی۔ حرؑ کا احسان ہے انسانیت پر کہ اس نے
حسینؑ کے پاس آ کر عزتِ انسان بچائی ہے۔

رات بھر ٹہلتا رہا' سویرا ہوا عاشور کا سویرا تو مہاجر ابن عوف نامی ایک شخص
ہے وہ کہتا ہے: میں نے حرؑ کو دیکھا تو اس حال میں دیکھا کہ تھر تھر کانپ رہا ہے تو
میں نے اس سے کہا: میں نے تمھیں لڑائیوں کے دنوں میں دیکھا ہے' مجھے تیرا
تجربہ ہے تو تو لڑائیوں کے دنوں میں شیروں کا شیر لگتا ہے آج کیا ہو گیا ہے جو
کانپ رہا ہے؟ کیا بنی ہاشمؑ کی تلوار سے ڈر رہا ہے؟

وہ شخص کہتا ہے: حرؑ نے مجھے جھڑک دیا اور کہا: کیا بات کرتے ہو' سپاہی سر
بیچ کر نوکری کرتا ہے' میں اپنے کو جنت و دوزخ کے بیچ پا رہا ہوں۔

وہ کہتا ہے: میں آگے بڑھ گیا مگر اس کا کہنا حرؑ کے دل پر اثر کر گیا' بیٹے کو

دیکھا تو کہا: بیٹا! کیا سوچ رہا ہے؟

عرض کیا: بابا! وہی سوچ رہا ہوں جو آپ سوچ رہے ہیں۔

کہا: پھر دیر نہ کر۔

باپ بیٹے نے گھوڑے اُڑائے اور لشکر یزید سے نکل کر حسینؑ کی خدمت میں آ گئے اور آخر حسینؑ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

هَل لِي تَوبَةٌ

"سیدہؑ کے لالؑ! کیا میرے لیے توبہ ہے؟"

دنیا میں ہمیشہ غریبی سے ٹوٹ کر آدمی مال کی طرف جاتا ہے' کم زوری سے ٹوٹ کر آدمی طاقت کی طرف جاتا ہے' بھوک و پیاس سے بھاگ کر آدمی کھانے پینے کی طرف جاتا ہے۔ کربلا کے میدان میں حسینؑ کی فتح کا اعلان تو عاشور کے سویرے ہی ہو گیا تھا' اب تو جو کچھ ہوگا وہ رسمی کارروائی ہے۔ اعلانِ فتح حسینؑ تو ہو گیا۔ یہ جدھر سے دریا بہہ رہا تھا ادھر سے ٹوٹ کر پیاسوں میں آ گیا' لاکھوں کے لشکر سے ٹوٹ کر بہتر (۷۲) میں آ گیا۔ جدھر دولت' حکومت اور سلطنت تھی وہاں سے ٹوٹ کر ادھر آ گیا جہاں بہ ظاہر کچھ نہ تھا اور اکیلا نہیں آیا بلکہ بیٹا بھی ساتھ لایا۔ جوان بیٹے کو لانا اس بات کی دلیل ہے کہ حق کو حق سمجھ کر آیا تھا' آ کر قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا: مولاؑ! خطا ہو گئی۔

یا اباعبداللہؑ! معاف کر دیجیے۔

حسینؑ نے سر اُٹھایا اور سینے سے لگا لیا' تجھے توبہ قبول ہو گئی۔

فرمایا: میں نے معاف کر دیا۔

جب معافی مل گئی ذرا سی دیر میں لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ لڑکے کو لیے ہوئے آیا عرض کیا: مولاؑ! اس کو اجازت دیجیے۔ کسی نے کہا: حرؓ! اپنے سامنے اپنے جوان بیٹے کو بھیج رہا ہے؟ کہا: ہاں! اس لیے کہ میں بھی تو سیدہؑ کے لالؑ کو گھیر کر لایا ہوں مجھے بھی تو معلوم ہو کہ اولاد کا داغ کیسا ہوتا ہے میں بھی تو دیکھوں کہ جوان کے داغ میں کیا اثر ہے۔

اتنی خوش آمد کی کہ حسینؑ کو اجازت دینا پڑی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بہادر باپ کا بہادر بیٹا میدان میں بڑی شان سے لڑا، کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جدھر اُتر گیا اُدھر سروں کی بارش ہو گئی۔ خوب شجاعت کے جوہر دکھائے اور خوب لڑا۔ چاروں طرف سے لشکر نے گھیرا، زخمی تو ہو ہی چکا تھا لڑتے لڑتے گھوڑے سے گرا۔ اپنے باپ کو پکارا، حسینؑ کو نہیں پکارا۔ حرؓ چلے بھی سینے پر بیٹے کا داغ اُٹھانے کے لیے لیکن جب وہاں پہنچے ہیں تو چوں کہ عاشور کا سویرا تھا، ابھی حسینؑ کے علی اکبرؑ زندہ تھے، ابھی حسینؑ کی کمر میں طاقت تھی، عباسؑ زندہ تھے، جب حرؓ اپنے بیٹے کی لاش پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ حسینؑ پہلے سے بیٹھے ہیں اور اس شان سے بیٹھے ہیں کہ اس کا سر زانو پر ہے رومال مبارک ہاتھ میں ہے چہرے سے خون اور گرد صاف کر رہے ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر کانپنے لگا حرؓ، عرض کیا: ارے مولاؑ! آپؑ آ گئے آپؑ نے کیوں زحمت دی۔ فرمایا: حرؓ! اگر ہم نہ آتے تو اور کون آتا، تُو ہمارا مہمان ہے

ہمیں تو آنا چاہیے تھا۔ حُرؑ کا بیٹا حسینؑ کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر لیتا ہے، باپ سمجھ گیا کہ بیٹا اب زندہ نہیں رہا، عبا کی آستینیں اُلٹنے لگے۔ حسینؑ نے پوچھا: حُرؑ! کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا: کچھ نہیں مولاؑ! یہ میت ذرا وہاں تک پہنچا دوں۔ فرمایا: ہم کس لیے آئے ہیں؟ اے حُرؑ! بھلا کبھی کوئی باپ بھی بیٹے کا لاشہ اُٹھاتا ہے تیرے بیٹے کی میت ہم اُٹھائیں گے۔

میں کہوں گا: حُرؑ! عصر عاشور کو آؤ علی اکبرؑ کا جنازہ پڑا ہے، بوڑھا باپ کمر پکڑے بیٹھا ہے، ہاتھ جوڑ کر کہو کہ اے مولاؑ! کبھی باپ بیٹے کا لاشہ نہیں اُٹھاتا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

# مجلسِ پنجم

## موضوع: اسلام اور غلامی

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آل عمران: آیت ۱۹)

ارشادِ اقدس ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

عزیزانِ محترم! ہمارے آپ کے درمیان جو گفتگو ہے وہ دین کے متعلق ہو رہی ہے اور موضوعِ گفتگو یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو صبحِ قیامت تک کے لیے انسانیت کی فلاح و بہبود اور انسانیت کو مشکلات سے چھڑانے' دنیا اور آخرت میں انسان کی کام یابی کی ضمانت لے کر آیا ہے۔ لیکن جہالت نے' ملوکیت نے' کٹھ ملائیت نے اسلام کی شکل کو بگاڑ دیا ہے اور آج لوگ اسلام کو جب دیکھتے ہیں تو جاہلوں کے کردار کے آئینے میں دیکھتے ہیں یا ملوکیت کی سرگرمیوں کے آئینے میں دیکھتے ہیں یا کٹھ ملائیت کی ترجمانی کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر نگاہوں سے اُوجھل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جو تصویر بنتی ہے اس میں یہ تصور اُبھرتے ہیں کہ اسلام نے بقائے باہم کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ اسلام متشدد برداشت کا مذہب ہے' جس میں ذرا سی برداشت نہیں ہے

اور ذرا سے میں لوگوں پر حملہ کر دیتا ہے اور ذرا سے میں لوگوں کی جان و مال و عزت و آبرو کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ اسلام یعنی دہشت گردی' اسلام یعنی شہروں میں آگ لگا دینے کا نام' عمارتوں کو گرا دینے کا نام' بے گناہ انسانوں کی جان لے لینے کا نام۔ یہ ساری صورتیں اسلام کے پیش نظر ہوتی ہیں۔ مغربی میڈیا آپ پر تیل کا کام کرتا ہے اور اس ہنگامے کو اور آگے بڑھاتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کے لیے کچھ نہیں کیا' ان کی عورتیں جو ہیں وہ قیدی بنی رہتی ہیں اور پنجرے کی چڑیا ہیں۔ اسلام نے غلامی ختم کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اسلام کے دور میں غلامی کا رواج رہا۔ اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو مذہب کے خلاف کی جاتی ہیں۔

اس میں جو اصلی مسلمان ہیں جو واقعتاً اسلام سے محبت رکھنے والے لوگ ہیں وہ کڑھتے ہیں' غم زدہ ہوتے ہیں۔ مگر کڑھنا اور غم زدہ ہونا مسائل کا حل نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ مشکل یہ ہے کہ ہماری آواز کا پھیلاؤ اتنا نہیں ہے کہ ہم اس میڈیا کا مقابلہ کرسکیں۔ ان اونچی آوازوں کا مقابلہ کرسکیں جو اسلام کے خلاف اٹھتی ہیں۔ ہمارے پاس کچھ ذرائع ایسے نہیں ہیں کہ ہم ان تحریکوں کا ۔ذکر کرسکیں جو بنام اسلام اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے چلائی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب بدنام ہوتا ہے اور مسلمان شرمندہ دنیا میں گھومتے ہیں۔ خاص طور سے ان ممالک میں جن میں وہ اقلیت میں ہیں اور ان ممالک میں ہندوستان بھی ہے جہاں کی آبادی میں ہمارا تناسب کم ہے۔ ہم اس ملک میں اقلیت میں ہیں۔ اس لیے کچھ نہ کہنے سے ہم معذور ہیں۔ جن ممالک میں لوگ

اکثریت میں ہیں وہاں کسی طرح بھی گزر بسر ہو جائے لیکن ہندوستان ہو یا یورپ' آسٹریلیا ہو یا افریقہ ہو یا کینیڈا ہو ان ممالک میں مسلمانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں ان مجالس کے ذریعے جو پیغام دیتا ہوں جو کوشش کرتا ہوں' میں جانتا ہوں کہ یہ پیمانہ بہت چھوٹا ہے۔ اس بڑی مخالفت کی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے جس سے ہم دوچار ہیں لیکن میرا مقصد اس لیے چل رہا ہے کہ جب کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ سب کچھ بچالے' اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جتنا بچا سکتا ہے بچالے۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ ہماری کوششیں ان تحریکوں کے مقابلے میں بہت کم زور اور بہت کم ہیں' ہم اتنے بھولے نہیں ہیں' اتنے ناسمجھ نہیں ہیں کہ ہم یہ سوچتے ہوں کہ ہم مغل مسجد میں ایک مجلس پڑھ کر اس پوری تحریک پر غالب آ جائیں گے لیکن جتنا بھی ہم اپنے نوجوانوں کو سمجھا سکتے ہوں یا جتنا بھی اپنے پڑوسیوں کو ہم سمجھا سکتے ہوں کم از کم اتنا ہی کرلیں' اس لیے کہ ہم سے قیامت کے دن سوال بھی یہ نہیں ہوگا کہ تم نے یہ پورا کام کیوں نہیں کیا؟ لیکن یہ سوال ضرور ہوگا کہ جتنا کر سکتے تھے اتنا کیوں نہیں کیا؟ لہٰذا ہماری کوشش یہ ہے کہ جتنا کر سکتے ہیں اتنا کریں۔

کل میں نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ اسلام نے آنے کے بعد ان تمام تحریکوں کا مقابلہ کیا' جو اس زمانے کے ماحول میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جہالت تھی' عام طور سے لوگ جاہل تھے' عورتوں کا سماج میں کوئی مقام نہیں تھا۔ کل میں نے آپ کے سامنے ایک بہت ہی افسوس ناک قصہ سنایا تھا کہ ایک آدمی نے

کس طریقے سے اپنی ہی بیٹی کو زندہ دفن کر دیا اور اس کے بعد اپنی مدح میں قصیدہ بھی پڑھا۔ غلاموں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غریبوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جن کے پاس جتھا نہیں ہے ان کے لیے کوئی گنجائش تھی۔ ان کے پاس مذہب کے نام پر سوائے بت پرستی کے اور سوائے رسم و رواج کے اور کوئی شے نہیں تھی۔

اسلام ایک انقلاب تھا' اسلام ایک تحریک تھی اور ایسی عظیم تحریک اور ایسا طاقت ور انقلاب کہ جو ایسے تنگ و تاریک دور میں آیا جہاں دوسرے کی بات سننے کو کوئی گوارہ نہیں کرتا تھا اور تیئس برس میں ساری مخالفتوں کے باوجود' ساری دشمنیوں کے باوجود' ان تمام کوششوں کے باوجود جو اسلام کی دشمنی میں کی گئیں کم سے کم جانی نقصان اُٹھا کر اپنی تحریک کو جس طرح سے اسلام نے کام یاب کیا ہے تیئس برس میں وہ اپنی مثال آپ ہے یا عرب کا پورا جزیرہ نما قریب قریب داخل اسلام ہو گیا اور اسلام کی تحریک تلوار سے نہیں چلی۔

یہ جو تصور پیش کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا تو یہ ملوکیت کا پیدا کیا ہوا تصور ہے' یہ شہنشاہیت کا پیدا کیا ہوا تصور ہے۔ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا' اسلام کردار سے پھیلا ہے' اسلام اَخلاق سے پھیلا ہے' اسلام رسولؐ کے موعظ حسنہ سے پھیلا ہے' اسلام رسولؐ کے عظیم اَخلاق سے پھیلا ہے' اسلام آلِ رسولؐ کے عظیم اَخلاق سے پھیلا ہے' اسلام علیؑ اور اولادِ علیؑ کی قربانیوں سے پھیلا ہے۔

عزیزانِ گرامی! اسلام نے اپنے پورے رسولؐ کے عہد میں دونوں طرف کے ملا کر یعنی مسلمان اور کافر انسانی جانیں ایک ہزار سے کم ضائع ہوتی ہیں یعنی

کافر اور مسلمانوں دونوں ملا کر جو انسان مارے گئے ہیں ان کی تعداد ایک ہزار سے کم ہے اور اتنا کم خون بہا کر اتنا بڑا نتیجہ حاصل کیا کہ عرب کا پورا جزیرہ تما مسلمان ہو گیا تو اسلام حالات کو بدلنے کی تحریک کا نام نہیں تھا' اسلام ذہنوں کو بدلنے کی تحریک کا نام تھا' اسلام فکر پیدا کرنے کی تحریک کا نام تھا' اسلام سوچنے اور سمجھنے کا انداز بدل دینے کا نام تھا۔

اسلام پر الزام ہے کہ اس نے غلامی کو ختم نہیں کیا ہے۔ اسلام کے ہر ہر نظام میں کچھ کم مدت پروگرام ہوتے ہیں اور کچھ زیادہ مدت پروگرام ہوتے ہیں۔ اسلام آنے کے بعد ایک آواز میں غلامی ختم نہیں کر سکتا تھا:

① ملک کی معیشت برباد ہو جاتی' سارے غلام آزاد ہو جاتے تو بے روزگاری بڑھ جاتی۔

② ملک میں مارا ماری بڑھ جاتی' ملک میں کام نہ ملنے کے سبب اور لوگوں کے پاس مزدور نہ ہونے کے سبب سارے کاروبار ٹھپ ہو جاتے۔

③ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا۔ اگر سب قتل کر دیے جاتے تو انسانی خون بہت بہہ جاتا۔ اگر سب آزاد چھوڑ دیے جاتے تو پلٹ کر پھر مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کرتے۔

یہ بھی ایک مسئلہ اسلام کا تھا غلامی کو فوری طور پر ختم نہ کرنے کا' اسلام کے زیادہ مدت پروگرام میں غلامی کا خاتمہ تھا۔

دیکھیے غور کیجیے گا! اسلام کے زیادہ مدت پروگرام میں غلامی کا خاتمہ تھا۔

کیوں کر؟ اگر کسی آدمی کی آمدنی کو صفر کر دیں اور خرچ اس کا پانچ سو فیصد بڑھا دیں تو چار دن میں اس کے پیسے ختم ہو جائیں گے' وہ غریب ہو جائے گا اور اس کے پاس کچھ نہ رہے گا۔ اسلام نے غلام بنانے کے دروازے بند کر دیئے تھے اور آزاد کرنے کا پروگرام جاری کیا تھا۔ غلام آزاد کرو کفارے کے طور پر' غلام آزاد کرو۔ آزادی کے دروازے کھولے تھے' غلام بنانے کے دروازے بند کیے تھے۔ اگر اسلامی نظام پر دو برس بھی عمل ہو جاتا تو دنیا سے غلامی ختم ہو جاتی مگر بدنصیبی سے اسلام آنے سے بہت جلدی ملوکیت سے ٹکرا گیا اور ملوکیت نے اسلام کو اغوا کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی بند نہ ہوئی۔

عزیزانِ گرامی! غلامی دنیا میں آج بھی ہے نام بدل کر' نام سے کیا ہوتا ہے۔ آپ نام جو چاہے میرا رکھ لیجیے۔ آپ ان کو غلام کہیے یا اس کا نام بادشاہ رکھ لیجیے اور بے شک اس کو مزدوروں کی طرح لگائے رکھیے۔ بادشاہ کہنے سے وہ بادشاہ تھوڑی ہو جائے گا۔ اصل چیز نام نہیں ہے اصل چیز آپ کا عمل ہے۔

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آج دنیا سے غلامی مٹ گئی ہے؟ کیا آج مزدور نہیں ہیں؟ کیا آج طاقت والوں' جتھے والوں اور دولت والوں کے ہاں لوگ غلاموں کی طرح زندگی بسر نہیں کر رہے ہیں؟ نام سے کچھ نہیں ہوتا عمل سے ہوتا ہے۔

اسلام نے انسان کے دماغ سے ذہنی غلامی کا تصور ختم کیا تھا' کیا کوئی دنیا میں اسلام کا مقابلہ کرے گا جس کے رسولؐ نے مدینہ میں آ کر پہلی مسجد بنائی۔ مسجد نبویؐ میں لوگ جمع ہیں' ایک سے ایک عرب بیٹھے ہیں' ایک قریشی بیٹھے ہیں' ایک

ایک گورے بیٹھے ہیں' ایک سے ایک خاندانی بیٹھے ہیں' ایک سے ایک جتھے والے بیٹھے ہیں اور رسولؐ مسجد میں تشریف لائے ہیں۔ مسجد نبویؐ میں اذان ہونے والی ہے اور اذان کے بعد نماز ہوگی۔

اذان کون دے گا' یہ شرف کسے حاصل ہوگا اور یہ عزت کسے ملے گی؟ ہر ایک کے دل میں تمنا ہے۔ جتھے والے سوچ رہے ہیں کہ ہم میں سے کسی کا منتخب ہوگا۔ قبیلے والے سوچ رہے ہیں کہ ہم میں سے کوئی منتخب ہوگا' گورے رنگ والے آگے بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہم ہی میں سے کسی کا انتخاب ہوگا۔ عرب لوگ چاروں طرف موجود ہیں کہ ظاہر ہے کہ اذان چوں کہ عربی زبان میں ہے لہٰذا عرب کے علاوہ کس کو حق ہے اذان دینے کا۔ ایک مرتبہ نگاہِ رسالتؐ اُٹھی' مسجد کے کونے میں ایک کالے رنگ کا حبشی غلام بیٹھا ہے وہ اپنے دل میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ عزت مجھے ملے گی۔ یہ گوروں کو ملے گی میں تو کالا ہوں۔ یہ آزادوں کو ملے گی میں تو غلام ہوں۔ یہ جتھے والوں کو ملے گی میرے پاس تو کوئی پیسہ نہیں ہے' میں تو کسی حساب میں نہیں آتا۔ لیکن جہاں معیار دولت ہے' نہ جتھا ہے' پیسہ ہے' نہ طاقت ہے' نہ قبیلہ ہے' معیار تقویٰ ہے' معیار ایمان ہے' معیار کردار ہے' معیار دل کی چمک ہے جسم کی چمک نہیں ہے' نگاہِ رسالتؐ اِدھر اُدھر سے جا کر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر ٹھہری آواز دی: بلالؓ!

بلالؓ کا چہرہ نورِ ایمانی سے چمکنے لگا۔ عرض کیا: آقا! کیا حکم ہے؟ فرمایا: اذان دو (نعرۂ حیدری)۔

بلالؓ! اذان دو۔ بلالؓ کالے تھے گورے نہیں تھے' بلالؓ حبش کے رہنے والے تھے عرب نہیں تھے' بلالؓ اکیلے تھے جتھے والے نہیں تھے' بلالؓ غریب تھے پیسے والے نہیں تھے۔ ان میں سے کوئی شئے بلالؓ کے پاس نہیں تھی لیکن بلالؓ کے پاس نور ایمان تھا' بلالؓ کے پاس تقویٰ تھا' بلالؓ کے پاس کردار تھا' بلالؓ کے پاس محبت خدا اور رسولؐ تھی' بلالؓ کے پاس صداقت تھی' بلالؓ کے پاس ایمان داری تھی' بلالؓ کے پاس جذبہ اخلاق تھا جو ان تمام کمزوریوں پر غالب آ گیا۔ بلالؓ! اذان دو۔

اب سوچیے! اس کالے رنگ والے اور نورانی ایمان وال کے دل میں مسرت پیدا ہوئی ہو گی' کیا کیفیت ہوئی ہو گی اس کالے غلام کی اس بھرے ن میں جس وقت یہ اعزاز سرورِ کائناتؐ نے عطا کیا تھا۔ بلالؓ آئے اس جگہ جہاں اذان دی جاتی تھی۔ اذان شروع ہوئی۔ ظاہر ہے کہ کالے کا انتخاب گوروں کو گراں گزرا ہو گا۔ عجمی کا انتخاب عربوں کو گراں گزرا ہو گا۔ غریب کا انتخاب پیسے والوں کو اچھا نہیں لگا ہو گا۔ اکیلے کا انتخاب جتھے والوں کے لیے تشویش کا سبب بنا ہو گا مگر اسلام یہ سارے بیریئر توڑنے آیا تھا جس سے انسانیت کا سر زخمی ہوا ہے۔

فرمایا. بلالؓ! اذان دو۔

آپ کو معلوم ہے کہ مختلف ممالک کے لوگ جو ہوتے ہیں ان کے رسم و رواج الگ ہوتے ہیں۔ آپ کسی ایرانی آغا سے کہیے کہ کہو: روٹی۔ وہ کہے گا: روتی۔ کسی عرب سے کہیے کہ کہو: ٹو۔ وہ کہے گا: تو۔ اپنی اپنی زبان ہے اور اگر کسی

انگریز کو پکڑ لائیے اس سے کہیے کہ کہو: طوطا۔ وہ کہے گا: ٹوٹا۔ ان کے ہاں "ط" نہیں ہے ان کے پاس "T" ہے۔ ہر جگہ کی زبان مختلف ہوتی ہے۔ حضرت بلالؓ حبش کے تھے اذان کے الفاظ میں "ش" بھی ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلواۃ)

بلالؓ حبشی تھے غیر عرب تھے وہ "ش" کو "س" کی طرح ادا کرتے تھے۔ "اَشْهَدُ" جہاں پر کہنا ہے وہاں پر ان کی زبان سے نکلتا تھا "اَسْهَدُ"۔ وہ چوں کہ عرب نہیں تھے غیر عرب تھے لہٰذا "ش" کو ادا کرنا ان کے لیے مشکل تھا کہ جب وہ "ش" کہتے تھے تو سننے والوں کو "س" سمجھ میں آتا تھا لہٰذا جب انھوں نے کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

سنائی دیا:

اَسْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

جب اذان ہوئی تو کسی نے رسولؐ سے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ تو "ش" کو "س" بول رہے ہیں۔

دیکھیے! وہی اعتراض آیا لیکن اسلام کوئی اور چیز دیکھ رہا ہے دنیا کوئی اور چیز دیکھ رہی ہے۔

بس! جیسے ہی کسی نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! بلالؓ تو "اَشْهَدُ" کو "اَسْهَدُ" کہہ رہے ہیں۔

مزاجِ رحمت میں برہمی آئی اور کہنے والے کو غصے سے فرمایا: کیا "ش"، "س" کے جھگڑے میں پڑے ہو:

سِینُ بِلَال شِینٌ عِندَاللّٰہ

بلالؓ "جو "س" کہہ رہے ہیں اللہ اسی کو "ش" مان رہا ہے" (نعرۂ حیدری)۔

اب آپ سمجھے مذہب کی فلاسفی اور روحِ مذہب؟ لفظوں کے چکر میں نہ پڑیے بلکہ یہ دیکھیے کہ جذبہ کیا ہے۔ یہ بزمِ سرورِ کائناتؐ ہے جہاں غلام کو یہ عزت دی جا رہی ہے۔

"رسولؐ اور غلامؓ" یہ ایک باب ہے۔

اب آیئے دوسرا باب!

"علیؑ اور غلامؓ"۔

علیؑ کے غلام کا نام مشہور ہو گیا قنبرؓ۔ قنبرؓ بھی غلام تھے لیکن آقاؑ نے کس پیار سے رکھا تھا قنبرؓ کو آپ کو معلوم ہے؟ وہ زمانہ جب مولا علی علیہ السلام کے پاس اقتدار تھا' جب وہ کوفہ میں حاکم کی حیثیت سے تھے' دو کرتے خریدے۔ ایک کرتہ عمدہ تھا' قیمتی تھا' ایک کرتہ معمولی تھا اور موٹے کپڑے کا تھا۔ دو کرتے خریدے بازار سے اور خریدے بھی کیوں کر یہ بھی تاریخ میں لکھا ہے۔ ایک دُکان پر گئے' چلے آئے' دوسری دُکان پر گئے چلے آئے' تیسری دُکان پر گئے چلے آئے۔ کرتہ خریدنے نکلے ہیں خریدتے نہیں' دُکانیں دیکھ رہے ہیں بڑی مشکل سے ایک دُکان پر جا کر خریدے۔

جو لوگ ساتھ میں تھے ان کو بہت حیرت ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا: یا علیؑ! آپؑ کرتہ خریدنے نکلے ہیں اور آپؑ نے کئی دُکانیں دیکھنے کے بعد ایک دُکان سے خریدا۔

فرمایا: بات یہ ہے کہ یہ دُکان والے مجھے پہچانتے ہیں میں نے اس لیے نہیں خریدا کہ میری حالت کو دیکھ کر مجھ سے کوئی رعایت نہ کریں۔ اس دُکان دار کی بات چیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ مجھے پہچانتا نہیں ہے یہیں سے میں نے خرید لیا۔

آیئے! دو کرتے خریدے' ایک مہنگا' عمدہ والا اور ایک معمولی سا اور اب جو بانٹے تو عمدہ والا غلام کو دے دیا اور موٹا والا اپنے لیے رکھ لیا' کہا کہ یہ میں پہنوں گا۔ جو لوگ بیٹھے تھے ان کو پھر حیرت ہوئی' عرض کیا: یا علیؑ! کیا کر رہے ہیں آپؑ، رواج تو دنیا کا یہ ہے کہ آدمی اچھا کپڑا خود پہنتا ہے معمولی نوکر کو پہناتا ہے آپؑ نے عمدہ والا غلام کو دے دیا اور معمولی والا اپنے لیے رکھ لیا؟

آپؑ نے یہ نہیں کہا کہ ہم غلاموں کو عمدہ پہناتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر یہ کہہ دیتے تو عمدہ پہن کر بھی وہ تصور غلامی میں رہتا' وہ عمدہ پہن کر بھی احساسِ غلامی میں رہتا کہ آقا میرا بڑا نرم دل ہے چوں کہ میں غلام ہوں اس لیے اچھا کرتہ دیا گیا' یہ فکر غلامی سے رہائی نہ ملتی۔

مولا علی علیہ السلام نے فرمایا: ارے بھئی! وہ جوان ہے اس کے پہننے کے دن ہیں ہم تو اب بوڑھے ہو گئے ہیں ہمیں پرانا ہی ٹھیک ہے (نعرۂ حیدری)۔

دیکھیے! یہ ذہنی غلامی سے نجات دلائی جا رہی ہے۔

فرمایا: وہ جوان ہے اس کے پہننے کے دن ہیں' میرا کیا ہے میں تو بوڑھا ہوا۔

یہ علیؑ ہے غلام کے ساتھ!

حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں' گھر کے کام کاج کی ذمہ داری بہت ہے۔ ایک دن اپنے باباؐ کے پاس جاتی ہیں' کچھ کنیزیں آتی ہیں جو بٹ رہی ہیں۔

عرض کیا: باباؐ! اگر مناسب ہو تو گھر کے کام کاج کا بوجھ بہت ہے ایک کنیز مجھے بھی دے دیجیے۔

فرمایا: بیٹی! کیا میں تجھے ایسی چیز نہ بتا دوں جو کنیز سے بہتر ہے؟

عرض کیا: اس سے بڑھ کر کیا ہے؟

فرمایا: بیٹا! اس وقت مسلمانوں کی ضروریات کچھ ایسی ہیں کہ میں ان کنیزوں میں سے تجھے نہیں دے سکتا۔ اچھا! میں اس سے عمدہ ایک چیز دیے دیتا ہوں۔ یہ تسبیح جو آپ ہر نماز کے بعد پڑھتے ہیں تسبیح فاطمہؑ، اس تسبیح کی تعلیم دی۔ جب مانگنے گئی تھیں باپ سے کنیز تو مولا علیؑ ساتھ نہیں گئے تھے' گھر میں تھے' جب آئیں اور مولا علیؑ نے چہرہ دیکھا تو چہرے سے مسرت چھپ نہیں رہی تھی اور خوشی کے آثار چہرۂ اقدس سے نمایاں تھے۔

مولا علیؑ نے پوچھا: اے رسولؐ کی صاحب زادی! باپ سے کیا لے آئیں جو چہرہ اتنا خوش ہے اور اتنی مسرت ہے؟

بی بیؑ نے عجب جملہ فرمایا: میں اپنے باپ کے پاس دنیا لینے گئی تھی انھوں

نے مجھے آخرت دے دی (صلوٰۃ)۔

یہی تسبیح فاطمہؑ جو نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اسی تسبیح کی تعلیم سرورِ کائناتؐ نے اپنی بیٹی کو دی۔

اس واقعے کو کچھ دن گزر گئے' تھوڑے دنوں کے بعد ایک دن سرورِ کائناتؐ نے بی بیؑ کو بلایا' کوئی آیا اس نے عرض کیا: آپؑ کے بابا آپؑ کو یاد فرما رہے ہیں۔

حاضر خدمت ہوئیں۔ فرمایا: بیٹا! اس وقت تم آئی تھی اور تم نے ایک کنیز کے لیے کہا تھا اس وقت حالات ایسے نہیں تھے اور لوگوں کی ضروریات ایسی تھیں میرے سامنے کہ اس وقت میں تمہیں کنیز فراہم نہیں کر سکتا تھا لیکن الحمدللہ! اب حالات بہتر ہیں یہ کنیز میں نے تمہارے لیے منتخب کی ہے۔ وہ کنیز جناب فضہؓ تھیں۔ سرورِ کائناتؐ نے بیٹی کو یہ کنیز دے دی۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ سیدہؑ نے کنیز کو کیسے رکھا' گھر کا کام بانٹ دیا۔

فرمایا: ایک دن تمہارے آرام کا دن ہے میں کام کروں گی اور ایک دن میرے آرام کا دن ہے اور تم کام کرو گی۔ چناں چہ لاکھ لاکھ جناب فضہؓ نے ہاتھ جوڑے' مگر بی بیؑ نے جناب فضہؓ کی یہ درخواست منظور نہ کی۔ ایک دن جناب فضہؓ آرام کرتی تھیں شہزادیؑ کام کرتی تھیں' ایک دن شہزادیؑ آرام کرتی تھیں اور فضہؓ کام کرتی۔

عزیزانِ گرامی! سیدہؑ کا عمل اسلام ہے' مولا علیؑ کا عمل اسلام ہے' رسولؐ

اللہ کا عمل اسلام ہے۔ میرا آپ کا عمل اسلام نہیں ہے۔ اسلام کی تصویریں دیکھنا ہوں تو اس گھر میں دیکھیے جس گھر کو دین پھیلانے کے لیے اللہ نے منتخب کیا۔ کنیز کو اس طرح رکھا کہ ایک دن بی بیؑ کام کرتی تھیں کنیز آرام کرتی تھی' ایک دن کنیز کام کرتی تھی اور بی بیؑ آرام کرتی تھیں۔

عزیزانِ گرامی! غلاموں کی عزت اس گھرانے نے رکھی۔

دورِ ملوکیت جب شباب پر تھا اس وقت آلِ محمدؐ نے غلاموں کی عزت افزائی کی۔ یہ آٹھویں امامؑ کا زمانہ ہے اور تختِ اقتدار پر مامون الرشید ہے۔ امامؑ کی دعوت ہوئی ہے' شاہی دعوت' بڑے بڑے روسا' بڑے بڑے وزارت کے افسران' بڑے بڑے شاہی خاندان کے لوگ۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کی دعوت میں جو مدعو ہوں وہ سب کے سب بیٹھے ہیں۔ بڑا ہال ہے' دسترخوان بچھا' غلاموں کی کمی نہیں ہے' خدمت گاروں کی کمی نہیں ہے' بادشاہ کے گھر میں تو وہاں یہ نظام نہیں ہے کہ چار' پانچ آدمی دسترخوان پر خدمت کے لیے ہیں۔۔ ایسا نہیں ہے بادشاہی دعوت ہے نا! لہٰذا ہر آدمی کے پیچھے ایک غلام ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ ہر آدمی کی خدمت کے لیے الگ آدمی ہے۔ ہر آدمی کے پیچھے ایک آدمی ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ کھانا پکا ہوا ہے۔ صدارت کی کرسی پر امام رضاؑ تشریف فرما ہیں' انھی کے لیے یہ دعوت ہے۔ ہر ایک امامؑ کے دستِ مبارک کو دیکھ رہا ہے کہ آپؑ کا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھے تو ہم کھانا شروع کریں۔ امامؑ جیسے تشریف فرما تھے ویسے تشریف فرما ہیں' کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھ رہا ہے۔

مامون نے عرض کیا: یا ابن رسولؐ اللہ! سب آپؑ کے انتظار میں رُکے ہوئے ہیں' آپؑ شروع کریں تو سب شروع کریں۔ جیسے ہی بادشاہ نے کہا کہ سارے دسترخوان پر بیٹھے لوگ آپؑ کے انتظار میں ہیں' آپؑ ہاتھ بڑھائیں کھانے کی طرف تو سب کا ہاتھ بڑھے۔ جیسے ہی اس نے کہا ویسے ہی امامؑ نے سر اُٹھایا اور فرمایا: یہ حضرات جو کھڑے ہیں۔

عرض کیا: سرکارؑ! یہ غلام ہیں۔

فرمایا: اچھا! کیا یہ مسلمان نہیں ہیں؟

عرض کیا: نہیں! نہیں! حضورؑ! سب مسلمان ہیں' یہاں غیر مسلم کا کیا کام ہے سب مسلمان ہیں۔

فرمایا: اچھا! تو بھائیو! آؤ بیٹھو آؤ تم لوگ بھی آؤ' ہمارے جدؐ کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ غلام الگ کھائے اور آقا الگ کھائے (نعرۂ حیدری)۔

اب حکم دے رہے ہیں امامؑ' اب ہر ایک کے پہلو میں ایک غلام بیٹھا ہے اور بات ایسی کہہ دی کہ اگر کوئی دسترخوان سے اُٹھے تو دسترخوان سے نہیں اُٹھے گا' پھر وہ اسلام سے اُٹھے گا۔ اس لیے کہ امامؑ اپنے جدؐ کا حوالہ دے رہے ہیں۔ ہر ایک کے پہلو میں ہر ایک کو بٹھا دیا۔ اب خدا جانے جو بڑے بڑے رئیس بیٹھے تھے انھوں نے کھانا کھایا یا کھانے نے ان کو کھایا' کیا گزر گئی ان پر مگر غلاموں نے سب کے پہلوؤں میں بیٹھ کر خوب کھایا۔

عزیزانِ گرامی! اسلام نے ذہنی غلام ختم کی' اسلام نے فکری غلامی ختم کی'

اسلام سو برس کے اندر اندر غلامی کو ختم کر دیتا اگر اسلام ملوکیت سے ٹکرا نہ جاتا۔ اس لیے کہ ملوکیت اور شہنشاہیت کا مزاج ہوتا ہے خادموں کو رکھنا' شاہی درباروں میں کرسیاں ہوتی ہیں' ان میں گریڈ ہوتے ہیں' ان میں مرتبے ہوتے ہیں۔ یہ شہنشاہیت کا مزاج ہے اور رسالتؐ کا مزاج یہ ہے کہ فرشِ خاک پر سب بیٹھے ہیں لیکن افسوس اس کا ہے کہ اسلام کے نام پر جو تصویریں بنی ہیں وہ بادشاہوں کے درباروں کی بنی ہیں وہ سلطانوں کے محلات کی تصویریں ہیں۔ جن میں غلاموں کی دکھ بھری زندگیاں ہیں' جن میں عورتوں کی درد بھری کہانیاں ہیں' جن میں غریبوں کی سسکیاں ہیں' جن میں بیواؤں کی آہیں ہیں۔ لیکن اگر رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے گھروں کی تصویریں آئیں سامنے تو عالم اسلام کا تصور ہی دوسرا ہوتا۔ شاہی درباروں کے مزاج اور تھے' شانِ رسالتؐ اور تھی' دربارِ رسولؐ اور تھا' شاہی دربار میں سب سے بڑے تخت پر شہنشاہ جلوہ فگن ہوتا تھا' سرورِ کائناتؐ فرشِ خاک پر بیٹھتے تھے محراب میں۔ ابتدائی دور میں مسجد نبویؐ میں چٹائیاں بھی نہیں تھیں۔ آپ مسجد نبویؐ کی تاریخ پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے قافلے جو بحر احمر سے پلٹتے تھے تو جن کے اُونٹ خالی ہوتے تھے وہ سمندر کی ریت بھر دیتے تھے ان پر اور وہ ریت لا کر مسجد میں بچھائی گئی تھی۔ Red Sea کے کنارے کی ریت جو تھی وہ مسجد نبویؐ میں بچھائی گئی تھی اس لیے کہ سمندر کی ریت جو ہے وہ کپڑوں پر چپکتی نہیں ہے وہ نہ آپ کے کپڑوں پر دھبہ ڈالے گی اور نہ آپ کے کپڑے پر چپکے گی۔ مسلمانوں کے قافلے جب اُدھر سے پلٹتے تھے تو جن کے اُونٹ خالی

ہوتے تھے وہ Red Sea کے کنارے سے وہاں کی ریت لے آتے تھے تو وہ ریت مسجد نبویؐ میں بچھی ہوئی تھی۔ سرکارؐ کے دربار میں جہاں قرآن آتا تھا' جہاں جبرئیلؑ آتے تھے' جہاں ربّ العزت کا سلام آتا تھا وہاں نہ قالین بچھے تھے' نہ کرسیاں بچھی تھیں' نہ فرش بچھے تھے' نہ مخمل تھا' نہ ریشم تھا' کچھ نہیں تھا اور ساری عظمتیں وہاں سجدہ ریز ہوتی تھیں مگر اس اسلام کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا گیا' تبلیغ وہی اسلام کرتا تھا' پھیلا وہی اسلام تھا۔

عزیزانِ گرامی! یہ پہلی بار میں نہیں پڑھ رہا ہوں' میں اس مسجد میں کئی بار پڑھ چکا ہوں کہ وہ پیغام جو تیس برس کے اندر اندر پورے عرب کو مسلمان بنا سکتا ہے وہ ایک ہزار برس میں پورے ہندوستان کو مسلمان کیوں نہ بنا پایا؟

عزیزانِ گرامی! وہاں جو چیز پھیلی اس کا نام تھا دین اور یہاں جو چیز نہ پھیل سکی اس کا نام تھا ملوکیت۔ شہنشاہیت کا مزاج یہ ہے کہ غلام ہوں' کنیزیں ہوں' نوکر چاکر ہوں' ہاتھ باندھ کر سلام کرنے والے ہوں' ادب سے جھکنے والے ہوں اور سر خم کرنے والے ہوں۔ نبوتؐ کا' امامت کا یہ مزاج نہیں تھا۔ رسولؐ کے دربار میں شاہ و گدا برابر تھے۔ ایک جگہ بیٹھتے تھے مولا علی علیہ السلام کی سرکار میں۔ اپنے وقت کا شہنشاہ جس کا آدھی سے زیادہ دنیا پر قبضہ ہے اپنے ہاتھ سے بیٹھا ہوا اپنی پرانی جوتی کو سی رہا ہے' ابن عباسؓ اوپر سے آ جاتے ہیں۔ فرمایا: ابن عباسؓ! یہ جوتی اگر ہم بازار میں بیچنے جائیں تو کتنے کی بکے گی؟

ابن عباسؓ نے عرض کیا: مولاؑ! اس کو کوئی نہیں خریدے گا' اس کی کوئی

قیمت ہی نہیں ہے اب یہ بکنے والا مال نہیں رہ گئی' یہ اتنی پرانی ہو گئی ہے کہ اب یہ بکے گی نہیں۔

فرمایا: ابن عباسؓ! تمھاری یہ حکومت کی امیری میں اس جوتی سے بھی کم قیمت ہے۔

دیکھیے! جب بادشاہ کا یہ تصور ہو تو تب نظامِ عدل قائم ہو اور تب غریبوں کو ان کا حق ملے گا۔ جب بادشاہ 'جو' کی روٹی کھائے گا' جب بادشاہ موٹے کپڑے پہنے گا' جب بادشاہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہے گا' رات اندھیری ہے' سردی تیز ہے ایک آدمی آتا ہے پردیسی کوفہ میں' اس کو فوراً علیؓ سے ملنا ہے' فوری کام ہے اس کو۔ وہ کہتا ہے: مجھے علیؓ کے گھر کا پتا بتاؤ۔

ایک آدمی اس کو ایک چھوٹے سے گھر کے پاس لا کر کھڑا کر دیتا ہے اور کہتا ہے: یہ علیؓ کا گھر ہے۔ اس نے کہا: بھائی! وہ علیؓ جو امیر المومنین ہے ان کے گھر کا پتا پوچھ رہا ہوں۔ کہا: ہاں! ہاں! یہی ان کا گھر ہے۔

اس نے کہا: واہ! تمھارے شہر میں پردیسیوں سے مذاق ہوتا ہے۔ میں پردیسی ہوں بھائی' مجھ سے مذاق نہ کرو' مجھے پریشان نہ کرو' مجھے جلدی جانا ہے۔

کہا: سنو! علیؓ کے دورِ اقتدار میں کوئی کسی سے مذاق نہیں کر سکتا ہے۔ اس وقت' میں بھاگ نہیں جا رہا ہوں' میں یہیں کھڑا ہوں' تم پکار کر دیکھو اگر انھیں علیؓ کا گھر نہ ہو تو پھر تم مجھے کہنا۔ اس نے آواز دی۔ اندر سے کسی نے کہا: اندر آ جاؤ۔

محض آواز کی گرج نے بتایا شہنشاہ بول رہا ہے۔ وہ شخص اندر چلا گیا'

چہرے پر نظر پڑی تو سمجھ گیا کہ یہی علیؓ ہے۔ تیز سردی تھی اور ایک معمولی سی چادر اُوڑھے ہوئے تھے۔ اس نے پہلا سوال یہی کیا: اتنی سردی ہے اور آپؓ اتنی معمولی سی چادر اُوڑھے ہیں؟

فرمایا: ہاں! مدینہ سے میں یہی لایا تھا۔ میں نے تمہارے بیت المال سے کچھ نہیں لیا۔

اب سنیے! بیان کل آگے بڑھے گا' اگر زندگی رہی تو میں کل آپ کو سناؤں گا کہ اسلام نے عورت کا مرتبہ کتنا بلند کیا ہے' عورت کو کیا عزت دی ہے اسلام نے۔ جو آج یہ پروپیگنڈہ ہے کہ عورت جو ہے وہ ایک پنجرے میں قید ہے۔ اس اعتراض کا جواب دوں گا کل' آج تو صرف اتنا کہ جب بادشاہ نے یہ زندگی گزاری۔

سنیے، اسلام کی برکت سنیے! جو کہہ رہے قابو میں نہیں آ رہی یہ دنیا۔

بھئی! قابو میں اس لیے نہیں آ رہی کہ قائد قابو میں نہیں ہیں۔ معاملہ یہ ہے۔ اگر قائد صحیح ہوتا ہے تو ہر شئے قابو میں آتی ہے۔ جب قائد نے 'جو' کی روٹی گھٹنے سے توڑ کر کھائی' جب پیوند دار کپڑے پہنے' جب معمولی سے گھر میں رہا تو تین چار برس حکومت کرنے کے بعد اس نے مسجد کوفہ میں بیٹھ کر کہا: آج میری حکومت میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے جسم پر لباس نہ ہو' جو روٹی نہ کھاتا ہو' جو سائے میں نہ بیٹھا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین بنیادی اہم مسئلے ہیں:

① روٹی ② کپڑا ③ مکان

ان تینوں مسائل کو علیؓ نے اپنے چار برس کے دورِ حکومت میں حل کر کے

بتا دیا کہ نظام اسلام کیا ہے (نعرۂ حیدری)۔

## ذکرِ مصائب: شہادتِ جناب جون رضی اللہ عنہ

عزیزانِ گرامی! یہ ہے غلامی' اسلام نے کس طریقے سے غلاموں اور کنیزوں کی عزت افزائی کی اور اسی طرح غلام ہم کو کربلا کے میدان میں رُتبہ شہادت پر پہنچے ہوئے ملیں گے۔ ہماری جانیں نثار ہو جائیں!

جہاں کربلا کے شہیدوں میں بنو ہاشمؑ کا نام ہے وہیں ساتھ ساتھ غلاموں کے نام بھی لکھے ہیں۔ حضرت جون رضی اللہ عنہ جو غلام تھے' آزاد کر دیا تھا اُن کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے' مگر درِ اہل بیتؑ سے وابستہ رہے زندگی بھر۔ جب حسینؑ نے سفرِ غربت اختیار کیا تو جناب جونؓ ساتھ چلے' کربلا میں۔ تین دن کی بھوک و پیاس میں یہ شریک رہے اور جب عاشور کی رات حسینؑ نے شمع گل کر کے فرمایا: چلے جاؤ۔

روایت بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے تقریر کی ان میں جناب جونؓ بھی تھے جنھوں نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا: اگر ہم آپؑ کو اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں تو خدا کرے کہ ہمیں جنگل کے جانور پھاڑ کھائیں اور اپنی منزل تک زندہ نہ پہنچ پائیں۔

یہی جونؓ جب سویرے اجازت لینے آئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جونؓ! تم بوڑھے ہو گئے ہو تم ہمارے گھر آرام کرنے آئے تھے بس اتنا کافی ہے تمھیں اجازت نہیں ہے۔

جناب جونؓ نے عجیب وغریب رنگ اختیار کیا۔ جونؓ نے عرض کیا: آقاؑ! کیا اس لیے اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ میں غلام ہوں؟ کیا اس لیے اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ میں کالا ہوں؟

عجیب باتیں کرنے لگے جونؓ۔ آخر تھے جو ابوذرؓ کے غلام۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے سر جھکا لیا۔

روایت بتاتی ہے کہ جناب جونؓ جب میدانِ جہاد میں گئے تو بڑی شان سے لڑے حالاں کہ ضعیفی تھی' بوڑھے ہو چکے تھے مگر بڑھاپے کا کوئی اثر نہ تھا جناب جونؓ پر اور اس طرح جہاد کر رہے تھے جیسے جوان جہاد کر رہے ہوں اور جہاد کرتے کرتے جب زخموں سے چُور ہوئے اور گھوڑے سے گرے تو قربان جائیے اس حسینؑ کے' جس طرح حبیبؓ کے سرہانے گئے' جس طرح عباسؑ کے سرہانے گئے اسی طرح حسینؑ ، جونؓ کے سرہانے بھی پہنچے۔

عزیزانِ گرامی! فقط یہاں پر عزت تمام نہیں ہوتی بل کہ چوتھے امامؑ کی روایت ہے کہ جب میں دفن کرنے کے لیے آیا ہوں تو میں نے دیکھا کہ جناب جونؓ کا جسم چمک رہا تھا' کالا رنگ نورانیت میں بدل گیا تھا اور مشک وعنبر سے بہتر خوش بو آ رہی تھی۔

عزیزانِ گرامی! آج جونؓ بھی اسی قبر میں سو رہے ہیں جس میں عباسؑ کے بھائی سو رہے ہیں' جس میں زینبؑ کے لالؑ سو رہے ہیں' جس میں قاسمؑ ابن حسنؑ سو رہے ہیں' اسی قبر میں جونؓ بھی سو رہے ہیں۔ آقا اور غلام کا امتیاز ختم کر

دیا گیا۔

عزیزانِ گرامی! محرم کی تاریخیں گزر رہی ہیں' عزاداری کے دن گزر رہے ہیں' آپ رو رہے ہیں' آپ کی آوازیں بلند ہیں۔

بس عزیزانِ گرامی! مجلس کو تمام کر رہا ہوں! یہ گریہ کی آوازیں کسی دکھیا ماں کی تمنا کی خبر دیتی ہیں جس ماں نے چکی پیس کر پالا تھا۔ جب خبر شہادتِ حسینؑ سرورِ کائناتؐ کے ذریعے سیدہ فاطمہ زہراؑ کو ملی تو عرض کیا: بابا! یہ فرمایئے کہ یہ واقعہ کب ہو گا؟

فرمایا: بیٹا! اس وقت نہ میں ہوں گا' نہ علیؑ ہوں گے' نہ تو ہو گی' نہ حسنؑ ہوں گے۔

عرض کیا: بابا! غسل و کفن کیسے ہو گا؟

فرمایا: بیٹا! غسل و کفن نہیں ہو گا۔

عرض کیا: بابا! میرے بچے پر روئے گا کون؟

یہ جو رونے کی آوازوں سے یہ ہال گونجتا ہے' یہ فاطمہ زہراؑ کی تمنا ہے۔

عرض کیا: بابا! میرے بچے پر روئے گا کون؟

محبوب ربّ العالمینؐ تھے جو چاہتے فرما دیتے اللہ وہی کرتا مگر چپ رہے۔

جبرئیلؑ آئے عرض کیا: اللہ تحفہ درود و سلام کے بعد ارشاد فرما رہا ہے: ہماری کنیز خاص کو چپ کرا دیجیے ان کے رونے سے ملائکہ ارض و سموات رو رہے ہیں۔ آپؐ کہہ دیجیے کہ ہم وعدہ کرتے ہیں رونے والے پیدا کریں گے جو قیامت تک

حسینؑ پر روتے رہیں گے۔

اے بی بیؑ! یہ رونے والے جمع ہیں آپؑ کو آپؑ کے گھر کی تعزیت دے رہے ہیں۔

اے بی بیؑ! علی اکبرؑ کی تعزیت لیجیے' علی اصغرؑ کی تعزیت لیجیے' قاسمؑ کی تعزیت لیجیے۔

اے بی بیؑ! بنو ہاشمؑ کی تعزیت لیجیے۔

اے بی بیؑ! اس حسینؑ کی تعزیت لیجیے جو تین دن کا بھوکا پیاسا' صبح سے شام تک لاشیں اُٹھا اُٹھا کر دنیا سے جدا ہو گیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

# مجلسِ ششم
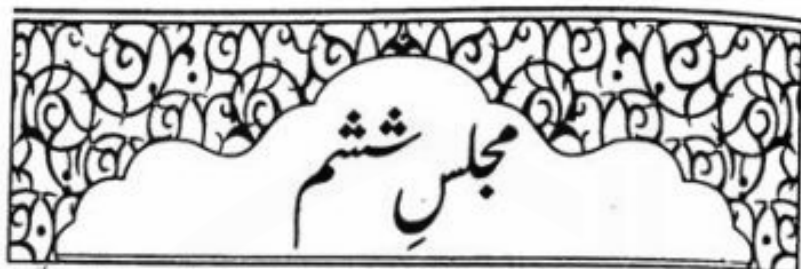
## موضوع: اسلام اور عورت (حصہ اول)

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آلِ عمران: آیت ۱۹)

عزیزانِ محترم!

خداوند عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

ہمارے آپ کے درمیان دین اور اسلام کی بات چل رہی ہے اور کل میں نے آپ کے سامنے اسلام اور غلامی کے موضوع پر کچھ عرض کیا تھا کہ اسلام انسان کو فکری اور ذہنی غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہے تاکہ اس کا ذہن آزاد ہو اور اگر آپ کو طرزِ عمل دیکھنا ہے تو آپ رسولؐ کا طرزِ عمل دیکھیے، مولا علیؑ کا طرزِ عمل دیکھیں، معصومہ عالمینؑ کا طرزِ عمل دیکھیں اور ائمہ اطہارؑ کا طرزِ عمل دیکھیں تو آپ کو اسلام کی صحیح تصویر نظر آئے گی۔ اگر ملوکیت اور شہنشاہیت نے اسلام اغوا نہ کرلیا ہوتا تو برس میں غلامی ختم ہو گئی ہوتی۔

آج کے لیے میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں عورتوں کے تعلق سے عرض کروں گا اس لیے کہ اسلام پر مغربی میڈیا کا زبردست الزام ہے۔ مغربی میڈیا

مسلمانوں پر زبردست الزام لگاتا ہے کہ مسلمانوں نے تو عورتوں کو قیدی بنا کر رکھا ہے' پنجرے کی چڑیا بنا کر رکھا ہے' ان کے حقوق غصب کر کے رکھے ہیں' ان کو بالکل ذلیل وخوار کر کے رکھا ہے اور ان کے حقوق ان کو نہیں دیئے' ان کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔

یہ بڑا زبردست پروپیگنڈہ ہے ساری دنیا میں کہ مسلمان عورتوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتے ہیں۔ اصل میں معاملہ یہ ہے کہ مغربی میڈیا نے شہنشاہوں کی عورتوں کو دیکھا یا قبائلی رسم ورواج میں جکڑی ہوئی عورتوں کو دیکھا ان کو اسلامی عورتوں کو دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مغرب کا اپنا ایک اُصول ہے وہ اپنے حساب سے ایک فارمولا بناتے ہیں اور اس کے بعد معیارِ تہذیب اسی کو مان لیتے ہیں اور جو اس کے خلاف جاتا ہے اس کو غیر مہذب قرار دیتے ہیں چوں کہ وسائل ان کے پاس زیادہ ہیں' آواز پہنچانے کے ذرائع ان کے پاس زیادہ ہیں وہ بولتے ہیں تو ساری دنیا میں سنا جاتا ہے' ہم بولتے ہیں تو آواز ایک شہر تک نہیں پہنچ پاتی' لہٰذا آمنے سامنے کی بات نہیں ہو پاتی۔ آمنے سامنے کی بات اس وقت ممکن ہے جب ہماری آواز کا پھیلاؤ بھی اتنا ہو جتنا ان کی آواز کا پھیلاؤ ہے۔ تب بات مزے کی ہے اور تبھی صحیح معنوں میں کوئی گفتگو ہو سکتی ہے۔ وہ ہم کو جنگلی کہتے ہیں' غیر مہذب کہتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان غیر مہذب ہیں۔ اس لیے کہ اپنی عورتوں کو چادریں اُوڑھاتے ہیں۔ چوں کہ ہم چادریں اُوڑھاتے ہیں لہٰذا ہم غیر مہذب ہیں۔ اگر برابر سے جواب دینے کا موقع ہو تو ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ

آپ غیر مہذب ہیں اس لیے کہ آپ اپنا تجارت کا مال بیچنے کے لیے عورت کے جسم کو ذریعہ بناتے ہیں، ہم چادر اُوڑھا کر عورت کی توہین نہیں کرتے۔ آپ اپنی تجارت کو چمکانے کے لیے بنام تہذیب اس کے جسم کی نمائش کر کے اس کے تقدس کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اس کی توہین کرتے ہیں۔ آپ کو موزے بیچنا ہیں تو آپ اس کے جسم کی نمائش کر رہے ہیں، آپ کو شرٹ بیچنا ہے تو آپ اس کے جسم کی نمائش کر رہے ہیں، آپ کو کاسمکس بیچنا ہے تو آپ اس کے جسم کی نمائش کر رہے ہیں اور اس پر پھر ضد یہ ہے کہ یہی جانِ تہذیب ہے، یہی روحِ تمدن ہے۔

مجھے اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے بھی یہی کہنا ہے کہ ہر چیز جو دور سے چمکتی دکھائی دے وہ سونا نہیں ہوتا ہے۔ ہمارے پاس اپنی تہذیب ہے، اپنا کلچر ہے، اپنا مذہب ہے، اپنے نظریات ہیں اور وہ ٹھوس اخلاقی، علمی اور مذہبی بنیادوں پر قائم ہیں آپ ان کے ساتھ قدم ملا کر چل نہ پائیں گے اس لیے کہ بات خالی چادر اُتار دینے کی نہیں ہے۔ اگر بات اس پر ختم ہو جائے تو پھر سوچیں، مگر بات چادر اُتار دینے پر ختم نہیں ہوتی۔ انھوں نے اپنے ساحلوں پر بنامِ تہذیب اس کے جسم کا ایک ایک تار اُتار لیا ہے، آپ کہاں تک چلیے گا اس کے ساتھ قدم ملا کر۔

عزیزانِ گرامی! فیصلہ کون کرے کہ جنگلی کون ہے؟ ہم جنگلی ہیں کہ اپنی عورتوں کو چادر پہناتے ہیں یا وہ جنگلی ہیں جو اپنی عورتوں کو ننگا گھماتے ہیں؟ فیصلہ کرنے والی تھرڈ پارٹی ہونی چاہیے جو جھگڑا کر رہا ہے وہ جج بھی ہو تو فیصلہ کبھی حق پر نہیں ہوگا۔ فیصلہ کرنے والی تھرڈ پارٹی ہونی چاہیے جو دونوں کو سن کر ایمان داری

سے فیصلہ کرے۔ یہاں دنیا دو حصوں میں بٹی ہے' مشرق، مغرب۔ فیصلہ کرنے کے لیے تیسری دنیا کہاں سے آئے؟ وہ کہتے ہیں ہم جنگلی ہیں یہ کہ چادریں اوڑھاتے ہیں' ہم کہتے ہیں کہ وہ جنگلی ہیں اس لیے کہ ننگا گھماتے ہیں' فیصلہ کرنے کے لیے جج آئے کہاں سے؟ جو نہ اِدھر سے تعلق رکھتا ہو' نہ اُدھر سے تعلق رکھتا ہو' میرے خیال میں تو جنگل میں چلیے جو جانوروں کا وطن ہے' اگر جانور چادریں اوڑھے گھوم رہے ہوں تو ہم جنگلی ہیں' اگر ننگے گھوم رہے ہوں تو آپ جنگلی ہیں (نعرۂ حیدری)۔

آیئے!

میں اپنے بچوں' نوجوانوں کو قرآن پاک کی ایک آیت سناتا ہوں اور اس کے بعد ذرا سی دیر بعد پھر دُہراؤں گا اس کو اور پھر سناؤں گا اور دو تین منٹ کے بعد سناؤں گا۔ ارشاد ہو رہا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۂ مبارکہ نحل: آیت ۹۷)

"تم میں جو بھی نیک عمل کرے وہ نیک عمل کرنے والا مردوں میں ہو یا عورتوں میں شرط یہ ہے کہ صاحبانِ ایمان ہو تو اللہ دنیا میں اس کو ایک پاک و پاکیزہ زندگی دیتا ہے اور آخرت میں جیسا عمل کیا اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔"

آج جب ہم یہ آیت سنتے ہیں تو ہم کو قطعاً یہ احساس نہیں ہوتا کہ کوئی انقلابی آواز ہے یا سن کر ہم اُچھل پڑیں یا ہمیں تعجب ہو یا ہم حیرت میں پڑ جائیں کہ یہ آواز ہم نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنی' ایسا کبھی محسوس نہیں ہوا اور میں نے جو آیت آپ کے سامنے پڑھ کر ترجمہ کیا تو یہاں مجمع پر بھی کوئی ردعمل خاص نہیں ہوا جیسا کہ ابھی آپ نے دیکھا لیکن آپ کو میں وہ تصویر دکھا دوں کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جس علاقے میں اسلام آیا تھا یعنی مکہ و مدینہ اور مکہ و مدینہ کے آس پاس کا علاقہ جہاں توحید کا نور چمکا' جہاں اسلام کی کرن پھوٹی' جہاں قرآن پاک نازل ہوا اور جو سرور کائنات ؐ کی تبلیغات کا خاص علاقہ تھا وہاں اسلام سے پہلے تین پڑوسی اور رہتے تھے جیسے کسی بستی میں تین گھر ہوں اور وہاں چوتھا آدمی بھی ایک گھر لے لے تو اس علاقے میں مکہ اور مدینہ کے آس پاس کے علاقے میں تین طرح کے لوگ آباد تھے: ایک اکثریت تھی اور دو اقلیت تھیں۔ اکثریت ان لوگوں کی تھی جو بت پرست تھے' بت پرست قومیں آباد تھیں جو مشرکین کے نام سے یاد کیے گئے' یہ اقلیت تھی اور زیادہ تر لوگ اس خیال کے تھے جو اس علاقے میں رہتے تھے' دو مذہبی اقلیتیں تھیں' ایک یہودی جو کہتے تھے کہ ہم آسمانی دین کو مانتے ہیں' بت پرست نہیں ہیں اور دوسرے عیسائی جو کہتے تھے کہ ہم بھی آسمانی دین کو مانتے ہیں اور پیغمبروں کے ماننے والے ہیں ہم بت پرست نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان دونوں حضرات نے ایک حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہہ کر اور ایک نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہہ کر اپنی توحید میں گڑبڑ کی تھی مگر بہرحال وہ

بت پرستی کے مرتکب تھے۔

یہ تین پڑوسی جو پہلے سے آباد تھے ان کے پاس عورتوں کے لیے کیا تصور تھا؟ بت پرست قومیں کہتی تھیں کہ لڑکی کا پیدا ہونا بڑی ذلت ہے اور رُسوائی ہے اور یہ دھبہ اسی صورت میں دھویا جا سکتا ہے جب پیدا ہوتے ہی اس کو زندہ دفن کر دیا جائے۔ یہ اس علاقے کے بت پرستوں کا خیال تھا۔

یہودی لوگ ایسی بات تو نہیں سوچتے تھے مگر ان کے مذہب میں سب سے بڑا مذہبی جرم وہ تھا جو تورات مقدس (جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی)، اگر کوئی بد بخت اس کو جلا دے تو اس سے بڑا کوئی مذہبی جرم نہیں ہے جو توات مقدس کو جلا دے لیکن ساتھ ہی ساتھ علما کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر بات یہ آ پڑے کہ تورات عورت کو پڑھائی جائے یا جلائی جائے تو ایسی صورت میں تورات کا جلا دینا ثواب ہے۔

اس زمانے میں اس علاقے میں جو عیسائی تھے ان کا تصور یہ تھا کہ عورت کتنی ہی نیک ہو، کتنی ہی اچھی ہو، کتنی ہی پاک صاف ہو، کتنے ہی اچھے اچھے کام کیے ہوں اس نے مگر وہ جنت میں نہیں جائے گی اور جنت کے دروازے اس کے لیے بند ہیں۔ کیوں بند ہیں؟

اس لیے کہ جنت سے حضرت آدمؑ کو نکلوانے والی یہ عورت ہے، لہٰذا عورت کا جنت میں جانا ناممکن ہے۔ اب میں آپ کو ایک منظر دکھانا چاہتا ہوں آپ تصور کی عینک سے دیکھیے!

کرسیاں لگی ہیں، عدالت لگی ہے، جج بیٹھے ہیں اور عورت پکڑ کر ملزمہ کی

حیثیت سے لائی جا رہی ہے۔ ایک نے کہا: اس کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے' پیدا ہوتے ہی دفن کر دو۔ دوسرے نے کہا: آسمانی کتاب کو جلا دو یہاں تک کہ اس کے کان میں نہ جائے۔ تیسرے نے کہا: یہ نیک ہو' اس سے ہمیں مطلب نہیں ہے' یہ جنت میں نہیں جائے گی اس کے لیے جنت کے دروازے بند ہیں۔ چوتھی آواز یہ ہے: تم میں جو بھی نیک عمل کرے چاہے مرد ہو' چاہے عورت اگر صاحب ایمان ہے تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی بھی دیں گے اور آخرت میں بہتر بدلہ بھی دیں گے۔ یہ انقلابی آواز!

عزیزان گرامی! اسلام نے عورتوں کو جو مرتبہ دیا' اسلام نے عورت کو جو عزت دی اور اسلام نے عورت کو جو حیثیت دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ عورت کی زندگی میں' اسلامی نکتہ نظر سے تین رُخ ہیں: وہ جس گھر میں بھی آتی ہے چاہے عالم کا گھر ہو چاہے جاہل کا گھر ہو' چاہے بادشاہ کا گھر ہو' چاہے فقیر کا گھر ہو بیٹی بن کر آتی ہے۔ یہ جس گھر میں آتی ہے بیٹی بن کر آتی ہے اور جیسے ہی کسی گھر میں آئی بیٹی بن کر تو کوئی کیا سوچتا ہے' کوئی کیا کہتا ہے یہ اس کا اپنا خیال ہے لیکن اسلام کا رسولؐ یہ فرماتا ہے:

اَلْبَنَاتُ رَحمَۃٌ

"بیٹیاں رحمت ہیں۔"

جس گھر میں لڑکی آئی رحمت آئی۔

دیکھیے! آپ کو مذہب کو سماج سے الگ کرنا پڑے گا۔

میرے دوستو! مذہب سماج کا قیدی ہے' نام مذہب کا ہے کنٹرول سماج کا ہے۔

اللہ نے ہم کو بیٹی دی تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں رحمت آئی ہے۔ لیکن ہمارے سماج نے رحمت کی ''ر'' پر ایک نقطہ لگا دیا۔ اُردو زبان میں اگر ''ر'' پر نقطہ لگا دیں تو ''ز'' بن جاتا ہے ''رحمت''، ''زحمت'' پڑھی جاتی ہے۔

سمجھے آپ! اب جب بیٹی بن کر آئی تو رحمت بن کر آئی۔ تھوڑے دن اس گھر میں رہی اور تھوڑے دنوں بعد اس گھر میں رہ کر اس گھر سے دوسرے گھر میں گئی اور دوسرے گھر دلہیز پر جو گئی تو زوجہ بن گئی یا دوسرے گھر میں داخل ہوئی تو زوجہ کی حیثیت سے' بیوی کی حیثیت سے داخل ہوئی اور جب بیوی کی حیثیت سے داخل ہوئی تو مذہب نے کہا کہ ہم تمہیں خدمت گار نہیں دے رہے ہیں بلکہ ہم تمہیں زندگی کا ساتھی دے رہے ہیں۔ زندگی میں برابر کا شریک دے رہے ہیں۔ اس کا احترام کرنا' اس کا خیال کرنا' اس کی عزت کرنا' اس کو تکلیف نہ پہنچانا۔

میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں!

دیکھیے! آپ میں سے جو تھوڑا دیہات کی زندگی سے واقف ہوں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ گیہوں جس کھیت میں بویا جاتا ہے اسی کھیت سے کاٹ کے کسان لے جاتا ہے لیکن دھان جس کھیت میں بویا جاتا ہے اس کھیت میں مکمل نہیں ہوتا۔ جب اتنے اتنے (چھوٹے چھوٹے) پودے ہو جاتے ہیں اس کے تو کسان اس کو نکال کر دوسرے کھیت میں بوتا ہے اور وہاں جا کر وہ مکمل ہوتا ہے۔

تو جناب مرد گیہوں کا پودا ہے جس گھر میں پیدا ہوتا ہے اس گھر میں مکمل ہوتا

ہے' عورت دھان کا پودا ہے اس گھر میں پیدا ہوتی ہے اُس گھر میں مکمل ہوتی ہے۔
اب یہ دوسرے گھر میں گئی تو معاشرہ اس کو نوکر بنا دے' معاشرہ اس کو خادمہ بنا دے وہ الگ بات ہے لیکن مذہب نے اس کو آپ کا کھانا پکانے کے لیے نہیں بھیجا ہے' مذہب نے اس کو آپ کے گھر کا کام کاج کرنے کے لیے نہیں بھیجا ہے۔
مذہب نے اس کو گھر کی ملکہ بنا کر بھیجا ہے' نوکرانی بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کی مجلس کے بعد کچھ لوگ مجھ سے ناراض ہو جائیں لیکن جو اسلام ہے وہ اپنی جگہ ہے اور جو معاشرہ ہے وہ اپنی جگہ ہے۔

دیکھیے! باہمی رضامندی سے کسی کا کام کوئی کر دے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ میں آپ کے دس کام کر دوں' آپ میرے پچاس کام کر دیں' اپنی خوشی سے قانوناً' اخلاقاً اور شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے لیکن آپ حکم دے کر مجھ سے کوئی کام نہیں لے سکتے' میں آپ کا غلام نہیں ہوں' آپ کا نوکر نہیں ہوں۔ اللہ نے نکاح کے دو بول کے ذریعے جو بیوی آپ کو دلوائی ہے آپ اس سے کھانا نہیں پکوا سکتے۔ اب باہمی رضامندی ہے جس سے وہ آپ کا کھانا پکا دے تو پکا دے' آپ زور نہیں دے سکتے کہ نہیں تم پکاؤ اس لیے کہ تم بیوی ہو اس لیے کہ اسلام نے پکا پکایا کھانا اس کو فراہم کیا ہے۔ آپ خود پکائیے اور خود رکھیے۔ سلا سلایا کپڑا یہ نہیں کہ سیو کپڑا اور پہنو۔

غور کیا آپ نے؟ آپ سب کے تعلقات اگر اچھے ہیں' کوئی بات نہیں ہے۔ کھانے' کپڑے کا بھی سن لیجیے معیار! شادی کے وقت باپ کے گھر میں جو

معیار ہے اس معیار کا کھانا ہو' باپ کے گھر میں جو معیار ہے اس معیار کا کپڑا ہو' تا کہ لوگ دولت کی لالچ میں شادی نہ کریں۔

اب سنیے! یہ دوسرے گھر میں آئی بیوی بن کر تو اسلام نے اس کو اتنے تحفظات دیے ہیں جن کا جواب نہیں ہے۔ اگر میں سب پڑھ دوں تو ہائے ہائے ہو جائے شہر میں' کل سے لوگ مجلس میں آنا چھوڑ دیں۔

اب یہ دوسرا گھر جس میں آئی یہ زوجہ بن کر' اسی گھر میں یہ اپنے کو پہنچتی ہے اس کی زندگی جس میں عروج پر پہنچتی ہے۔ کب؟ جب یہ ماں بن جاتی ہے' عورت جب ماں بن جائے۔

سنیں! وہ بیٹے سنیں جن کی مائیں زندہ ہیں ابھی!

عورت جب ماں بن جاتی ہے تو مظہر صفات پروردگار بن جاتی ہے یعنی اللہ کی ذات کی جھلکیاں اس میں دکھائی دینے لگ جاتی ہیں۔ خالق وہ' وسیلہ خلقت یہ ہے۔ رازق وہ ہے' وسیلہ رزق یہ ہے۔ رحیم و کریم وہ' مظہر رحم و کرم یہ ہے۔ رب وہ ہے' پالنے والی یہ ہے۔ متکلم وہ ہے' ایک ایک جملہ سکھانے والی یہ ہے (نعرۂ حیدری)۔

اب سمجھے آپ کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جو کہتے ہیں کہ جنت ہے تو کیوں کہتے ہیں؟ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

توجہ! ماں تین حرفوں کے مجموعے کا نام نہیں ہے۔ ماں ایک کردار ہے' رحم' کرم' مہربانی' پیار اور بخشش کا ایک ایسا سمندر ہے جس کا دوسرا کنارہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ کہاں ہے۔ یہ ماں ہے۔

آپ زندگی کو دیکھیے! اچھے لڑکوں کی بات نہیں ہے' بدمعاش لڑکے' خراب لڑکے' بدترین لڑکے' ایسا لڑکا جس کا کوئی روادار نہیں۔

عزیزوں نے کہا: بھئی! یہاں پر نہ آیا کرو۔ پڑوسیوں نے کہا: بھئی! ہمارے دروازے پر نہ کھڑا ہوا کرو۔ سگے بہن بھائیوں نے کہا: ہم سے ان کو مطلب نہیں ہے ہم سارے تعلقات ختم کر چکے ہیں کوئی اس کی شکایت ہمارے پاس لے کر نہ آئے۔ باپ نے بھی کہا: صورت نہ دکھائی دے ورنہ گولی ماردوں گا۔

پولیس بھی تلاش میں ہے' قانون بھی تاک میں ہے کہ کہاں ہے۔ معاشرہ کو بھی نفرت' مذہب کو بھی نفرت' قانون کو بھی نفرت لیکن ماں پھر بھی کلیجے سے لگائے ہوئے ہے۔ چپکے چپکے پیسے بھی دے رہی ہے' چپکے چپکے کھانا بھی کھلا رہی ہے اور اس کے جرم کی طرف سے دفاع بھی کر رہی ہے۔ نہیں وہ دل کا بُرا نہیں ہے' وہ جب سے فلاں لڑکے کے ساتھ ہوا ہے تب سے بگڑ گیا ہے' پہلے بہت اچھا تھا' پہلے بڑا نیک تھا۔

سمجھے آپ! یہ سب ہو رہا ہے۔ یقین مانیے کہ اگر پانچ منٹ کے لیے آ کر بیٹھ جائے' جو جھوٹے سچے آنسو بہائے کہ اماں! اب میں نے سب برائیاں چھوڑ دی ہیں اب میں نیک ہو گیا ہوں۔ پانچ منٹ میں ماں کلیجے سے لگا لے گی۔ باپ کو راضی ہونے میں کئی ہفتے لگ جائیں گے۔ بہن بھائی کئی مہینے انتظار کریں گے اور دور کے عزیز اور پڑوسی تو کئی برس دیکھیں گے کہ اس میں بھی اس کی کوئی چال تو نہیں ہے' کوئی فریب تو نہیں ہے' یہ اب کوئی لمبا داؤ تو نہیں کھیلنے والا ہے۔ لیکن

ماں پانچ منٹ میں کلیجے سے لگالے گی۔

عزیزانِ گرامی! اس ماں کا دل بھی کسی نے بنایا ہے۔ اگر اللہ کو پہچاننا ہے تو ان علما کی تقریروں سے نہ پہچانیے جو رحمت سے مایوس کرتے ہیں ماں کو دیکھیے اور اللہ کو پہچانیے۔ جب ماں ایسی ہے تو اللہ کیسا ہوگا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی! لوگ کہتے ہیں عورت محکوم ہے' مرد کی تابع دار ہے۔ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے' پتا نہیں کہاں کی عورت آپ نے دیکھی ہے۔ قرآن و حدیث کے سائے میں جو عورت ہے اس کو دیکھیے آپ' معاشرہ کی قیدی جو عورت ہے اسے نہ دیکھیے' افغانستان کے قبائلی نظام میں جو جکڑی ہوئی عورتیں انھیں نہ دیکھیے' شہنشاہوں کے محلات میں جو قیدی عورتیں ہیں ان کو نہ دیکھیے۔ آپ اسلام کی آزاد عورت کو دیکھیے تو سمجھ میں آئے گا کہ اسلام کی زندگی شروع ہوتی ہے بیٹی کی حیثیت سے' پروان چڑھتی ہے زوجہ کی حیثیت سے اور عروج پاتی ہے ماں کی حیثیت سے۔ اس کی زندگی کے تین دور ہیں:

① بیٹی ② بیوی ③ ماں

توجہ! جب بیٹی ہے تو باپ کی محکوم ہے' جب بیوی ہے تو شوہر کی برابر کی شریک ہے اور جب ماں ہے تو بیٹے پر حاکم ہے۔ عورت مرد کی محکوم بھی ہے' عورت مرد کی حاکم بھی ہے دونوں حیثیتیں ہیں۔

اب معاشرہ نے عورت کو بوجھل بنایا ہے شادی میں خرچ کر کے' ذمہ داریاں ڈال کر' تعلیم نہ دے کر' شک و شبہ پیدا کر کے تو اس کا ذمہ دار اسلام نہیں

ہے اس کا ذمہ دار معاشرہ ہے اس کا ذمہ دار سماج ہے اس کی ذمہ دار بادشاہتیں ہیں اس کی ذمہ دار شہنشاہتیں ہیں ورنہ عورت کی زندگی میں تین حصے ہیں اور عورت زندگی کو کنٹرول کرتی ہے کبھی ماں بن کر کبھی بیوی بن کر کبھی بیٹی بن کر یہ عورت کے تین روپ ہیں جو وہ زندگی کو کنٹرول کرتی ہے:

(۱) ماں (۲) بیوی (۳) بیٹی

عورت کی زندگی شروع ہوتی ہے کہاں سے؟

بیٹی...... پھر بیوی...... پھر ماں۔

ہم اِدھر سے چلے تو ہمیں سب سے پہلے ماں ملتی ہے پھر بیوی ملتی ہے پھر بیٹی ملتی ہے۔ کسی کو پیدا ہوتے ہی بیٹی کی شکل دکھائی نہیں دیتی ہے پیدا ہو کر جس عورت کو ہم نے دیکھا وہ ماں تھیں۔ اس کے بعد دوسری عورت جو دیکھی وہ بیوی تھی۔ اس کے بعد تیسری عورت جو ملی تو وہ بیٹی تھی۔

عورت زندگی کو کنٹرول کرتی ہے کبھی ماں بن کر کبھی زوجہ بن کر اور کبھی بیٹی بن کر۔ پوری کائنات کے لیے اللہ نے رسولؐ کی بیٹی کو نمونہ بنایا تھا۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ساری دنیا کی عورتوں کے لیے نمونہ تھیں۔ اللہ نے ایک دن چادرِ تطہیر میں بلا کر ان کی تینوں حیثیتیں نکھار کر واضح کر دیں۔

ھُم فَاطِمَۃُ وَ اَبُوھَا وَ بَعلُھَا وَ بَنُوھَا

"وہ فاطمہؑ ہیں، اُن کا باپ ہے، اُن کا شوہر ہے اور اُن کے بیٹے ہیں۔"

یعنی جب چادرِ تطہیر میں سیدہؑ آئیں تو بیٹی کی حیثیت سے بھی تھیں، زوجہ کی حیثیت سے بھی تھیں اور ماں کی حیثیت سے بھی تھیں۔ ایسا مرتبہ تھا کہ جو کائنات میں کسی دوسری عورت کو نہیں ملا۔

کون سا؟ معصومؑ کی بیٹی تھیں، معصومؑ کی زوجہ تھیں اور معصومینؑ کی ماں تھیں (نعرۂ حیدری)۔

توجہ! اگر آپ کو بیٹی کی حیثیت میں دیکھنا ہے تو بیٹی کا بہترین نمونہ فاطمہ زہراؑ ہیں، اگر آپ کو زوجہ کی حیثیت سے دیکھنا ہے تو زوجہ کا بہترین نمونہ فاطمہ زہراؑ ہیں اور اگر ماں کی حیثیت سے دیکھنا ہے تو ماں کا بہترین نمونہ فاطمہ زہراؑ ہیں (صلوات)۔

غور فرمایا آپ نے؟

یہ تین حیثیتیں ہیں۔ اب سنیے! عورت کی زندگی میں ایک دور یہ بھی ہے کہ وہ ماں بنے مگر بہت سی عورتیں ایسی ہیں جن کا بیچاریوں کا کوئی قصور نہیں ہے مگر ماں نہیں بنیں مثلاً شادی نہیں ہوئی، کوئی کفو نہیں ملا، ان کا کوئی قصور نہیں، ماں نہیں بنیں۔ شادی ہوئی، دعا بھی ہوئی، دوا بھی ہوئی سب کچھ ہوا مگر اولاد نہیں دی اللہ نے۔ سینکڑوں مثالیں ہر خاندان میں، ہر قبیلے میں ملیں گی آپ کو نہیں ملی اولاد۔ اس عورت کا کوئی قصور بھی نہیں ہے لیکن دُکھی تو ہے یہ، اس کو دوہرے دُکھ ہیں ایک تو اس لیے کہ ماں نہیں بنی اور دوسرا دُکھ یہ ہے کہ اس کی زندگی اس دور سے محروم رہ گئی جس دور میں ماں بن کر سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر عورت

ماں ہو۔ ہو سکتا ہے کہ عورت ہو مگر ماں نہ ہو۔ ہے کسی مذہب کے پاس، کسی فلسفے کے پاس، کسی فکر کے پاس اس غم زدہ اور دُکھ درد عورت کا علاج؟

عزیزانِ گرامی! میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی کے پاس اس بیماری کا علاج ہو لیکن وہی بی بیؑ جس کو ساری دنیا کے لیے نمونہ بنایا تھا اس نے اس کا بھی دُکھ درد بتایا۔ اس لیے کہ عورت جب ماں بنتی ہے تو ماں کا جو جوہر ہے وہ محبت ہے، جو اپنی اولاد کو دیتی ہے وہ ماں نہ ہوتے ہوئے بھی ماں کہی جائے گی۔ یہ اور بات ہے کہ فاطمہ زہراؑ، حسنؑ و حسینؑ اور حضرت زینبؑ و اُمّ کلثومؑ کی ماں بنیں مگر ماں بننے سے پہلے اپنے باپ کو اتنی محبت دی کہ باپؐ نے کہا کون کہتا ہے یہ بیٹی ہے:

فِی اُمُّ اَبِیْهَا

"یہ تو اپنے باپ کی ماں ہے۔"

عزیزانِ گرامی!

یہ خطابت نہیں ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ یہ اصلیت ہے جو پڑھ رہا ہوں تاکہ اسلام کے متعلق جو غلط تصور دماغوں میں ہیں وہ دُھل جائیں۔ عورت ماں بن کر زندگی کنٹرول کرتی ہے۔ عورت بیوی بن کر زندگی کنٹرول کرتی ہے۔ زندگی کا کنٹرول مرد کے ہاتھ میں نہیں ہے، عورت کے ہاتھ میں ہے۔ اگر زندگی کار ہے تو ڈرائیور عورت ہے، اگر زندگی جہاز ہے تو پائلٹ عورت ہے۔

میں آپ کو مثالیں دے دوں بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی! ہم پیدا ہوئے تو ایک عورت نے ہم کو جنم دیا۔ مدتوں وہی عورت نہلاتی رہی، منہ دُھلاتی

رہی، کھانا کھلاتی رہی، کپڑے بدلواتی رہی، ہم بڑے ہوتے رہے، خدمتیں اس کی جاری رہیں، منہ خود سے دھونے لگے مگر نہلاتی وہ رہی۔ کپڑے خود سے پہنتے رہے مگر سلائی وہ کرتی رہی۔ کھانا اپنے ہاتھ سے کھانے لگے مگر پکاتی وہ رہی۔ ہمارے مزاج پر، ہمارے دماغ پر، ہماری زبان پر، ہماری تہذیب پر اس عورت کی چھاپ۔ جب مردم شماری ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اپنی مادری زبان اُردو لکھوایئے گا۔ انھوں نے کہا کہ جی بجز لکھوائیں گے، کہا پوری زبان کیا لکھوائیں؟

کہنے لگے: پدری زبان کا کوئی خانہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ہر آدمی کے منہ وہ زبان ہے جو اس کی ماں بولتی ہے۔

اب جناب! بیس برس، پچیس برس، چھبیس برس، اٹھائیس برس، تیس برس اس عورت نے خدمت کی۔ خوب خدمت کی، اب تھک گئی۔ کہاں تک خدمت کرے اب اس میں دم نہیں ہے، اب اس کی آنکھوں میں وہ روشنی نہیں ہے کہ شیروانی کا بٹن لگا دے، اب اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ سویرے چار بجے اُٹھ کر ہمیں ناشتا تیار کر دے کہ پانچ بجے ہماری ٹرین ہے۔

اب جناب! یہ اِدھر گئی، اُدھر گئی، محرم میں گئی، میلاد میں گئی، خوشی میں گئی، غمی میں گئی۔ دیکھ بھال کے ایک عورت اور کہیں سے پکڑ کر لے آئی۔ اب اس پرانی عورت نے ہماری زندگی کا چارج نئی عورت کو دے دیا۔ یہ ایسے ہے جیسے لمبی مسافت کی ٹرین کا ڈرائیور بدل گیا۔ اب دوسری عورت آ گئی۔ اب یہ پہلی والی ریٹائرڈ ہو گئی۔ اب دوسری عورت لے کر چل رہی ہے۔ اب اگر یہ خیال کرنے

والی ہے تو دور دور کے عزیزوں سے' رشتہ داروں سے اور دوستوں سے تعلقات ٹھیک ہو جائیں گے اور اگر چالاک ہے' ملنا جلنا پسند نہیں کرتی ہے تو پڑوس میں سگے بہن بھائی رہیں گے لیکن مہینوں جانے کا موقع نہیں ملے گا اور جب ملاقات ہو گی تو او جی! کیا بتائیں' موقع نہیں ملتا۔ بس کیا بتائیں' کیا بتائیں کیسے جائیے' بتا کچھ نہ پایئے گا۔

جی! یہ ہے معاملہ! اب یہ ایمان دار کو بے ایمان بنا دے اور بے ایمان کو ایمان دار بنا دے۔ اچھے کو بُرا کر دے' بُرے کو اچھا کر دے۔ جو چاہے کرے' جتنی ہنگامہ خیز زندگی تھی اس نے ساتھ دیا اب یہ بھی تھک گئی۔ اب اس کے بھی سارے جسم میں درد ہوتا ہے۔ اب یہ آپ کے دوستوں کے لیے کھانا تیار نہیں کر سکتی۔ اب یہ آپ کی دیکھ بھال اس طرح نہیں کر سکتی۔

ایک دن کہا: بھئی! آج ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ اب وہ لیٹی ہوئی ہے اوڑھے ہوئے چادر' وہ آپ کھایئے نہ کھایئے اس سے بحث نہیں بہت پکا چکی' بہت کھلا چکی۔ کہا: کیوں نہیں کھائیں گے؟ کہا: دانت میں بہت درد ہے آج کھانا نہیں کھا سکتے۔ اب جناب اسی گھر کے کسی کمرے سے ایک تیسری عورت کی آواز آتی ہے: ابا! بھوکے نہ سویئے ہم آپ کے لیے بالکل پتلی کھیر پکا دیں گے' چمچے سے کھا لیجیے گا' دانت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

یہ تیسری عورت ہے۔ اب اگر یہ خیال کرنے والی ہے تو بڑھاپا خیریت سے گزرے گا ورنہ آخر وقت میں بربادیاں ہیں۔ اب زندگی میں کوئی چوتھی عورت

نہیں آئے گی۔ بس حوریں آ کر لے جائیں گی اور چلے جائیں گے۔ اب زندگی میں کسی چوتھی عورت کی اُمید نہ کیجیے گا۔

عورت ماں ہے' عورت بیوی ہے' عورت بیٹی ہے۔

موضوع آج ناتمام رہ جائے گا کل بڑھے گا آگے لیکن جلدی جلدی سن لیجیے! دلیلیں آج سنا دوں باقی کل سناؤں گا!

عورت ماں بن کر اثر انداز ہوتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ انتہا یہ ہے کہ جس بیٹے کا باپ شیر خدا' حیدر کرار علی مرتضیٰؑ ہو اس پر بھی ماں کا اثر ہوتا ہے اور اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو علیؑ نے اپنے بھائی عقیلؑ سے کیوں کہا تھا کہ بہادر گھرانہ بتایئے جہاں میں شادی کروں۔

کیا بیٹے کو بہادر بنانے کے لیے خونِ شیر خدا کی گرمی کچھ کم تھی جو شیر مادر کی تاثیر بھی طلب کی گئی۔ مولا علی علیہ السلام نے فرمایا تھا چونتیس برس کے بعد اس کی دلیل ہم نے آنکھوں سے دیکھی کہ اگر لاکھوں کے نرغے سے فرات چھیننا باپ کے خون کی تاثیر تھی تو چونتیس برس کے جوان کا پیاسا نکل آنا ماں کی تربیت کا اثر تھا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ محترم! عورت ماں بن کر اثر انداز ہوتی ہے۔ اب سنیے کہ عورت بیوی بن کر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ بھی آپ کا سنا ہوا واقعہ ہے۔

حضرت زہیر بن قینؓ جو انصار امامؑ میں سے ہیں اور بڑا مرتبہ ہے۔ حضرتؑ کے کربلا میں پہنچنے سے کچھ دن پہلے تک' جب حضرتؑ کا قافلہ راستے

میں تھا یہ دوسری پارٹی میں تھے۔ قافلہ ساتھ چل رہا تھا مگر چوں کہ اب مخالفین میں تھے لہٰذا نہ امامؑ کے خیمے کے پاس خیمہ لگاتے تھے نہ امامؑ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ایک منزل پر کسی کو بھیج کر یا بہ روایت حضرت علی اکبرؑ کو بھیج کر ان کو بلایا۔ وہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ پیغام آیا' جانے میں ہچکچا رہے تھے۔

بیوی نے کہا: بڑے شرم کی بات ہے کہ جس کا کلمہ پڑھتے ہو اس کا نواسا بلا رہا ہے' جس کی اُمت میں ہو تم اس کا نواسا بلا رہا ہے اور تم سوچ رہے ہو کہ جاؤں کہ نہ جاؤں۔ ارے! جاؤ دیکھو کیا فرماتے ہیں۔ بیوی کے بھیجنے پر آئے۔

روایت میں ہے کہ جب حاضر ہوئے تو امامؑ ہاتھ پکڑ کر خیمے کے پیچھے لے گئے۔ دو منٹ کچھ بات کی وہاں سے پلٹے تو معلوم ہوا کہ جیسے امامؑ نے آدمی بدل دیا۔ اب وہ زہیرؓ ہی نہیں تھے' دوسرے زہیرؓ تھے۔

اب آپ بتائیے! ظلمت سے نور میں لانے والی' دوزخ سے جنت میں پہنچانے والی' یزیدی کو حسینی بنا دینے والی بیوی ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ بیوی کا کیا اثر سنیں گے۔

آیئے تیسری دلیل سنیے! اس سے بڑھ کر نہ دلیل ہے اور اس سے بڑھ کر نہ لوگ ہیں میرے پاس۔

عورت بیٹی بن کر اثر انداز ہوتی ہے۔ سرکار دو عالمؐ فرماتے ہیں:

"جب میں غم زدہ اُمت کا ستایا گھر میں آتا تھا تو فاطمہؑ کا چہرہ دیکھ کر جوشِ تبلیغ پیدا ہوتا تھا"۔

میں کہوں گا: یارسولؐ اللہ! بیٹی کے چہرے سے جوشِ تبلیغ کا کیا رشتہ؟

ممکن ہے جواب دیں: تجھے کیا خبر' فاطمہؑ کے معصوم چہرے میں چھپی ہوئی نسل امامت زبانِ حال سے کہتی تھی: بابا! دین پہنچا دیجئے' بچانا میرا ذمہ ہے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی! یہ ہے عورت کا کردار۔ یہ تین زمانے ہیں اس کی زندگی میں: وہ بیٹی ہے' وہ بیوی ہے' وہ ماں ہے۔ ایک کردار اور بھی ہے مگر وہ مددگار کا ہے اور وہ ہے بہن۔ یہ دوسرے درجے میں ہے۔ میں نے دوسرے درجے میں نہیں رکھا بلکہ جو میراث کی تقسیم ہے اس میں پہلے طبقے میں ماں ہے' بیٹی ہے' دوسرے طبقے میں بہن ہے۔ لیکن بہن کے کردار میں ایک خوبی ہے جو نہ ماں کے کردار میں ہے' نہ بیٹی کے کردار میں ہے' نہ بیوی کے کردار میں ہے۔ انسان کی زندگی کے تین دور ہیں:

① بچپن ② جوانی ③ بڑھاپا

تین عورتیں ہیں: ایک ایک دور ایک ایک کے نام ہے' بچپن ماں کے نام' جوانی بیوی کے نام' بڑھاپا بیٹی کے نام۔

بہن مددگار ہے یہ کبھی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ بھائی کہتا ہے کہ ویسے وہ کہنے کو بہن ہے مگر ہماری ماں کی طرح ہے۔ انھوں نے ہمیں پالا ہے۔ نہلاتی وہی تھی' دھلاتی وہی تھی' کپڑے وہی پہناتی تھی' سکول وہی بھیجتی تھی۔ ہم رات کو سوتے انھیں کے پاس تھے۔ کہنے کو بہن ہے مگر ماں کی طرح ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بھائی دو برس بڑا ہے بہن چھوٹی ہے یا بہن دو برس بڑی ہے بھائی چھوٹا ہے تو

زندگی میں بھائی کے لیے بہن کبھی کبھی نخلستان بن جاتی ہے اور کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ بہن کہتی ہے کہ بھائی صاحب کہنے کو بھائی ہیں ، ورنہ ہم تو ان کو باپ سمجھتے ہیں۔ ابا تو ہمارے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ ہمارے بھائی نے ہمیں پالا' بھائی نے ہمیں پڑھایا' بھائی نے ہمیں لکھایا' انھوں نے ہماری شادی کی' انھی کی اُنگلی پکڑ کر ہم باہر جاتے تھے' بھائی ہمارے باپ جیسے ہیں۔

ہر خاندان میں آپ کو ایسی مثالیں ملیں گی کہ بہن مددگار ہے۔ کبھی ماں کے ساتھ رہ کر مدد کرتی ہے' کبھی بیوی کے ساتھ رہ کر مدد کرتی ہے اور کبھی بیٹی کے ساتھ رہ کر مدد کرتی ہے۔

## ذِکرِ مصائب: کربلا کی بہنؑ

عزیزانِ گرامی! فاطمہ زہراؑ نے اپنی زندگی کے تین رُخ کائنات کو پیش کیے مگر مصلحت پروردگار تھی اپنے حبیبؐ کو اس نے بیٹے دیے مگر بچپن میں لے لیے۔ فاطمہؑ کی زندگی کے اس رُخ کی تکمیل فاطمہؑ کی بیٹی نے کی کہ اگر بہن کی حیثیت سے دیکھنا ہے تو زینب کبریٰؑ کو دیکھ لو۔

خدا کی قسم! حضرت زینبؑ نے بہن کی زندگی کی وہ مثال پیش کی جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ تھی تو حسینؑ سے چھوٹی مگر چوں کہ وہ فاطمہؑ کے بعد فاطمہؑ تھیں لہٰذا بھائی کو اس طرح چاہا جیسے ماں چاہتی ہے اور جب حسینؑ نے سفر غربت اختیار کیا تو بہن ہر منزل پر بھائی کے ساتھ رہی۔ جب حسینؑ مدینے سے

چلے تو زینبؑ ساتھ تھی۔ جب حسینؑ مکہ سے چلے تو زینبؑ ساتھ تھی۔ جب کربلا میں تین دن کی بھوک و پیاس آئی تو اگر مردوں کو حسینؑ نے سنبھالا تو عورتوں کو زینبؑ نے سنبھالا اور جب حسینؑ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے تو علی اکبرؑ کی لاش لانے میں زینبؑ شریک تھی۔

عزیزانِ گرامی! اس کے بعد جب حسینؑ خیمے سے چلے تو ہمیشہ یہ ہوا کہ جب خیمے سے باہر نکلے تو عباسؑ نے ایک ہاتھ تھام کر سوار کیا مگر جب رُخصت آخر کو آئے تو عباسؑ نہیں تھے۔ عباسؑ کی نیابت زینبؑ نے کی اور جب حسینؑ دنیا سے چل بسے تو ذمہ داریاں بڑھ گئیں، سید سجادؑ کو جلتی قنات سے نکالنے والی زینبؑ ہے، سکینہؑ کو شامِ غریباں میں ڈھونڈ کر لانے والی زینبؑ ہے، بے کس سیدانیوں کو تسلی دینے والی زینبؑ ہے۔

عزیزانِ گرامی! یہ مجلسیں جو آپ کی ہو رہی ہیں ان کی بنیاد رکھنے والی بھی زینبؑ ہے۔ زینبؑ نے قید سے رہائی نہیں پائی، زینبؑ نے سال بھر کے بعد اپنی رہائی جیتی۔

بھلا یزید اور رہا کرے گا؟ اَستَغفِرُاللّٰہ

سکینہؑ کی طرح ساری سیدانیاں گھٹ کر مر جاتیں، یزید رہا نہ کرتا، سمجھ گیا کہ اب قید خانے کی دیواریں صبرِ زینبؑ توڑ دے گا۔ یہ میں عقیدت میں نہیں پڑھ رہا ہوں بلکہ دلیل ہے میرے پاس!

دلیل سنیے! زینبؑ اگر رہا ہوئی ہوتیں تو جو کسی قید سے رہا ہوتا ہے ظالم کی

قید سے تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جتنا جلدی ہو چلا جائے۔ اگر زینبؑ رہا ہوئی ہوتیں اور سید سجادؑ پوچھنے آتے کہ پھوپھی اماں کیا کہتی ہیں؟ تو فرماتیں: بیٹا جلدی ناقے بلاؤ اور جتنا جلدی ہو سکے نکل چلو یہاں سے، دو تین منزلوں تک چلے چلو اس کے بعد ٹھہریں گے، ابھی نہیں۔

دیکھیے! یہ قیدیوں کی حالت ہوتی ہے مگر جو فاتح ہوتا ہے وہ رُکتا ہے، اپنا انتظام مضبوط کرتا ہے۔ اس کے بعد جاتا ہے۔ زینبؑ فاتح شام تھیں۔

فرمایا: بیٹا! میں یہاں رہوں گی نہیں مگر ابھی جاؤں گی بھی نہیں، میں ابھی اپنے بھائی پر روئی نہیں ہوں، یزید سے کہو کہ ایک گھر خالی کرے وہاں بیٹھ کر ہم روئیں گے۔

عزیزانِ گرامی! جب کسی شہر میں فاتح ٹھہرا ہوتا ہے تو مفتوح سے، ہارنے والے سے اپنے مطالبات منواتا ہے، اپنی شرائط منواتا ہے اور مفتوح اتنا ٹوٹ چکا ہوتا ہے کہ انکار نہیں کر سکتا۔ زینبؑ فاتح شام ہے۔

فرمایا: بیٹا! میں ابھی جاؤں گی نہیں یزید کو کہو کہ وہ ایک گھر خالی کرائے وہاں بیٹھ کر ہم روئیں گے۔ اب یزید یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں نہ رو، راستے میں رو لینا، کربلا میں رو لینا، مدینہ جا کر رو لینا۔

نہیں! یہیں روئیں گے۔

بس! گھر خالی ہوا، سیدانیوںؑ کو لیے ہوئے زینبؑ آئیں۔ روایت میں تو یہ ہے کہ سیدانیاںؑ آٹھ دن روتی رہیں۔ یہ مجلسیں اسی کی دین ہیں جو رو رہی ہیں۔

بس عزیزانِ گرامی! میں نے مجلس تمام کی!

روایت میں، مَیں نے بس اتنا پڑھا کہ سیدانیاںؑ آٹھ دن روتی رہیں۔
روایت کی پڑھی ہوئی بات نہیں کہہ رہا ہوں میرا دل کہتا ہے کہ جب اس گھر میں زینبؑ آئی ہوں گی جو رونے کے لیے خالی ہوا تھا تو حسینؑ پر رونے سے پہلے آواز دی ہوگی: سکینہؑ! بی بی! آ کر اپنے بابا پر رو لو اب کوئی تمانچے نہیں لگائے گا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

# مجلسِ ہفتم
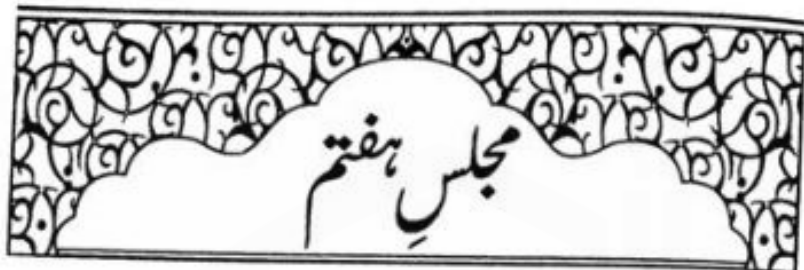
موضوع: اسلام اور عورت (حصہ دوم)

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آل عمران: آیت ۱۹)

خداوندِ عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

عزیزانِ محترم! سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔ کل جو گفتگو ہمارے آپ کے درمیان ہو رہی تھی وہ وقت کے تمام ہو جانے سے ناتمام رہی۔

اسلام میں عورت کا معیار کیا اور اسلام نے عورت کو کتنی عزت دی ہے؟ ہمارے آپ کے درمیان یہ گفتگو تھی اور اس سلسلے میں، مَیں نے یہ عرض کیا تھا کہ عورت کی زندگی کے تین رُخ ہیں:

① بیٹی ② زوجہ ③ ماں

اصل مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کے سلسلے میں سوسائٹی، سماج، رسم و رواج اور دستور یہ ہمیشہ آگے آئے اور مذہب ہمیشہ پیچھے رہا۔ دستورِ دنیا یہ ہے اور دستورِ کائنات یہ ہے کہ طاقت ور کم زور سے اپنی غلامی کرانا چاہتا ہے۔ یہ ہے دنیا کا مزاج کہ طاقت ور یہ چاہتا ہے کہ کم زور اسے سلام کرے۔ طاقت ور یہ چاہتا ہے

کہ کم زور اسے بڑا مانے۔ زندگی کے سفر میں عورت کم زور ساتھی ہے' مرد طاقت ور ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں کی اس کم زوری سے فائدہ اُٹھا کر ان کے حقوق چھینے اور الزام رکھا مذہب کے سر۔ یہ موضوع اگر ہو سکا تو میں آگے کی مجالس میں واضح کروں گا کہ مذہب معصوم ہے۔ مذہب کو ملوکیت نے' سوسائٹی نے' رسم و رواج نے مذہب کو ستایا اور مذہب پر ظلم کیا۔ جب آپ کا کام بگڑا تو آپ نے الزام مذہب کے سر پر ڈال دیا اور جب آپ کا کام بن گیا تو آپ لطف اُٹھانے لگے۔

سماجی معاملے ہوں' سوشل معاملے ہوں' سیاسی معاملے ہوں جتنے معاملے ہوں وہ جیسے ایک مثال ہے ہر کام ملا کے سر ڈال دو۔ اسی طرح ہر معاملہ مذہب کے سر ڈال دیا۔ عورتوں کے سلسلے میں یہ مسائل بڑے اہم ہیں۔ ان پر سماج نے ظلم کیے ہیں جب کہ مذہب نے ان کی حمایت کی۔ مذہب ہو یا قانون دونوں کی فکر یہ ہوتی ہے کہ کم زور کو سہارا دے' طاقت ور کے لیے نہیں ہے' طاقت ور تو اپنا قانون خود بنانا چاہتا ہے۔ طاقت ور تو ظلم کرتا ہے۔ اس ظلم سے بچانے کے واسطے مذہب بھی سامنے آتا ہے۔ اسی ظلم سے بچانے کے واسطے قانون بھی سامنے آتا ہے۔

بہت سے معاملے ہیں ایسے کہ جن کا تعلق سماج سے ہے مگر الزام مذہب پر ہے۔

ابھی ڈیڑھ برس پہلے کی بات ہے کہ ایک بوڑھا عرب آیا ہے اور اس نے دو لڑکیوں سے شادی کی۔ سولہ سولہ برس کی لڑکیاں تھیں اور اسی (۸۰) برس کا بوڑھا عرب تھا۔ تھوڑے دنوں شادی کر کے وہ غائب ہو گیا۔ میڈیا پر وہ خبر شائع ہوئی۔

انھوں نے اس کو نمایاں کرنا شروع کیا۔ الزام اسلام پر آیا۔

ارے بھئی! سولہ برس کی لڑکی سے ایک اسّی (۸۰) برس کے بوڑھے کی شادی کرا دیتا ہے مذہب' کوئی بات ہے کرنے والی۔ ہم کو اس ٹیلی ویژن والوں نے بلایا تو ہم نے جب وہاں جا کر بات کی تو لوگوں کی سمجھ میں آیا۔ ہم نے کہا: اس کا تعلق مذہب سے ہے ہی نہیں اور اسلام کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اس لیے کہ اسلام میں پیش کش لڑکے کی طرف سے نہیں ہے لڑکی کی طرف سے ہے۔ آپ سولہ برس کی لڑکی سے پوچھیے جا کر کہ تُو نے اس اسّی (۸۰) برس کے بوڑھے کو پیش کش کیوں کی؟

اس نے کہا: میں کیا کروں میں تو سماج کی قیدی تھی مجھ سے میرے باپ نے' ماں نے' چچا نے' پھوپھی نے' ماموں نے' خالہ نے' بھائی نے' بہن نے دباؤ ڈالا میں نے ہاں کر دی۔ اب ان سے پوچھیے کہ تم نے کاہے کو دباؤ ڈالا تو انھوں نے کہا: بھوکے مر رہے تھے وہ عرب سے آیا تھا پیسے والا تھا سوچا یہ بھی فاقوں سے نجات پائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس کے سہارے ہم بھی کہیں لگ جائیں وہاں' تو ہمارے بھی حالات بدل جائیں۔

اپنے حالات خراب ہونے کی وجہ سے انھوں نے اپنی لڑکی بیچ دی۔ اس کے بعد عرب غائب ہو گیا۔ اب لوگوں نے الزام پر الزام لگانا شروع کر دیا۔ میں نے کہا: یہ اسلام کا تو مسئلہ ہی نہیں ہے یہ سماجی مسئلہ ہے۔ آپ سوسائٹی سے غربت کو دور کیجیے خود بہ خود غائب ہو جائے یہ بات۔

عزیزانِ گرامی! شادی و بیاہ میں بھی ایسے ہی ہوتا ہے۔ لڑکیوں کی جو شادی اسلامی ہے۔

دیکھیے! سماجی شادی کی بات میں نہیں کرتا ہوں جو اسلامی شادی ہے اس میں لڑکی کا باپ ایک پیسہ خرچ کیے بغیر عزت کے ساتھ لڑکی کو اپنے شوہر کے گھر بھیج سکتا ہے بالکل اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے۔ اس لیے کہ اسلامی شادی میں دو خرچے ہیں:

① واجب ہے' جس کا کرنا فرض ہے' ضروری ہے۔

② مستحب ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کرو گے تو ثواب ہے نہ کرو گے تو کوئی عذاب نہیں ہے' کوئی گناہ نہیں ہے۔

اسلامی شادی میں دو خرچے ہیں:

① واجب ② مستحب

واجب خرچے کا نام ہے مہر اور مستحب خرچے کا نام ہے ولیمہ۔ دونوں خرچے لڑکے والوں پر ہیں لڑکی والوں پر نہیں ہیں۔ مہر بھی لڑکے والوں پر ہے اور ولیمہ بھی لڑکے والوں پر ہے۔ لڑکی والوں کو مہر دینا ہے' نہ ولیمہ دینا ہے۔ یہ ایک رواج ہے جو اسلام نے جائز رکھا ہے کہ لڑکی کو جہیز دیا جائے لیکن جہیز دینا واجب نہیں ہے۔ لیکن سماج نے یہ کیا کہ جہیز کو واجب کر دیا اور مہر کو قرض کر دیا۔ جو کم زور کا حصہ تھا وہ قرض ہو گیا جو مضبوط کا حصہ تھا وہ نقد رہا ہے۔ رسولؐ نے جب اپنی بیٹی کی شادی کی۔

سنیے! دنیا میں کسی بادشاہ، کسی سلطان، کسی شہنشاہ، کسی تاجر اور کسی بڑے آدمی کی شادی نمونہ نہیں بنے گی۔ اسلام میں اللہ نے نمونہ اپنے نبیؐ کو بنایا لہٰذا جو شادی نبیؐ کریں گے وہ نمونہ بنے گی۔ جب رسولؐ نے سیدہؑ کی شادی کی تو مولا علی علیہ السلام سے سوال کیا: تمھارے پاس مہر دینے کے لیے کیا ہے؟

ایک طرف علیؑ کو پالا ہے، حق باپ کے ہیں اور دوسری طرف سوال کر رہے ہیں: یا علیؑ! تمھارے پاس مہر دینے کے لیے کیا ہے؟

انھوں نے بھی اتنی صفائی سے جواب دیا، عرض کیا: ایک زرہ ہے، ایک گھوڑا ہے اور ایک تلوار ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

فرمایا: تلوار ضروری ہے اس لیے کہ تم جہاد میں جاتے ہو، گھوڑا بھی ضروری ہے اس لیے کہ دور دور میدان میں جاتے ہو۔ زرہ تمھارے لیے ضروری نہیں ہے۔

فرمایا: زرہ بیچ دو تاکہ فاطمہؑ کا مہر دے سکو۔

اچھا! مولا علی علیہ السلام آدھی زرہ پہنتے تھے۔ زرہ سے مراد کیا ہے؟

زرہ جو ہے وہ لوہے کی جالی کا ایک کرتہ ہوتا ہے۔ دو آستینیں، ایک آگے کا دامن اور ایک پیچھے کا دامن تاکہ اگر آدمی پر تیر، تلوار یا نیزہ پڑے تو اس کا جسم نہ کٹے۔ مولا علی علیہ السلام جو زرہ پہنتے تھے اس میں دو آستینیں ہوتی تھیں اور آگے کا دامن ہوتا تھا، پیچھے کا دامن نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا بھی تھا: یا علیؑ! آپ آدھی زرہ کیوں پہنتے ہیں؟

فرمایا: جس نے میدان سے بھاگنا ہو وہ پوری زرہ پہنے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزان گرامی! میں یہ عرض کر رہا تھا آپ کی خدمت میں کہ اسلام میں عورتوں کو جو حقوق دیے گئے ہیں اور جو سوسائٹی زیادتیاں کرتی ہے جس کے نتیجے میں عورتیں خودکشی کر لیتی ہیں یا ان کو موت واقع ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں ان کے ساتھ بہت کچھ پریشانیاں گزر جاتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک چیز کا تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ اسلام نے ان کو ہر طرح سے تحفظ فراہم کیا ہے۔ ہر طریقے سے ان کی عزت افزائی کی ہے۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں آپ کو بہت تفصیل کے ساتھ یہ تمام چیزیں سناتا۔ جب میں نے نکاح نامہ پیش کیا تو اس میں اسلامی حدود میں رہتے ہوئے میں نے وہ تمام تجاویز پیش کیں جن پر ہر طرح سے عورت کو تحفظ فراہم کیا۔

دیکھیے! خالی عورت ہی کی بات نہیں ہے بعض لڑکیاں بھی بہت ستاتی ہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے یعنی کبھی کبھی مظلوم طبقہ بھی ظالم بن جاتا ہے۔ ہم نے اپنے نکاح نامے میں ان تمام چیزوں کو بھی مدنظر رکھا ہے اور ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے اور وہ تمام معاملات' وہ تمام واقعات' وہ تمام باتیں جس کی وجہ سے عورتوں کو پریشانی ہوتی ہے یا مردوں کو پریشانی ہوتی ہے اسلامی قوانین کی روشنی میں ہم نے اس کو تیار کیا۔ علما نے اس کو تیار کیا اور اس کے بعد حضرت آیت اللہ العظمیٰ علامہ سید علی سیستانی مدظلہ العالی کی نظر سے بھی گزرا اور انھوں نے اس کی تصدیق کی اور اس کے بعد ہم نے اس کو پیش کیا وہ آج بھی عدالت میں موجود ہے۔ اسلام میں جہاں تک ہے...... اب میں اگر ایک ایک چیز تفصیل سے سنانے

لگوں تو پھر یہ مجلس نہیں رہے گی نکاح کا مسئلہ بن جائے گا۔

عزیزان گرامی! اب بات میں آپ سے عرض کر دوں کہ مغربی میڈیا ہمارے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور نہ جانے کیوں ان کو ہماری باتیں پسند نہیں آتیں وہ اپنے حساب سے اپنی تہذیب کے آئینے میں ہم کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر مختلف قسم کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ آپ نے اسلام کو پڑھا نہیں' آپ نے قرآن کو پڑھا نہیں' آپ نے سیرت سرورِ کائنات پڑھی نہیں' آپ نے معصومہ عالمین کی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا۔ آپ نے اسلامی عورت کو نہیں دیکھا' آپ نے شہنشاہ کے درباروں میں جا کر عورتوں کو دیکھا تو آپ کی سمجھ میں وہ عورتیں آئیں ان کا دور سے بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عزیزان گرامی! مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو مغربی میڈیا سے متاثر ہو کر لوگ کرتے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ ہمارے ہندوستان کی ایک تہذیب ہے۔ ہندوستان کا جو کلچر ہے' ہندوستان کی جو تہذیب ہے' ہندوستان کا جو تمدن ہے' ہندوستان کا جو دستور ہے وہ بہت پرانا' بہت قدیم اور بہت قیمتی ہے اور اس ملک میں ہمیشہ سے مختلف قومیں' مختلف لوگ' مختلف نظریات کے ماننے والے اور مختلف عقائد کے ماننے والے بستے آئے ہیں اور ہندوستان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس ملک میں دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس قسم کا مظاہرہ کسی ملک میں نہیں کیا گیا۔ یہ ملک جو ہے اس میں اور دنیا کے دوسرے ممالک میں فرق ہے۔ کبھی کبھی

مالی ایسا گل دستہ بناتا ہے کہ اس میں سارے پھول گلاب کے ہیں' اس میں سارے پھول بیلے کے ہیں' اس میں سارے پھول گیندے کے ہیں۔ اس میں ایک طرح کے پھول ہوتے ہیں۔ کبھی مالی ایسا گل دستہ بناتا ہے کہ دس بارہ قسم کے پھول ملا کر ایک گل دستہ بناتا ہے۔ اس میں رنگارنگ پھول ہوتے ہیں۔ ہمارا ہندوستان ایک رنگ کے پھولوں کا گل دستہ نہیں ہے بلکہ کئی رنگ کے پھولوں کا گل دستہ ہے۔ لیکن اگر گل دستے کے کچھ پھول مرجھائیں گے تو پورے گل دستے کی خرابی ہے۔ پورا گل دستہ بُرا لگے گا سب پھولوں کو تر و تازہ رکھنا چاہیے تاکہ گل دستہ اچھا لگے۔

آج ہندوستان کی یہ تہذیب نہیں ہے بلکہ مغربی میڈیا کا یہ اثر ہے کہ صاحب ہم نے تقریر کی آزادی کے قائل ہیں' ہم تحریر کی آزادی کے قائل ہیں' تقریر و تحریر کی آزادی وہیں تک آزادی ہے جہاں تک دوسرے کی دل آزاری نہ ہو۔ جہاں سے دوسرے کا دل دُکھے وہاں پر نہ کسی کی تقریر آزاد ہے' نہ کسی کی تحریر آزاد ہے' آزادی زندہ رہتی ہے پابندیوں میں اور اگر پابندیاں ہٹا کر آپ آزادی لیجیے گا تو آزادی موت کا پیغام بن جائے گی۔ سڑک پر آپ گاڑی چلا کر آتے ہیں تو آپ کو گاڑی چلانے کی آزادی ہے مگر اس آزادی کے ساتھ کچھ پابندیاں بھی ہیں۔ اپنی قطار میں چلیے۔ دوسرے کی قطار میں نہ چلیے۔ جب کوئی سامنے آجائے تو بریک لگائیے۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ جی! ہمیں تو ڈرائیونگ کی آزادی ہے تو آپ کی جان بھی خطرے میں ہے' دوسرے کی جان بھی خطرے میں

ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج آزادی کو ساٹھ برس سے زیادہ ہو گئے لیکن
ابھی تک ہندوستان کی حکومت کو مسلمانوں کے جذبات کا احساس نہیں ہے' بڑے
افسوس کی بات ہے کہ وہ لوگ جو اس بات کے نعرے بلند کرتے ہیں کہ ہم اپنے
مسلمان بھائیوں کو مل کر کام کرنے کی دعوت دیتے ہیں' وہ اپنے راستے ایسے بناتے
ہیں جن سے ہماری دل آزاری ہو اور ہم کو تکلیف پہنچے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں
ہے۔ سلمان رشدی ہو یا اس جیسا کوئی اور ہو' ہندوستان جیسے ملک میں ایسے لوگوں
کی گنجائش نہیں ہے اور آپ یہ سمجھ لیجیے کہ کوئی ہو اس کو کسی کی دل آزاری کرنے کا
حق حاصل نہیں ہے۔ آپ دیکھیے تقریر میں تو آزادی ہے' اگر کسی کے باپ کو کوئی
گالیاں دے۔ اب جب وہ لڑنے پر تیار ہو تو کہیں صاحب! کیسا آدمی ہے لڑنے
پر اُتر آیا۔ ارے! تقریر کی آزادی ہے بولنے دیجیے اسے۔

عزیزانِ گرامی!

دنیا میں ایسی تقریر کی آزادی کہیں نہیں ہوتی۔ ایک طرف آپ ہم سے
کہتے ہیں کہ آپ الگ الگ رہتے ہیں' دوسری طرف آپ ہماری دل آزاری
کرتے ہیں ہم کو دُکھ پہنچاتے ہیں۔

دیکھیے! بے شک میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ ہم سڑک کے اُوپر
بڑے بڑے جلوس لے کر احتجاج کرنے آئیں۔ اس لیے کہ اس میں ہوشیار لوگ
اپنے آدمی شامل کر کے ہمارا ٹکراؤ پولیس سے کرا دیتے ہیں۔ اس فائرنگ میں دس
بارہ جاں بحق ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد الزام لگتا ہے کہ کچھ بدمعاش لوگ تھے

جو ایسے تھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مسلمانوں کو بھی اپنے دانش وروں کا ایک سیٹ بنانا چاہیے جو ہندوستان میں مستقل ایسے مسائل پر بات کرے کہ ہندوستان میں کسی ایک فرد کی بھی دل آزاری نہ ہو اور ہندوستانی حکومت کو بھی ایک سیٹ ایسا بنانا چاہیے جو اس بات پر نظر رکھے کہ آئندہ کوئی کام نہ ہونے پائے، جس میں ہندوستانی عوام میں سے کسی ایک فرقہ کی توہین ہو اور کسی ایک فرقہ کی دل آزاری ہو۔ آپ سیاسی لڑائی لڑیئے، آپ سڑکوں پر نہ لڑیئے۔ میں سڑکوں پر لڑائی لڑنے کا مشورہ نہیں دیتا لیکن آپ مسلم رہنماؤں سے کہیے کہ ان پارٹیوں کو چھوڑ دیں جو پارٹیاں ایسی باتوں کی ذمہ دار ہیں۔ جب ایک ہی دفعہ دو سو استعفیٰ جائیں گے تو پھر ان کو پتا چلے گا کہ پارلیمنٹ کا ایک حصہ ٹوٹ رہا ہے، کٹ رہا ہے ورنہ یہ یوں ہی سیاسی کھیل کھیلتے رہیں گے، آپ پر لاٹھی چارج ہوتا رہے گا، آپ پر فائرنگ ہوتی رہے گی، دل آزاری بھی آپ کی ہوگی، الزام بھی آپ پر آئے گا، جان بھی آپ کی جائے گی، میں ایسی ہر تحریک کی شدید مذمت کرتا ہوں جس سے کسی بھی ایک فرقہ کی دل آزاری ہو۔ مسلمان ہوں یا کوئی دوسرا فرقہ ہو۔ یہ میری آواز سن لیں حکومت کے ذمہ دار بھی کہ ہم اسی ملک کے ہیں ہم باہر کے نہیں ہیں تو ہمیں بالکل حق پہنچتا ہے کہ برابر کے اقدامات کریں۔ اس ملک کے کسی انسان کو اس ملک کے کسی فرد کی دل آزادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہر ایک حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ایک کے دل کا درد محسوس کرے۔

عزیزان گرامی! یہ بات بہت ضروری تھی جو مجھے کہنا تھی اور میں نے کہہ دی۔

ہمارے اور آپ کے درمیان جو گفتگو ہے میں کل اس کو کہنا چاہتا ہوں۔

میرے پاس وقت ختم ہو گیا ہے۔

کوئی صاحب جس کے نیچے پچیس آدمی ہیں وہ کسی کو مدعو کرتا ہے اور ہندوستان کے پچیس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کا خیال، یہ کون سی حکومت ہے یہ کیا ہو رہا ہے کون سا تماشا ہے پورے ملک میں آپ خود بے چینی پیدا کر رہے ہیں اور بے چینی پیدا کر کے الزام دیتے ہیں دوسروں پر۔ یہ مہمان نوازی نہیں ہے یہ دوستی نہیں ہے، مہمان کیے جاتے ہیں مگر مہذب لوگ غیر مہذب لوگ مہمان نہیں کیے جاتے۔ ہندوستان ایک مہذب ملک ہے۔ آپ ضرور مہمان بلایئے مگر تمیزدار لوگوں کو جو دوسروں کو گالیاں دیں ان کو نہ بلایئے۔ ان کی میزبانی نہ فرمایئے ورنہ یہ چیز ملک کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گی۔

عزیزانِ گرامی! ہمارے آپ کے درمیان خواتین پر گفتگو ہو رہی تھی۔ عورت بیٹی ہے، عورت زوجہ ہے، عورت ماں ہے۔ عورت کی عزت کی ضمانت اللہ نے حضرت سیدہ فاطمہؑ کے ذریعے دی۔ سرورِ کائناتؐ کو اللہ نے جو لقب دیا۔

سنیے! ایک چیز یہ اپنے ذہن میں رکھیے گا کہ عورت کے تین روپ ہیں وہ بیٹی ہے، وہ بیوی ہے، وہ ماں ہے۔ یہ موضوع کل سے چل رہا ہے۔ اللہ نے اپنے حبیبؐ کو لقب دیا۔

کیا؟

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۂ مبارکہ انبیاء، آیت ۱۰۷)

"تمام عالمین کے لیے رحمت"۔

اللہ رب العالمین، محمدؐ رحمۃ للعالمین تمام عالمین کے لیے رحمت، زمین کے لیے رحمت، آسمانوں کے لیے رحمت، چاند کے لیے رحمت، تاروں کے لیے رحمت، سورج کے لیے رحمت، انسانوں کے لیے رحمت، جنوں کے لیے رحمت، مخلوقات کے لیے رحمت، کائنات کے لیے رحمت، فضاؤں کے لیے رحمت، ہواؤں کے لیے رحمت، ماضی کے لیے رحمت، مستقبل کے لیے رحمت، اپنے کے لیے رحمت، پرائے کے لیے رحمت، دوست کے لیے رحمت، دشمن کے لیے رحمت جو پوری کائنات کے لیے رحمت ہو وہ محمدؐ ہے اور جو محمدؐ کے گھر میں رحمت بن کر آئے وہ فاطمہؑ ہے (نعرۂ حیدری)۔

یہ بیٹی ہے جو باپ کے گھر میں آئی تو اس شان سے آئی کہ رحمۃ للعالمینؐ کے گھر میں رحمت بن کر داخل ہوئی اور سرورِ کائناتؐ کو تحفہ پروردگار بن کر ملی۔

قرآن نے آواز دی:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (سورۂ مبارکہ کوثر: آیت ۱)

"اے میرے حبیبؐ! ہم نے آپؐ کو کثرتِ اولاد دی۔"

عام طور سے آدمی کی نسل بیٹے سے چلتی ہے مگر اللہ نے اپنے حبیبؐ کو وہ بیٹی دی جو اپنے باپ کی نسل کی ضامن تھی۔ آج ساری دنیا میں جو نسل رسولؐ ہے وہ فاطمہ زہراؑ کے ذریعے (نعرۂ حیدری)۔

جیسا میں نے کل آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ بیٹی باپ کے گھر میں تھوڑے دن رہتی ہے اس کے بعد دوسرے گھر جاتی ہے۔ جب حضرت فاطمہؑ عمر کی

اس منزل پر آنے لگیں کہ اب شادی کے دن قریب آ رہے ہیں تو رسولؐ کے پاس پیغام آنے لگے۔ پیسے والوں کے پیغام جتھے والوں کے پیغام حیثیت والوں کے پیغام سرداروں کے پیغام رسولؐ رسولِ رحمت تھے کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے آپؐ نے "نہ" نہیں کہا' نہ "ہاں" کہا' ہر ایک سے یہی فرمایا: فاطمہؑ کی شادی کا مجھے اختیار نہیں ہے' خدا کو اختیار ہے جس کے ساتھ وہ کہے گا اس کے ساتھ کر دوں گا۔

عجب جواب دیا، فرمایا: فاطمہؑ کی شادی کا مجھے اختیار نہیں ہے اللہ کو اختیار ہے جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ ہو گا اس کے ساتھ ہو گی۔

میں عرض کروں گا: سرکارؐ! جو کہہ رہے ہیں آپؐ، وہی ہمارا ایمان ہے اس لیے کہ آپؐ کی بات پر ایمان لانا ہمارا مذہب ہے مگر اپنے کانوں کو کیا کریں جو آپؐ کی زبان سے یہ جملہ سننے کو تیار نہیں ہیں جس کو چاند کو دو کرنے کا اختیار ہو' سورج کو پلٹانے کا اختیار ہو' سنگریزوں کو تسبیح پڑھانے کا اختیار ہو' درختوں کو تعظیم کے لیے جھکانے کا اختیار ہو' نعلین سمیت قَابَ قَوسَین اَوْ اَدنٰی تک پہنچ جانے کا اختیار ہو وہ بیٹی کی شادی میں اختیار نہیں رکھتا جب کہ اُمت کے ہر باپ کو اختیار ہوتا ہے بیٹی کی شادی کرنے کا؟

ممکن ہے جواب میں فرمائیں: میری بیٹی کا مرتبہ سمجھ لے اس کے بعد بات کرنا۔ میری بیٹی اگر صرف ایک مسلمان لڑکی ہوتی تو مجھے اختیار ہوتا کہ میں ایک سچے مسلمان کے ساتھ اس کی شادی کر دوں۔ لیکن میری بیٹی ہے معصومہ' معصومہ کی شادی غیر معصوم سے ہوتی نہیں' میں مسلمان تو بناتا ہوں معصوم نہیں بناتا (تحفۂ حیدری)۔

فرمایا: مجھے اختیار نہیں اللہ کو اختیار ہے جس کے ساتھ وہ کہے گا اس کے ساتھ کر دوں گا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسی مقصد کے لیے جب علیؑ آئے کہ رسولؐ کو پیغام دیں تو علیؑ سے پہلے جبرئیلؑ آئے اور جبرئیلؑ نے آ کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اللہ تحفۂ درود و سلام کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے فاطمہؑ کا نکاح علیؑ سے پڑھ دیا' تم بھی مسجد میں اپنا فریضہ ادا کرو۔

عزیزانِ گرامی! یہ بھی عجب فضیلت ہے کہ نکاح پڑھ دیا۔ اے معبود! تُو بھی نکاح پڑھتا ہے' کبھی ہماری دنیا میں بھی کسی کا نکاح پڑھ دے۔ ممکن ہے ارشاد ہو: ایسی شادی کر دو پھر میں پڑھ دوں گا کہ زوجہ بھی معصومہ ہو اور شوہر بھی معصوم ہو۔

فرمایا: پڑھ دیا۔

معبود! پڑھ دیا تو ٹھیک ہے پڑھ دیا مگر نہ لڑکے سے پوچھا نہ لڑکی سے پوچھا۔ بھئی! نکاح پڑھا جاتا ہے ہم بھی جانتے ہیں مگر لڑکے اور لڑکی سے پہلے پوچھا جاتا ہے اس کے بعد پڑھا جاتا ہے۔

مالک! تُو نے ایسے پڑھ دیا؟ ممکن ہے جواب آئے: تمیز سے سوچ' میں وکیل نہیں ہوں' خالق ہوں' میں نے بنایا ہے۔ رسولؐ نے مسجد میں پڑھ دیا۔

عزیزانِ محترم! دو جملے سنیے!

علیؑ و بتولؑ کا ایک ہی نکاح دو دفعہ پڑھا گیا۔ دنیا میں جتنوں کا نکاح ہوا ہے اب تک ایک نکاح ایک دفعہ پڑھا جاتا ہے۔

ختم ہو گئی بات! نکاح ہو گیا' علیؑ و بتولؑ کا ایک نکاح دو دفعہ پڑھا گیا۔

عرش پر اللہ نے پڑھا' فرش پر رسولؐ اللہ نے پڑھا۔ رسولؐ نے علیؑ و فاطمہؑ کے نکاح سے پہلے بھی نکاح پڑھائے تھے' علیؑ و فاطمہؑ کے بعد بھی نکاح پڑھائے' کوئی ایک ہی نکاح تو پڑھایا نہیں۔

بھئی! سیکڑوں پہلے پڑھائے ہوں گے' سیکڑوں ہزاروں بعد میں پڑھائے ہوں گے انھیں میں علیؑ و فاطمہؑ کا بھی ایک نکاح پڑھا دیا تو یہ تو نکاح عام ہوا کہ جیسے سب کے نکاح ہوئے مکہ و مدینہ میں رسولؐ نے پڑھائے ویسے علیؑ و فاطمہؑ کا بھی پڑھا دیا۔ تو یہ نکاح عام ہے۔

عرش پر جو اللہ نے پڑھایا' وہ نکاح خاص ہے۔ علیؑ و فاطمہؑ کا نکاح تو ہوا مگر ایک نکاح دو دفعہ پڑھایا گیا' نکاح عام بھی ہوا' نکاح خاص بھی ہوا تو نسل بھی دو ہری چلی:

① نسل خاص ② نسل عام

نسل عام میں وہ سادات ہیں جو ساری دنیا میں پھیلے ہیں۔ نسل خاص میں وہ امامؑ ہیں جن کی وجہ سے کائنات باقی ہے (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی! تاریخ بتاتی ہے کہ جب جبرئیلؑ آ گئے اور علیؑ آئے اور خدمتِ سرورِ کائناتؐ میں سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

توجہ ہے!

آج مشکل کشاؑ مشکل میں پھنس گئے۔ کیا کہیں رسولؐ سے، علیؑ کی مشکل کشائی رسولؐ نے کی۔ فرمایا: یا علیؑ! کس لیے آئے ہو مجھے معلوم ہے تمھارا رشتہ اللہ نے منظور کر لیا ہے۔ اب یہ بتاؤ مال دنیا میں تمھارے پاس کیا ہے؟

مولا علی علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! زرہ ہے' تلوار ہے اور گھوڑا ہے۔

فرمایا: زرہ بیچ دو' تاکہ مہر فاطمہؑ ادا کر سکو۔

دیکھیے! ابھی یہ سبق ہے ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے کہ رسولؐ نے علیؑ کی زرہ بکوا دی۔ پانچ سو درہم کی زرہ بکی اور پانچ سو درہم لا کر رکھ دیے رسولؐ کے سامنے آپؐ نے مٹھی بھر بھر کے دیے صحابہ کرامؓ کو۔ فرمایا: تم کپڑے لے آؤ' تم ضرورت کا سامان لے آؤ' تم فلاں چیز لے آؤ۔ وہ بھی اپنے سلیقے سے خرید کر لائے کہ نہ ایک درہم گھٹا نہ بڑھا' پانچ سو درہم کا سامان آ گیا۔ سامان معمولی تھا' مٹی کے برتن تھے اس میں' بنیادی ضرورت کا جو سامان ہے وہ سب سامان آ گیا۔ تاریخ کہتی ہے کہ سامان اتنا مختصر تھا کہ رسول آب دیدہ ہو گئے مگر اس میں کچھ اپنی طرف سے شامل نہیں کیا۔

دیکھیے! یہ سبق تھا اُمت کے لیے کہ بیٹی کا مہر لو اور اسی سے جہیز دو' جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔ آپ کو کار چاہیے آپ کار والا مہر دیجیے' آپ کو کلر چاہیے آپ کلر والا مہر دیجیے' آپ کو فلیٹ چاہیے آپ فلیٹ والا مہر دیجیے تو جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔

توجہ! اگر رسولؐ کی تعلیمات پر لوگ عمل کرتے تو جس کو اللہ نے چار لڑکیاں دی ہیں وہ آرام سے سوتا' لڑکیوں کی تربیت اچھی کرتا کہ بھئی! جو آئے گا مہر دے دے گا جہیز دیں گے' پریشان ہوتا لڑکے کا باپ کہ بیٹا کچھ کماؤ' کچھ کرو آج کل پانچ لاکھ سے کم کون مہر لے گا۔ جیسے آج کل لوگ کہتے ہیں کہ چار پانچ لاکھ میں کیا شادی ہو گی۔ لڑکی کی دولت دیکھ کر شادی کرنے والے لڑکے نہ ہوتے اور دولت کے بل پر شادی کرنے والی ناکارہ لڑکیاں نہ ہوتیں۔

توجہ ہے! عزیزانِ گرامی! رسولؐ نے بھی چھوڑا اللہ پر اس لیے کہ دستور زندگی یہ ہے کہ جس ماحول میں لڑکی پل رہی ہے اگر اچھا ماحول نہیں ملا تو اس کا دل کبھی خوش نہیں رہے گا' عالموں کے گھر کی لڑکی جاہلوں کے گھر جا کر خوش نہیں رہے گی' مال داروں کے گھر کی لڑکی مفلسوں کے گھر جا کر خوش نہیں رہے گی۔ ایمان داروں کے گھر کی لڑکی بے ایمانوں کے گھر جا کر خوش نہیں رہے گی۔ لڑکی باپ کے گھر میں دیکھتی ہے کہ لوگ سویرے سلام کو آتے ہیں' شوہر کے گھر میں جا کر دیکھا کہ لوگ سویرے سویرے آ کر گالیاں دیتے ہیں۔ باپ کے گھر میں دیکھا کہ لوگ امانت رکھوا جاتے ہیں' شوہر کے گھر میں دیکھا کہ رات کو چوری کا مال رکھا جاتا ہے' کیا خوش رہے گی؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لڑکی کس گھر میں پل رہی ہے؟

فاطمہؑ کس گھر میں پل رہی ہیں؟ جہاں عصمت ہے' جہاں نور ہے' جہاں

نبوت ہے' جہاں رب العزت کا کلام ہے' جہاں قرآن کی آیات ہیں' جہاں پاکیزہ احادیث ہیں' جہاں دلوں کے روزے ہیں' جہاں پر جبرئیلؑ کی ہوا ہے' جہاں جنت کا کھانا ہے' جہاں ملائکہؑ کی خدمت گاری ہے۔ یہ خوش جیسی رہے گی کہ جب یہ دیکھے گی کہ جو وہاں ہے وہ یہاں ہے۔ نگاہِ انتخابِ قدرت نے دیکھا کہ اگر علم یہاں ہے تو وہاں بھی ہے' اگر نور یہاں ہے تو وہاں بھی ہے' اگر عصمت یہاں ہے تو وہاں بھی ہے۔

عزیزانِ گرامی! باپ کے گھر سے بیٹی جو دیکھ کر جاتی ہے وہی کچھ شوہر کے گھر میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ بیٹی باپ کے گھر سے یہ دیکھ کر جا رہی ہے کہ باپ وہ ہے جو ایک اشارہ کرے تو چاند دو ہو جائے' خوش جیسی رہے گی جب شوہر ایسا ملے کہ جو اشارہ کرے تو سورج پلٹ آئے (نعرۂ حیدری)۔

علیؑ و فاطمہؑ کی شادی ہوئی۔ اب دوسری زندگی شروع ہوئی' زوجہ اور شوہر کی زندگی۔ کبھی علیؑ سے کوئی فرمائش نہ کی' کبھی علیؑ سے کوئی شکوہ نہ کیا' کبھی کسی بات پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔ زندگی گزرتی رہی۔ ایسی زوجہ ثابت ہوئی کہ جو شوہر کے لیے سببِ عزت بن گئی۔

عزیزانِ گرامی! اللہ نے وہ نسلِ پاک عطا کی جس کو قرآن میں لولو والمرجان کہا گیا اور ایسی نسلِ پاک عطا کی کہ جو اسلام کی ضامن بن گئی' دین کی ضامن بن گئی۔

بس عزیزانِ گرامی! زندگی رہی تو کل عرض کروں گا' بیان کل آگے بڑھے

گا آج تو اتنا سن لیجیے کہ فاطمہ زہراؑ وہ ماں ہیں کہ حسن مجتبیٰؑ سے لے کر آج تک

جتنے بیٹے ہیں اپنی ماں پر فخر کر رہے ہیں۔ دنیا میں کوئی ماں اپنی اولاد کے لیے اس

طرح سببِ افتخار نہ بنی جس طرح فاطمہ زہراؑ اپنی اولاد کے لیے قرار پائیں۔ یہ

ہیں فاطمہ زہراؑ ، یہ وہ ماں ہیں کہ چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی آج تک

اس کی اولاد اس پر ناز کرتی ہے کہ فاطمہ زہراؑ ہماری ماں ہیں۔

## ذکرِ مصائب: کربلا کی عورتیں

عزیزانِ گرامی! وہ لوگ جو چاہتے تھے کہ رسولؐ کی نسل آگے نہ چلے اور وہ

لوگ جو اس بات کو کہہ کہہ کر خوش ہوتے تھے کہ محمدؐ ابتر ہیں (معاذ اللہ) یعنی محمدؐ کی

نسل قطع ہوگئی (معاذ اللہ) حالاں کہ قرآن نے ان لوگوں کی گندی ذہنیت کے منھ پر

تمانچہ مارا:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (سورۂ مبارکہ کوثر: آیت ۳)

"میرے حبیب! تمھاری نسل قطع نہیں ہوئی بل کہ تمھارا دشمن

ابتر ہے۔ تمھارے دشمن کی نسل قطع ہوگئی۔"

عزادارو! ابتر کہنے والوں سے فاطمہؑ کے بیٹے دیکھے نہ گئے' حسن مجتبیٰؑ کو

زہر دیا گیا اور ایسا ظالم زہر جس نے کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور حسینؑ کو تین دن

کا بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کر دیا گیا۔ کربلا میں فاطمہؑ کا باغ لٹ رہا تھا' فاطمہؑ کی

گود کے پالے قربان ہو رہے تھے۔ یہ فاطمہؑ ہی کے بیٹے تھے علی اکبرؑ ہوں یا قاسمؑ، یہ نسل پاک فاطمہؑ ہی تو تھی علی اصغرؑ ہوں یا عونؑ و محمدؑ یہ فاطمہؑ ہی کی اولادوں کے جگر کے ٹکڑے ہی تو تھے۔

عزیزانِ گرامی! جو فاطمہؑ کا بیٹا نہیں بھی تھا اس نے فاطمہؑ کے بیٹے کو ایسے چاہا کہ فاطمہؑ نے اسے بھی اپنا بیٹا کہا۔

آپ سمجھ گئے کہ کون؟ جس کی ماں کبھی اپنے بیٹے پر نہیں روئیں، جب بھی روئیں حسینؑ پر روئیں اور یہ کہہ کر روئیں کہ تمہاری ماں زندہ ہے، میں اس پر روؤں گی جس کی ماں نہیں ہے۔

یہ تو تاریخ میں ہر ایک نے پڑھا ہے، ہر آدمی جانتا ہے اس بی بیؑ کو کہ حضرت اُمّ البنینؑ کبھی حضرت عباس علیہ السلام پر نہیں روئیں، جب بھی روئیں حسینؑ پر روئیں۔ مگر میرا دل یہ کہتا ہے کہ خاندانِ کرم فاطمہؑ دیکھ کر اِدھر اُمّ البنینؑ، حسینؑ پر رو رہی ہوں گی تو اُدھر جنت سے فاطمہؑ قبر عباسؑ پر آئی ہوں گی میں تجھے رونے آئی ہوں۔

ہاں عزیزو! کربلا میں فاطمہ زہراؑ کا باغ اُجڑ گیا۔ کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

لکھا ہے کربلا میں گھر زہراؑ کا
ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

محرم گزرتا جا رہا ہے' فاطمہ زہراؑ کے گھر کا ماتم کر رہے ہیں آپ۔ ہماری
جانیں نثار ہوں ان بیبیوں پر' ہم قربان ہوں ان ماؤں پر جنھوں نے دنیا میں ایسی
تاریخ لکھ دی کہ جس تاریخ کا جواب نہیں ہے۔

کربلا کی عورتیں! اللہ، اللہ! میں بنی ہاشمؑ کی سیدانیوں کا ذکر نہیں کر رہا'
آپ سوچیے تو سہی' حضرت مسلمؓ ابن عوسجہ کی زوجہ حضرت وہبؓ ابن عبداللہ کی ماں'
حضرت وہبؓ کی زوجہ' یہ عورتیں بنی ہاشمؑ کی نہیں تھیں' یہ دوسرے خاندانوں کی
تھیں مگر اس گھر کے قریب آ گئیں تو کیا ہو گئیں۔ عقل بشر حیران ہے' جہاں سترہ
دن کے بیاہے کی ماں رات بھر سمجھا رہی ہے کہ بیٹا کل موت میں زندگی ہے ایسا نہ
ہو کہ تمھارا دل ڈھل جائے' حسینؑ پر سر قربان کر دینا۔

روایت بتاتی ہے کہ وہبؓ لڑتے لڑتے جب خون میں نہا گئے تو ماں سے
ملنے آئے، عرض کیا: مادرِ گرامی! کیا آپؓ مجھ سے راضی ہوئیں؟
کہا: نہیں! ابھی نہیں' جب سر کٹ کے الگ ہو جائے گا تب راضی ہوں
گی۔ یہ ہیں کربلا کی مائیں! زوجہ وہبؓ، لڑ رہے ہیں وہبؓ، دیکھا ہاتھ میں خیمے
کی لکڑی لیے وہبؓ کی زوجہ آ رہی ہے۔ کہا: کیا کر رہی ہو؟ کہا: وہبؓ! حسینؑ کی
آوازِ استغاثہ نے میری رگِ دل کو توڑ دیا۔

عزادارو! مسلمؓ ابن عوسجہ، جب مسلمؓ کا لاشہ خیمے میں آیا تو بچے کو پیش کیا۔
بچے نے عرض کیا: مولاؑ! مجھے اجازت؟ فرمایا: پلٹ جا تیری ماں کے لیے تیرے

باپ کا غم بہت ہے۔ عرض کیا: مولاؑ! میری ماں ہی نے تو تلوار باندھ کر بھیجا ہے۔

عزادارو! یہ بیبیاں بنی ہاشمؑ کی نہیں تھیں۔

اتنی منتیں کیں کہ آخر امامؑ کو اجازت دینا پڑی۔ بچے نے ہاتھوں میں تلوار سنبھال کر سات آدمی مارے اور آخر میں ماں کے سامنے ظالموں نے اس کو ذبح کر دیا۔ دشمنوں نے ماں کی طرف سر اُچھال دیا۔

یہ تو وہ مائیں تھیں جو بنی ہاشمؑ سے نہیں تھیں لیکن ہماری جانیں نثار ہو جائیں ان ماؤں پر جن کا تعلق ہاشمیؑ گھرانوں سے تھا۔ ان میں سے بھی ایک ماں ایسی تھی کہ جو بھی اپنے بچوں پر نہ روئی' زینب کبریٰؑ نے اپنے لال اپنے بھائی حسینؑ پر قربان تو کیے مگر کبھی عونؑ و محمدؑ کو یاد کر کے روئی نہیں۔

جعفرؑ کی اولاد' عبداللہؑ ابن جعفرؑ کی یادگار' زینبؑ کے لال عونؑ و محمدؑ۔

تاریخ چپ ہے مگر میر انیسؒ بولے ہیں کہ ماں بچوں کو سمجھا رہی ہے میدان جنگ کے گُر:

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہو<br>
فوج پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہو

عزیزانِ گرامی!

علیؑ کے نواسے بھی لڑے' علیؑ کے پوتے بھی لڑے' عقیلؑ کے لال بھی لڑے' مسلمؑ کے دل کے ٹکڑے بھی لڑے۔ صبح سے شام تک حسینؑ ایک ایک کا

لاشہ لاتے رہے ایک ایک کی میت پر روتے رہے ایک ایک کی میت اٹھاتے رہے اور بہن ہر موقع پر بھائی کے ساتھ شریک رہی۔

اے شہزادی زینبؑ! اپنے بیٹوں کا پُرسہ لیجیے۔

اے بی بی فاطمہ زہراؑ! اپنے نواسوں کا پُرسہ لیجیے۔

سلام ہو زینبؑ پر جو عونؑ و محمدؑ کے لاشوں پر نہیں نکلی مگر جب حسینؑ علی اکبرؑ کا لاشہ لے کر چلے تو خیمے کا پردہ ہٹا جس پھوپھی نے پالا تھا وہی پھوپھی اپنے بھائی کی مددگار بن گئی۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ
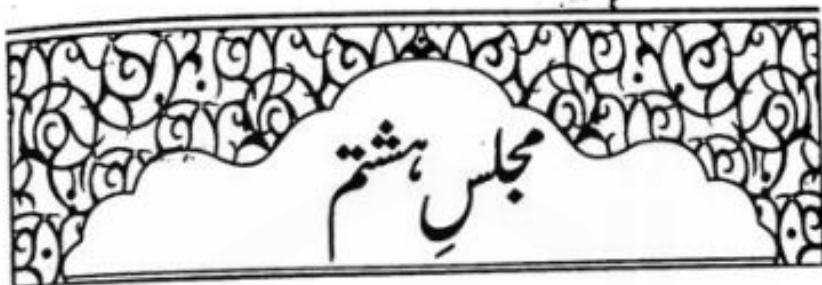
## موضوع: اسلام میں آزادی کا مفہوم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورہ مبارکہ آل عمران: آیت ۱۹)

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

عزیزانِ محترم!

ہمارے آپ کے درمیان جو گفتگو چل رہی ہے اس میں آپ کو اندازہ ہے ابھی میں نے دین کے سلسلے میں جو بات شروع کی کہ ایک دن میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام نے غلامی کے تعلق سے کیا رویہ اختیار کیا اور کیا سوچتا ہے اسلام اور انسانوں کو ذہنی غلامی سے آزاد کر کے ایک آزاد ماحول میں ان کو زندہ رکھنا چاہتا ہے اور کل اور پرسوں دو دن کی مجالس میں، مَیں نے یہ عرض کیا کہ عورت کے تعلق سے جو اسلام پر الزام لگائے جاتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے ظلم کیا ہے اور قیدی بنایا ہے یہ بھی سماجی برائیاں ہیں جن کو مذہب کے نام پر تھوپا جاتا ہے یا یہ بادشاہوں کے کرتوت ہیں جن کو مذہب کے نام پر تھوپا جاتا ہے یا رئیسوں اور سرداروں کے کالے کرتوت ہیں جن

کو مسلمانوں کے نام پر اور اسلام کے نام پر لگایا جاتا ہے۔ اب آج میں ایک اہم مسئلے پر آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں!

یہ دنیا میں ایک آواز آج جو اُٹھی ہے کہ مسلمانوں میں برداشت نہیں ہے' مسلمانوں میں قوت برداشت نہیں ہے۔ مسلمان بہت جلدی مشتعل ہو جاتے ہیں' بہت جلدی بھڑک اُٹھتے ہیں' لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں اور ان میں عدم برداشت کا مادہ ہے اور بقاباہم جس کو کہتے ہیں "جیو اور جینے دو" یعنی تم بھی زندہ رہو اور ہم بھی زندہ رہیں اس کے مسلمان قائل نہیں ہیں اور مسلمانوں میں یہ بڑی کمی ہے کہ ان میں قوت برداشت کا جذبہ بہت کم ہے۔

عزیزانِ گرامی! یہ اعتراض بھی پہلے کے اعتراضات کی طرح سچائی سے دور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اسلام کو کیسے سمجھیں گے' اگر اسلام کو قرآن سے سمجھیں گے تو ٹھیک ہے۔ یہ ہی صحیح طریقہ ہے اسلام کو سمجھنے کا۔ اگر اسلام کو رسولؐ اور ان کی معصومؑ اولاد کی سیرت سے سمجھیں گے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آپ میرے طرزِ عمل سے اسلام کو سمجھیں گے کہ اطہر پچاس برس سے مجالس پڑھ رہے ہیں لہٰذا جو یہ کہہ رہے ہیں وہ اسلام ہے تو آپ دھوکا کھا جائیں گے۔ اگر آپ کسی بہت بڑے تاجر کی زندگی سے اسلام کو سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑے تاجر ہیں مسلمانوں میں لہٰذا ان کا اسلام ہو گا تو غلط ہے۔ اگر آپ کسی بادشاہ یا کسی سلطان یا کسی ملک کے وزیرِاعظم یا کسی ملک کے مسلم رہنما کے ذریعے اسلام کو سمجھیں تو آپ ہمیشہ دھوکا کھائیں گے اور آپ غلط نتیجے تک پہنچیں گے۔

میں آپ کو کسی آمر کی آواز نہیں سناؤں گا' میں آپ کو کسی بادشاہ کی آواز نہیں سناؤں گا' میں آپ کو کسی قبائلی سردار کی آواز نہیں سناؤں گا' میں آپ کو کسی بڑے تاجر یا کسی بڑے کی آواز نہیں سناؤں گا۔ میں تو آپ کو قرآن پاک کی آواز سناؤں گا تاکہ کوئی قضیہ نہ رہے۔

قرآن دین کے لیے کیا تصور رکھتا ہے؟

دیکھیے! ہوتا کیا ہے؟ پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ گڑبڑ کہاں سے ہوتی ہے؟ گڑبڑ یہاں سے ہوتی ہے کہ جب ہم اپنے ذاتی فائدے کے لیے دین کو استعمال کرتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ دین کے فائدے کے لیے ہم استعمال کیے جائیں۔

توجہ! ہوتا یہ ہے کہ اپنے فائدے کے لیے ہم دین کو استعمال کرتے ہیں۔ دین کو اگر ضرورت پڑے تو محمد اطہر کی جان جائے' یہ تو ٹھیک بات ہے لیکن اگر محمد اطہر کو ضرورت پڑے تو دین ذبح کیا جائے' ہوتا دنیا میں یہی ہے۔ اب دنیا میں گڑبڑ کہاں سے ہوتی ہے؟

وہ میں آپ کو سنا دوں۔ گڑبڑ یہاں سے ہوتی ہے کہ میں نے ایک زمین خریدی اور زمین خرید کر میں نے اس پر مکان بنانا شروع کیا تو فاؤنڈیشن جو بنائی گئی اس سے میں نے دیوار بنانا شروع کی تو ہمارا پڑوسی آیا اس نے کہا: آپ اپنی زمین سے دس انچ آگے بڑھ کر دیوار بنا رہے ہیں۔ یہ دس انچ یہاں تک میری زمین ہے آپ اپنی دیوار دس انچ پیچھے کر لیجیے۔ یہ آپ کی زمین ہے اور اِدھر سے دس انچ میری زمین ہے۔

میں اپنے فائدے کے لیے اپنے پڑوسی کی دس انچ زمین ضبط کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا: نہیں! یہ میری زمین ہے۔ اس پر جھگڑا چلا' نہ اس کا مذہب سے تعلق ہے' نہ اس کا دین سے تعلق ہے اگرچہ معاملہ ہے بھی تو قانونی معاملہ ہے کہ عدالت میں جا کر اس کو ناپے کہ وہ صحیح کہہ رہے ہیں یا ہم صحیح کہہ رہے ہیں' معاملہ طے ہو جائے گا لیکن اللہ سے' رسولؐ سے' قرآن سے' اسلام سے' آخرت سے' جنت سے' دوزخ سے اس کا تعلق نہیں ہے لیکن چوں کہ میں محمد اطہر لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلاتا تو کوئی نہ آتا۔ بمبئی شہر میں کس کے پاس اتنا وقت ہے جو وہ آ کر کسی کے کام آئے۔ دس انچ زمین کے لیے اتنا وقت کس کے پاس ہے کھڑے ہونے کے لیے۔

میں نے فوراً وہاں سے نعرہ دیا' اگر میرا پڑوسی غیر مسلم ہے تو میں نے کہا: دیکھو بھائیو! یہ مسلمان کی زمین دس انچ ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔

تھوڑی دیر تو یہ مسئلہ چلا اور تھوڑی دیر بعد اسلام خطرے میں آ گیا اور تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ درحقیقت میری دس انچ زمین خطرے میں تھی۔ میں نے اس کے لیے اسلام کو خطرے میں لا کر کھڑا کر دیا۔

عزیزانِ گرامی! عالم اسلام میں ہمیشہ یہی ہوا کہ جب کسی کی بادشاہت خطرے میں ہوئی وہ اسلام کو سامنے لے آیا۔ جب کسی کی ریاست خطرے میں ہوئی وہ اسلام کو سامنے لے آیا۔ جب کسی کا اقتدار خطرے میں ہوا وہ اسلام کو سامنے لے آیا۔ آج اسلام کے دامن پر جتنے دھبے دکھائی دیتے ہیں یہ بادشاہتوں

کے دھبے ہیں جو اسلام کے دامن پر نظر آ رہے ہیں (نعرۂ حیدری) ہے

اب آپ قرآن کی آواز سنیے جو میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں!

قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

(سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے' دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے' دین کے معاملے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ ہم کسی کو منوائیں زبردستی کہ مان لو۔ طاقت استعمال کریں' قوت استعمال کریں' اسلحہ استعمال کریں۔ یہ دین نہیں ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۲۵۶)

"دین کے معاملے میں کوئی جبر' کوئی زبردستی اور کوئی اکراہ نہیں ہے۔"

پھر کیا ہے؟

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۲۵۶)

"ہدایت' نیکی اور اچھائی کے راستے کو برائی' گم راہی اور خرابی کے راستے سے الگ کر کے دکھا دیا ہے۔"

مذہب کا کام یہ ہے کہ آپ کو دو راستے بتا دے اور یہ سمجھا دے کہ یہ راستہ اچھائی کی طرف جاتا ہے' یہ راستہ برائی کی طرف جاتا ہے' یہ راستہ انسانیت کا راستہ

ہے اور یہ راستہ درندگی کا راستہ ہے اور اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ آپ اپنے پیروں سے اچھائی کے راستے کی طرف جائیے' چاہے آپ اپنے پیروں سے برائی کے راستے کی طرف جائیے۔

ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ اچھائی مذہب کا جو تصور اور جو مذہب اور دین کا تصور ہے وہ یہ ہے کہ جو اچھائی کے راستے پر چلے گا اس کا انجام ہے جنت اور جو برائی کے راستے پر چلے گا اس کا انجام ہے جہنم۔ خود سے چلو تاکہ جنت میں جا کر شرماؤ' نہ کہ زبردستی آ گئے یہاں حالاں کہ ہم اس کے قابل نہ تھے اور جہنم میں جا کر پچھتاؤ نہ کہ ہم کو زبردستی بھیج دیا گیا حالاں کہ ہم یہاں کے لائق نہ تھے۔ چاہے نیکی کے راستے پر جاؤ' چاہے بدی کے راستے پر جاؤ' دین کے راستے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ اب جہاں جہاں جبر ملے' زبردستی ملے وہاں دین نہیں ہے اور جہاں زبردستی نہ ملے وہاں دین ہے۔ اب ساری دنیا میں اسلام کی طرف سے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر آپ کو اصل اسلام پہچاننا ہے تو یہ کسوٹی رکھیے اپنے پاس کہ اگر آپ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے مذہب کے نام پر تو پہچان جائیے کہ مذہب نہیں ہے اور اگر بات بتا کر آزاد چھوڑے جا رہے ہیں آپ تو پہچان جائیے کہ یہ مذہب ہے۔

اب سنیے ہم کربلا کیوں کہتے ہیں! یزید دباؤ بڑھا رہا تھا حسینؑ پر۔ یہ دباؤ دین نہیں ہے' فوجیں آ رہی ہیں' لشکر آ رہا ہے' پانی بند کیا جا رہا ہے' بچے قتل کیے جا رہے ہیں۔ یہ اکراہ ہے' جبر ہے' دباؤ ہے۔

یزید دباؤ کیوں بنا رہا تھا؟ اس لیے کہ میری بیعت کرلو۔ اس کا یہ دباؤ بتاتا ہے کہ دین نہیں تھا تو نبیؐ کا نواسا بے دین کی بیعت کیا کرتا (نعرۂ حیدری)۔

توجہ! کربلا کے واقعہ میں، جو بھی کربلا کے واقعات سنتا ہے وہ لفظ بیعت سے واقف ہے۔

بیعت کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ بیعت کا مطلب ہوتا ہے بیچ ڈالنا یعنی اپنے آپ کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔

جب کوئی خرید لیتا ہے کسی کو تو اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ جس چیز کو آپ نے خرید لیا آپ اس کے مالک ہو گئے۔ اب جس طرح چاہیں آپ اسے استعمال کریں آپ کو حق ہے۔

بیعت کا مطلب یہ ہے مذہب میں اسلام میں کہ جس کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کرلی اس کا مطلب اپنا دین، اپنا عقیدہ، اپنا ایمان اس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اب جو وہ حکم دے آپ کو ماننا ہوگا۔ یزید کا بیعت کے لیے دباؤ ڈالنا قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۂ مبارکہ بقرہ، آیت ۲۵۶)

معلوم ہوا کہ یزید جو بات حسینؑ سے منوا رہا تھا بنام بیعت وہ دین نہیں تھی۔

اب آیئے! اسی تصویر کو پلٹ کر دیکھیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو عاشور کی رات جمع کر کے کہا کہ میں اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھاتا ہوں جس کا جہاں دل چاہے چلا جائے۔ ایک بیعت کے لیے لشکر جمع ہو

رہے ہیں' ایک بیعت گردنوں سے ہٹائی جارہی ہے۔ اب آپ پہچان جائیے کہ دین کدھر ہے' کدھر نہیں:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۲۵۶)

''دین میں کوئی جبر نہیں۔''

جہاں زبردستی دکھائی دے' جہاں طاقت دکھائی دے' جہاں دھمکیاں دی جائیں وہ دین نہیں ہے۔ میں اس سے زیادہ واضح قرآن کی دوسری آواز سناتا ہوں' مضمون یہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''شروع کرتا ہوں اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔''

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۱)

''اے ہمارے رسولؐ! کہو کہ اے کافرو! یعنی اے اسلام کے نہ ماننے والو! اے محمدؐ کو رسول نہ ماننے والو! اے خدا کو خدا نہ ماننے والو! اے اسلام کو اصلی مذہب نہ ماننے والو!''

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۲)

''ہم ان کی عبادت نہیں کرتے جن کی تم کرتے ہو۔''

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۳)

''اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی ہم کرتے ہیں۔''

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۴)

"اور نہ ہم ان کی عبادت کرنے والے ہیں جن کی تم کر رہے ہو۔"

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۵)

"اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی ہم کرتے ہیں۔"

دیکھیے! فرق کھل کر سامنے آ گیا۔

کیا مطلب ہوا؟ یہ تو اختلاف کی بات ہوئی' یہ تو مسئلہ ہے۔ دو گروپ ہیں ایک اللہ کے آگے سجدہ کر رہا ہے' ایک بتوں کو سجدہ کر رہا ہے۔ اللہ پر ایمان لا رہا ہے' ایک بتوں پر یقین کر رہا ہے۔

اب ہو کیا؟ لڑائی ہو؟ سر کٹیں؟ جانیں جائیں؟ ایک دوسرے کا خون پی جائیں؟

اب دیکھیے اسلام حل کیا نکالتا ہے؟

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۶)

"تم اپنے دین پر رہو ہم اپنے دین پر رہیں۔"

نہ تم ہم کو ستاؤ' نہ تم کو ہم ستائیں۔ نہ تم ہمیں پریشان کرو' نہ ہم تمھیں پریشان کریں۔ نہ تم ہم کو چھیڑو' نہ ہم تمھیں چھیڑیں۔ نہ ہم تمھیں بُرا کہو' نہ ہم تمھیں بُرا کہیں۔ تم جس کو مانتے ہو اس کے مانے جاؤ' ہم جس کو مانتے ہیں اس کے مانے جائیں۔

عزیزانِ گرامی! یہ معاملے بڑے لمبے ہیں اور کبھی کبھی ٹھنڈے دل سے سوچیے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۶)

"تم اپنے دین پر رہو ہم اپنے دین پر رہیں۔"

یقین مانیں آپ کہ جب اسلام کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ سرورِ کائناتؐ نے مکہ کو فتح کیا تو مکہ سے ان کی بہت یادیں وابستہ تھیں۔ مکہ والوں نے ان کے قتل کے بندوبست کیے تھے۔ مکہ والوں نے ان کے عزیزوں کی لاشیں ان کے سامنے رکھی تھیں۔ مکہ والوں نے ان کے ماننے والے کو نیزے مار مار کر مار ڈالا تھا۔ مکہ والوں نے ان کے ساتھ بہت ظلم کیے تھے۔ مکہ والے کئی مرتبہ لشکر لے کر ان سے لڑنے آئے تھے۔ جب وہ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو اگر کوئی دوسرا ہوتا' کوئی بادشاہ ہوتا' کوئی سلطان ہوتا تو وہ کیا کرتا؟ وہ پہلے شہر کو خون سے دھوتا' پہلے پکڑ پکڑ کر ہر ایک سے انتقام لیتا۔ پہلے خوب ان کو ذلیل کرتا' اس کے بعد امن وامان کی بات کرتا۔ اسلام کے چہرے کو شہنشاہیت نے داغ دار بنا دیا۔ اسلام کے فلسفے کو جاہلوں نے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اسلام کی خوب صورتی کو کٹھ ملائیت نے بدصورتی میں بدل دیا۔

میرے دوستو! تاریخ میں یہ واقعہ ہمیشہ یاد رہے گا کہ دنیا میں جب بھی رسولؐ اللہ سے پہلے یا رسولؐ اللہ کے بعد' چودہ سو برس تاریخ تو کل کی بات ہے رسولؐ سے پہلے مکہ میں بہت سے فاتح داخل ہوئے ہیں لیکن جب بھی داخل ہوئے ہیں ننگی تلواریں لہراتے ہوئے داخل ہوئے ہیں اور شہر کے لوگ فاتحین کے قدموں پر گر کر امان کی بھیک مانگ رہے ہوتے اور رسولؐ کے بعد بھی بہت سارے فاتح مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور انھوں نے بھی شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کا اکیلا فاتح تھا اسلام کا رسولؐ جو مکہ

میں خود سفید پرچم لیے ہوئے داخل ہوا اور اعلان کر دیا کہ ہم بدلہ لینے نہیں آئے بلکہ ہم تو معاف کرنے آئے ہیں جو اسلحہ اُتار کر گھر سے نکلے اس کے لیے امان ہے۔ جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے اس کے لیے امان ہے۔ جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائے اور اپنے بدترین دشمن کا نام لے کر کہا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اس کے لیے امان ہے۔

اس کی مثال ہے تاریخ میں کوئی؟ اسلام پر تبصرہ کرنے والے' اسلام پر مضمون لکھنے والے' اسلام پر کتابیں لکھنے والے بادشاہوں کی زندگی دیکھ کر کتابیں لکھتے ہیں' محمدؐ کی زندگی دیکھ کر کتابیں نہیں لکھتے۔

عزیزان گرامی! آپ مجھے ایک واقعہ بتا دیجیے رسولؐ کی زندگی کا کہ جب ان کے پاس طاقت آ گئی تھی' جب ان کی حیثیت ایک حکمران کی تھی مکہ فتح کرنے کے بعد ایک واقعہ دکھایئے مجھے' دو نہیں' تو نہ سو دو سو جوانوں کو بھگوئے' کسی کافر کے ہاں بھیجا ہو کہ پکڑ لاؤ اس کو کہ اس نے ابھی تک کلمہ نہیں پڑھا ہے۔ مذہب کا یہ تصور نہیں ہے کہ زبردستی کلمہ پڑھاؤ۔ اس سے جسم تو مسلمان ہوتا ہے' دل مسلمان نہیں ہوتا۔

عزیزان گرامی! اسلام ذہنی انقلاب کا نام ہے' مذہب انسان کی سوچ تبدیل ہو جانے کا نام ہے۔ جسم مسلمان ہوا تو کیا ہوا' ظاہر مسلمان ہوا تو کیا ہوا۔ ہم نے لمبا جبہ پہن لیا تو کیا ہم نیک ہو گئے اور کوٹ پتلون پہن لیا تو بدمعاش ہو گئے۔

ارے صاحب! اندر سے آدمی کو دیکھیے' کپڑوں کو نہ دیکھیے۔ یہ جو پوری

آتی ہے سیمنٹ کی معمولی اگر اس میں سونا بھر دیجیے تو بھی ملین کی ہے اور بہترین مخمل کا ایک بستر بنوایئے اور اس میں کوئلے بھر دیجیے۔

عزیزان گرامی! مذہب کپڑوں کو نام نہیں ہے مذہب دل کا نام ہے۔

دیکھیے! عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

اللہ ایک ہے یہ دل میں رہتا ہے۔ وہ عادل ہے۔ یہ بات دل میں رہتی ہے۔ اس نے ہماری ہدایت کے لیے رہبر بھیجے ہیں جو پیغمبر ہیں بات دل میں رہتی ہے۔ پیغمبر کے بعد ہدایت امام کا کام ہے۔ امامت یہ عقیدہ دل میں رہتا ہے۔ ایک دن قیامت آئے گی جس دن ہم کو امتحان دینا ہوگا' یہ عقیدہ دل میں رہتا ہے تو اگر دل میں عقیدے سما گئے تو آپ مومن ہیں اور اگر دل میں عقیدے نہیں اُترے محض آپ کی مروت میں' ان کی مروت میں۔ اُن کی مروت میں عقیدہ رکھ لیا اور کہا کہ آپ صحیح فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ چیک تو دے رہے ہیں لیکن بینک میں کچھ ہے ہی نہیں۔ چیک کاٹ کے دیا دس لاکھ روپے کا' جب بینک گئے تو معلوم ہوا کہ اکاؤنٹ میں ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔ چیک تو کیش ہوگا نہیں اُلٹا کیس کرے گا۔

قیامت کے دن جن کے دل نہیں بدلے ہیں ان کا انجام یہی ہوگا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزان گرامی! مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے اس لیے مذہب میں جو جہاد ہے وہ ہمیشہ دفاع ہے۔ evincive نہیں ہے۔ مذہب میں جو جہاد ہے جو آج کی دنیا میں بہت بدنام ہو چکا ہے۔

دیکھیے! کٹھ ملائیت سے اللہ بچائے (آمین) اسلام کا اصلی دشمن ہے یہ کٹھ ملائیت۔ آج ہمیں حیرت ہوتی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ ہم سنتے ہیں بعض کٹھ ملاؤں کے بیانات اخباروں میں کہ ایسا ہو ورنہ ہم جہاد declare کر دیں گے۔ اس سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ اس سے آپ کا مذہب بدنام ہو رہا ہے۔ آپ کو ہوش نہیں آ رہا ہے۔

دیکھیے! جہاد ایک عبادت کا نام ہے۔ فروعِ دین پڑھے ہیں آپ نے؟

① نماز ② روزہ ③ حج ④ زکوٰۃ

⑤ خمس ⑥ جہاد

جہاد اس فہرست میں ہے جس میں نماز ہے روزہ ہے حج ہے۔ میں مثال دے رہا ہوں اصلی بات نہیں ہے۔ بعض اوقات یہ میری مثالیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔

بھئی! بہترین عالم دین ہیں ناصری صاحب، اللہ انھیں سلامت رکھے (آمین) اور بہت بڑے عالم ہیں مقدس آدمی ہیں۔

میں مثال دے رہا ہوں یہاں کی نہیں! ایک مسجد میں ایک صاحب نماز پڑھاتے تھے انھوں نے مسجد کی کمیٹی والوں سے کہا: صاحب! میں جس گھر میں رہتا ہوں اس کے دو کمرے ہیں مجھے چار کمروں والا گھر چاہیے اور مجھے ایک گاڑی اور ایک ڈرائیور چاہیے اور جو ہدیہ ہے اس کو کم از کم تین گنا بڑھائیے اور آپ نے اگر ایسا نہیں کیا تو کل سے مسجد میں سترہ رکعت کو چونتیس رکعت declare کر

دوں گا۔ چار رکعت سویرے کی پڑھنا پڑے گی' آٹھ رکعت ظہر کی' آٹھ رکعت عصر کی' چھ رکعت مغرب کی اور آٹھ رکعت عشا کی اور دو مہینے کے روزے declare کردوں گا۔

ماہِ رمضان اور ماہِ شعبان دو مہینے روزے رکھنا پڑیں گے ورنہ میرے مطالبات مانیے۔ انھوں نے کہا: میں دو دفعہ حج declare کردوں گا۔ جو لوگ ایک دفعہ حج کرچکے ہیں ان کو ایک دفعہ اور حج کرنا پڑے گا۔

کیا کسی عالم' مولوی' مجتہد کے اختیار میں ہے یہ بات کہ وہ نماز declare کرے' روزہ declare کرے' حج declare کرے؟

نہیں! جب یہ نماز' روزہ اور حج declare نہیں کرسکتے تو جہاد کیسے declare کرسکتے ہیں۔

آج ان باتوں سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ بے شک جہاد ہے ہمارے مذہب میں' ہم شرماتے نہیں ہیں مگر جہاد کیسے ہے۔ اگر حق و صداقت ہے تو زبان سے جہاد' نصرت حق زبان سے کرنا یہ بھی جہاد ہے۔ اگر کسی نے کتابیں ہمارے خلاف لکھی ہیں ہم جواب لکھ رہے ہیں تو اس کو کہتے ہیں جہاد بالقلم، قلم سے جہاد ہے۔ دینی ضرورتوں کے لیے پیسہ خرچ کرنا' یہ مال سے جہاد ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس جہاد کا تذکرہ ہے:

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (سورۂ مبارکہ حجرات: آیت ۱۵)

''جو لوگ اپنے نفسوں سے جہاد کرتے ہیں اور اپنے مالوں

سے جہاد کرتے ہیں۔"

جہاد ایک کش مکش جو ہوتی ہے نیکی اور بدی کے بیچ میں اس کا نام ہے۔ جہاد تلوار سے ہی نہیں ہے خالی' جہاد دو جذبوں کے ٹکراؤ کا نام ہے۔ جیسے جنگ رزمیہ تلوار ہی سے خالی نہیں ہوئی۔ جو لٹریچر سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں۔ جہاد تو روز ہوتا ہے ہمارے اندر۔ دو بجے سوئے رات کو' اذان سے آنکھ کھلی' ایک طاقت کہہ رہی ہے کہ اُٹھ کر نماز پڑھو' یہ لشکر اسلام ہے۔ ایک طاقت کہہ رہی ہے سوئے رہو' بعد میں قضا پڑھ لینا' یہ لشکر کفر ہے۔ آپ پلنگ پر لیٹے ہیں جہاد ہو رہا ہے۔ آپ اگر اُٹھ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھ لی تو لشکر اسلام جیت گیا اور لشکر کفر ہار گیا اور اگر کروٹ لے کر سو گئے تو لشکر کفر جیت گیا' لشکر اسلام ہار گیا۔

عزیزانِ گرامی!

تلوار کا جہاد جو ہے وہ ہمیشہ دفاعی ہے' evincive نہیں ہے اس لیے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے بعد اور لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کے بعد آپ آگے بڑھ کر کسی پر حملہ نہیں کر سکتے۔ چناں چہ جہاد کا نمونہ کوئی بادشاہ نہیں بنے گا۔ جہاد کا نمونہ سرورِ کائنات بنیں گے۔

جہاد کو پہچانیے! رسولؐ کے زمانے میں جہاد کو دیکھیے!

ہم رہتے ہیں یہاں مغل مسجد کے پاس' آپ رہتے ہیں تھوڑی دیر والی مسجد کے پاس۔ ہم میں اور آپ میں ہوئی لڑائی' اگر آپ والی مسجد کے پاس لڑائی لڑی گئی تو ہم یہاں سے وہاں تک گئے تو آپ گھر سے نکل کر لڑے ہم سے اور اگر مغل

مسجد کے آس پاس لڑائی لڑی گئی تو آپ وہاں سے یہاں آ گئے۔

ہے نا سامنے کی بات؟ سوال یہ ہے کہ مکہ و مدینہ میں جو تین لڑائیاں ہوئیں رسولؐ سے اور کافروں سے بدر، اُحد، خندق یہ مکہ کے پاس لڑی گئیں یا مدینہ کے پاس؟

اگر مدینہ کے پاس لڑی گئیں ہیں تو کافر آئے لڑنے اور رسولؐ نے دفاع کیا۔ اگر مکہ کے پاس لڑی گئی ہیں تو رسولؐ چل کر گئے، کافروں نے دفاع کیا۔

عزیزانِ گرامی! تینوں لڑائیاں مدینہ کے آس پاس لڑی گئی ہیں بلکہ بدر، اُحد اور خندق تو بالکل مدینہ ہی میں لڑی گئیں۔

عزیزانِ گرامی! جہاد جو ہے یہ دفاعی ہے۔ انشاء اللہ زندگی رہی تو باقی گفتگو کل ہوگی۔ آج تو صرف اتنا عرض کردوں آپ سے کہ جہاد کی تعریف اپنے مقام پر، کسی پر زبردستی تلوار نہیں چلائی گئی۔ کسی پر ظلم نہیں ہوا۔ لیکن جہادِ کربلا جو ہے وہ اپنی نوعیت کا اکیلا واقعہ ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر صبحِ قیامت تک نہ اس سے پہلے کبھی ہوا ہے نہ اس کے بعد کبھی ہوا ہے۔ یہ لڑائی جو حسینؑ نے لڑی نہ سیاسی لڑائی تھی، نہ ملوکیت کی لڑائی تھی (نعرۂ حیدری)۔

سنئے! وہ لڑائیاں جو ملوکیت کے لیے لڑی جاتی ہیں، وہ لڑائیاں جو سلطنت کے لیے لڑی جاتی ہیں، وہ لڑائیاں جو سیاسی مقاصد کے لیے لڑی جاتی ہیں اس میں اقتدار حاصل کرنے کے لیے، فوجیں جمع کرنے کے لیے پیسہ اکٹھا کرنے کے لیے انتظامات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ نے بھی جو جہاد کیے ہیں اس میں بھی فوجیں جمع کی

ہیں لڑنے کے لیے لوگ بھرتی کیے ہیں۔ واقعات بڑے ہیں رسولؐ کی لڑائیوں کے۔ ایک صحابی کہتے ہیں: میں کمسن تھا مجھے ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں لشکر میں نہ لیا جاؤں۔ جب میں رسولؐ کے سامنے پہنچا تو پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا تا کہ میرا قد اونچا لگے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں باقاعدہ بھرتی ہوتی تھی۔ حق کے لیے لڑتے تھے اسلام کے لیے لڑتے تھے' دین کے لیے لڑتے تھے۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ رسولؐ پیسے کا بھی انتظام کرتے تھے' لشکر کا بھی انتظام کرتے تھے۔ پیسہ نہیں ہوتا تھا تو قرض لیتے تھے۔ تاریخ میں ہے کہ مولا علی علیہ السلام کو وصیت کی تھی دنیا سے جاتے وقت کہ میں نے لشکر بھیجنے کے لیے فلاں سے اتنا قرض لیا ہے میرے بعد ادا کر دینا اور مولا علی علیہ السلام نے وہ قرض ادا کیا۔ مطلب یہ سب ہوتا تھا لیکن کربلا کی لڑائی کی نوعیت دوسری ہے۔ آپ کربلا کی لڑائی کو کسی اور لڑائی پر قیاس نہیں کر سکتے کہ یہ کیا ہے' حسینؑ لڑنے کے لیے نہیں نکلے وہ مدینہ میں خاموش بیٹھے تھے مسجد النبیؐ کے گوشے میں بیٹھ کر عبادت کر رہے تھے جس وقت پر دباؤ ڈالا گیا مدینہ کے گورنر کے ذریعے کہ آپؑ یزید کی بیعت کیجیے یعنی ایسے شخص کے ہاتھوں اسلام کو بیچ ڈالیے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محض اس بنیاد پر کہ اس کے پاس طاقت ہے' وہ بادشاہ ہے' وہ حکمران ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مطالبہ یہ تھا کہ مذہب شہنشاہیت کے آگے جھک جائے۔ حسینؑ نے بیعت نہیں کی۔ مذہب کو بادشاہت کے ہاتھوں نہیں بیچا' دین کا سودا نہیں کیا اور ادھر سے مکہ چلے آئے۔ مکہ

جائے امن ہے۔ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام کو سیاسی لڑائی لڑنا ہوتی تو مکہ میں وہ لشکر جمع کرتے' مکہ میں وہ فوجیں جمع کرتے' مکہ میں جگہ جگہ وہ لوگوں کو خطوط لکھتے اور اپنے سفیر بھیجتے' اپنے خاندان کی عظمت یاد دلاتے' اپنے نانا' اپنی ماں' اپنے باپ' اور بھائی' بزرگوں کا واسطہ دیتے اور قبائل عرب سے کہتے کہ آؤ میری مدد کرنے کے واسطے۔ لیکن یہ اس وقت ہوتا جب حضرت امام حسین علیہ السلام حکومت چاہ رہے ہوتے۔ وہ مکہ میں خاموشی سے عبادت کرتے رہے۔ ان کے پاس خطوط آتے رہے کوفہ والوں کے کہ آپ' ہمارے ہاں آئیے ہماری فصلیں لہلہا رہی ہیں' ہماری نہریں چھلک رہی ہیں' ہماری مالی حالت بہت اچھی ہے' ہم آپ' کی مدد کریں گے۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نہیں گئے۔ خطوط کا جواب نہیں دیا۔ آخری خطوط میں یہ لکھا گیا کہ اگر آپ' نہیں آئیں گے تو قیامت کے دن ہم خدا سے شکایت کریں گے کہ ہم نے ہدایت کے واسطے پکارا مگر نبیؐ کے نواسے نے جواب نہیں دیا۔ جب اس مضمون کے خطوط آئے تو آپ' نے حضرت مسلم علیہ السلام کو بھیجا اور یہ سیاست امام حسین' کا بڑا کارنامہ ہے کہ خود جانے سے پہلے حضرت مسلم علیہ السلام کو بھیجا اور اتنا پہلے بھیجا کہ حرؑ کے لشکر کے ملنے سے چار دن پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خبر شہادت مسلمؑ مل گئی اور جب خبر شہادت مسلمؑ ملی ہے اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کے راستے کھلے تھے' چاہتے تو مکہ پلٹ جاتے' چاہتے تو مدینہ چلے جاتے' چاہتے تو یمن چلے جاتے' چاہتے تو بحر احمر کی طرف مڑ جاتے اور افریقہ نکل جاتے اور چاہتے تو ہندوستان چلے جاتے۔ جدھر چاہتے چلے جاتے

لیکن اس کے بعد بھی اسی راستے پر چلتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ملک لینے نہیں جا رہے تھے بلکہ شہادت دینے جا رہے تھے۔

## ذکرِ مصائب: شہادتِ شہزادہ قاسمؑ

عزیزانِ گرامی!

نہ فوج ہے' نہ لشکر ہے بلکہ ہر منزل پر یہ اعلان ہے کہ مجھے شہادت قبول ہے۔ جو موت پر صبر کر سکتا ہو وہ میرے ساتھ چلے۔

مکہ میں حج کا زمانہ آیا۔ حاجیوں کی بھیڑ اکٹھا ہونے لگی۔ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقصد سیاسی ہوتا تو اس سے بڑا سنہری موقع اور کوئی نہ ہوتا۔ ہر قبیلہ' ہر علاقہ' ہر قوم کا آدمی مکہ میں حج کرنے آ رہا تھا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اتنی ہلکی نہ تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے آدمی متاثر نہ ہوں۔ رسولؐ کے نواسے تھے' علیؑ و فاطمہؑ کے جگر گوشے تھے' حسن مجتبیٰؑ کے بھائی تھے۔ حسینؑ سے کمتر درجے کے لوگوں نے لاکھوں کے لشکر جمع کر لیے۔ حسینؑ تو حسینؑ تھے مگر ایک دن آٹھویں ذوالحجہ کو وہ ایک اعلان کر کے مکہ سے چلے گئے کہ حاجیوں کے لباس میں میرے قاتل آئے ہوئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس زمین پر میرا خون بہے اور اس زمین کا تقدس پامال ہو۔

عزیزانِ گرامی! سوچنے کی بات ہے! وہ اپنے حج کو عمرے میں بدل کر ایک محفوظ مکان میں بھی بیٹھ سکتے تھے' جہاں ان تک کوئی نہ پہنچے اور ان کی جان

محفوظ رہتی اور وہاں وہ اپنی پسند کے لوگوں کو اپنے لوگوں کی نگرانی میں بلا بلا کر ان سے باتیں کرتے رہتے لیکن یہ اس وقت ہوتا جب ان کا مقصد حکومت ہو اور مکہ میں جب وہ داخل ہوئے تو کہتے ہوئے حرم میں آئے تھے کہ

"موت میری گردن سے یوں لپٹی ہے جیسے عورت کی گردن پر گلوبند چمٹا ہو۔"

عزیزانِ گرامی! حسینؑ ابن علیؑ شہادت کے لیے جا رہے تھے۔ ہر مؤرخ کو چاہیے ہر تذکرہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ کربلا کے واقعہ کی تفصیل پڑھے اس کے بعد کربلا پر تبصرہ کرے۔

کربلا کی لڑائی اپنی نوعیت کی اکیلی لڑائی تھی جہاں فوجیں فوجوں سے نہیں لڑیں۔ اگر ہم دشمن کا کہنا مان لیں اور جو تعداد حسینؑ کے بدترین دشمنوں نے لکھی ہے لشکر یزید کی وہ ہی قبول کر لیں تو وہ تیس ہزار ہے۔ وہ تعداد جو بہت گھٹا کر لکھی گئی ہے اور ان لوگوں نے لکھی ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف تھے۔ انھوں نے لشکر یزید کی تعداد تیس ہزار لکھ دی (لشکر یزید کی تعداد کتنی تھی اس کے لیے مزید معلومات کے لیے رجوع کریں کتاب "سعادۃ الدارین"، ص ۳۱۸ کی طرف)۔

میں ساری دنیا کے امن پسندوں سے اپیل کروں گا کہ بہتر افراد تیس ہزار سپاہیوں سے کتنی دیر تک لڑ سکتے ہیں جب کہ ان بہتر افراد میں اسی برس کے بوڑھے بھی ہیں اور چھ مہینے سے لے کر تیرہ برس تک کے بچے بھی ہیں۔ وہ تیس

ہزاروں کی فوج کے سامنے کتنی دیر ٹھہریں گے؟

آپ فوجیوں سے پوچھیے جو فوج میں رہے ہیں۔ ان سے پوچھیے اور وہ بھی کسی پہاڑی گھاٹی میں نہیں بیٹھے ہیں کہ ان تک کسی کا تیر نہ پہنچے۔ ہتھیلی کی طرح کھلے میدان میں ہیں۔

عزیزانِ گرامی! کربلا کی لڑائی کیا تھی؟ کربلا کی لڑائی، لڑائی نہیں تھی، کربلا کی لڑائی دنیا کا ایک ایسا واقعہ تھا جس کے لیے بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ جہاں نیزہ سینے سے لڑ کر ٹوٹتا ہے، جہاں تیر گلے سے لڑ کر بیکار ہوا ہے، جہاں خنجر گردن سے لڑ کر ہارا ہے۔

فوجیں فوجوں سے لڑتی ہیں، لشکر لشکر سے لڑتے ہیں، تلواریں تلواروں سے لڑتی ہیں، نیزے نیزوں سے لڑتے ہیں۔ کربلا میں یہ لڑائی نہ تھی بلکہ کربلا میں نیزے جوانوں کے سینوں سے لڑ رہے تھے۔ خنجر گل بدنوں کے جسموں سے لڑ رہے تھے۔ تلواریں جوانوں کے شانوں سے لڑ کر ٹوٹ رہی تھیں۔ تیر چھ مہینے کے بچوں کی گردنوں سے لڑ کر ٹوٹ رہے تھے۔

آج ساتویں رات آ گئی ہے! کسی تیاسی لڑائی میں تیرہ سال کے بچے کو جاتے دیکھا ہے آپ نے؟

حسینؑ اپنے بھتیجے کو بڑے پیار سے پال رہے تھے اور اس شہزادےؑ کا باپ جب دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو بچے کے بازو پر تعویذ باندھ دیا تھا اور فرمایا:

میرے لال! جب کسی ایسی مصیبت میں پھنسنا کہ کوئی نہ سمجھ میں آ رہا ہو تو اس تعویذ کو کھول لینا اور پڑھ لینا۔

عزادارو! تعویذ ہمارے یہاں بھی باندھے جاتے ہیں مگر حفاظت کے لیے' اس لیے کہ بچے زندہ رہیں' سلامت رہیں' ہر بلا' ہر آفت اور ہر حادثے سے محفوظ رہیں۔ تعویذ فاطمہؑ کے گھر میں بھی بندھا مگر حفاظت کے لیے نہیں شہادت کے لیے بندھا' زندہ رہنے کے لیے نہیں مرنے کے لیے بندھا' اسلام پر قربان ہونے کی اجازت مل جائے۔

ہر شہید کو اجازت مل رہی تھی' جب قاسمؑ آئے تھے تو حسینؑ منع کرتے تھے۔ قاسمؑ کو بڑی فکر ہوئی' پھر اس عالم میں باپ کا باندھا ہوا تعویذ یاد آیا۔ تعویذ کو بازو سے کھولا۔ وہ تعویذ نہیں تھا وہ خط تھا' باپ کا خط تھا بیٹے کے نام۔ اس میں لکھا تھا:

"میرے لال قاسمؑ! جب میرا بھیا حسینؑ مصیبت میں گرفتار ہو تو تم اپنا سر نثار کر دینا۔"

قاسمؑ نے خط پڑھا مژدۂ زندگی مل گیا۔ چچا کے پاس آئے' باپ کا خط پیش کیا۔ بھائی نے بھائی کی تحریر پہچانی' حسینؑ کو حسنؑ یاد آئے۔ روایت میں ہے کہ قاسمؑ کو گلے لگا کر حسینؑ بہت روئے۔

حدیث میں ہے کہ کسی مجاہد کو بھیجتے وقت امام عالی مقامؑ اتنا نہیں روئے ہیں جتنا قاسمؑ کو رخصت کرتے وقت روئے۔

حدیث میں ہے کہ کسی مجاہد کو بھیجتے وقت امام عالی مقامؑ اتنا نہیں روئے ہیں جتنا قاسمؑ کو رخصت کرتے وقت روئے۔

رہوار منگوایا گیا' قاسمؑ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ جب جانے لگے تو حسینؑ نے ایک مرتبہ پھر قریب بلایا' گریبان چاک کر دیا، فرمایا: جاؤ میرے لال! خدا حافظ۔ حضرت امام حسن علیہ السلام بہت حسین تھے' قاسمؑ اپنے باپ کی تصویر تھے۔

روایت میں ہے کہ جب قاسمؑ میدان میں آئے تو دشمن کہتے ہیں کہ ایسا لگا جیسے حسینؑ کے لشکر سے چاند کا ٹکڑا نکل آیا ہے۔

عزادارو! جس کو دشمن چاند کہے اسے ماں کیا کہتی ہو گی؟ بہنیں کیا کہتی ہوں گی؟ پھوپھیاں کیا کہتی ہوں گی؟

ہاں عزادارو! تلوار چلا رہے تھے اور فرما رہے تھے: مجھے جانتے ہو میں قاسمؑ ہوں' حسنؑ کا بیٹا ہوں' تلوار چلاتا رہوں گا اور اپنے چچا کے دشمنوں کو قتل کرتا رہوں گا۔

عرب کے نامی گرامی پہلوان ارزق شامی نے اپنے بیٹے بھیجنا شروع کیے۔ قاسمؑ نے ٹکڑے ٹکڑے اس کے چاروں بیٹوں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ لعین خود آیا اور آنے کے فوراً بعد اپنے چاروں بیٹوں کے پاس پہنچ گیا۔ علیؑ کے پوتے نے ٹکڑے ٹکڑے اس کو بھی واصل جہنم کیا اور اس کے بعد تلوار لے کر ٹوٹ پڑے دشمنوں پر۔ تیرہ برس کا بچہ نہیں لڑ رہا تھا بل کہ یہ حسنؑ کے سینے میں گھٹے

ہوئے جذبات تھے جو قاسمؑ کی شکل میں نظر آ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے ایک ظالم نے پہلو پر حملہ کیا۔ قاسمؑ گھوڑے سے گرے، آواز دی: چچا!......

روایت میں ہے کہ حسینؑ بہت تیز گئے مگر قاسمؑ کا لاشہ پامال ہو گیا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے منہ پر منہ رکھا، فرمایا: میرے لال! تیرا چچا آ گیا۔ ایک چٹائی منگوائی شہید کے جسم کے ٹکڑے رکھے۔

اُم فرویؑ ادھر اُدھر لیا آ رہا ہے مگر سیدہؑ کا لال نہ آیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

# مجلسِ نہم

## موضوع: عبدیت محمدؐ

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آلِ عمران: آیت ۱۹)

ارشادِ اقدسِ ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

عزیزانِ محترم! سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا!

ہمارے آپ کے درمیان گفتگو یہ ہے کہ اگر دین، دین کی شکل میں رہے تو دنیا میں پھول برستے ہیں انگارے نہیں برستے۔ دین انسان کو سکون بخشتا ہے' اطمینان بخشتا ہے' زندگی بخشتا ہے لیکن جب دین کے نام پر دنیا کے کھیل شروع ہو جائیں اور جب دین کے نام پر ملوکیت' سلطنت کے کاروبار شروع ہو جاتے ہیں تو پھر دین پر الزام لگنے لگتے ہیں اور دھبے دوسروں کے دامن کے ہوتے ہیں مگر منسوب کر دیئے جاتے ہیں دین کی طرف۔ دین آج اتنا ہی ضروری ہے جتنا آج سے چودہ سو برس پہلے تھا۔

کبھی کبھی لڑکے یہ سوال کرتے ہیں: آج دین کیوں؟

دین دوا ہے' دوا کے لیے "کیوں" کا سوال نہیں ہے۔ جب تک بیماری ہو

تب تک دوا ہے۔ اگر بیماری اچھی ہو جائے تو دوا کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب تک بیماری ہے تب تک دوا کی ضرورت ہے۔ آج سے چودہ سو برس پہلے انسانیت جن بیماریوں میں مبتلا تھی جب اسلام آیا تھا اگر وہ بیماریاں ٹھیک ہو گئی ہیں تو دوا کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ بیماریاں آج بھی باقی ہیں تو جس دوا نے کل ان بیماریوں کو ٹھیک کیا تھا آج اگر وہی دوا استعمال ہو تو کیا بُرا ہے۔ نئی دوا تجویز کرنے سے بہتر ہے کہ پرانی دوا جو کامیاب ہو چکی ہے' جو فائدہ کر چکی ہے مریض کو وہی دی جائے۔

آج دنیا میں کیا اونچ نیچ کی بیماری ختم ہو گئی ہے؟ کیا دنیا میں سارے انسان برابری کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور انسان کے دل سے یہ شکوہ ختم ہو گیا کہ کچھ اپنے کو نیچا سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے کو اونچا سمجھتے ہیں اور اگر یہ بیماری باقی ہے تو اس مذہب کی ضرورت باقی ہے جس نے ایک صف میں کھڑا کر کے اونچ نیچ کو مٹا دیا۔

کیا آج ذہنی غلامی اور انسان کو انسان نہ سمجھ کر خدمت لینے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور اگر ختم نہیں ہوا ہے تو اس دین کی ضرورت ہے جہاں غلام کو عمدہ کپڑے پہنا کر خود معمولی پہن لیے جاتے تھے یا کنیز کو ایک دن کام کرنے دیا جاتا اور خود ایک دن کام کیا جاتا تھا؟

کیا آج عورتوں پر زیادتی نہیں ہوتی ہے؟

کیا آج جہیز کے لیے لڑکیاں نہیں مار ڈالی جاتی ہیں؟

کیا اُن پر مصیبتوں پر پہاڑ نہیں توڑے جاتے ہیں؟

اخبار پڑھیے!

کیا لڑکیاں نہیں جلادی جاتیں؟

اگر آج بیماری موجود ہے تو اسلام نے جو عزتیں ان کو دی تھیں اور ان کو حقوق دیے تھے اس مذہب کو ہم کیسے بھلادیں؟

آج انسان پر طاقت وَر زندگی تنگ کیے ہوئے ہیں اور زندہ رہنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم آج اسی پیغام کو دُہرائیں جو پیغام آج سے چودہ سو برس پہلے کہہ رہا تھا:

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۶)

"تم اپنے دین پر رہو اور ہم اپنے دین پر رہیں۔"

عزیزانِ گرامی! اصل مسئلہ یہ ہے کہ مذہب کی صحیح تصویر انسانوں کے سامنے آئی ہی نہیں اور اصلی تصویر لوگوں نے دیکھی ہی نہیں۔ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔ دین میں خاص طور سے اسلام میں جو ہمارا دین ہے اس میں ملوکیت و بادشاہت و شہنشاہت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ ہمارے یہاں اللہ بادشاہ ہے ملک کا لفظ قرآن میں اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سلطان وہ ہے بادشاہ وہ ہے مالک وہ ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ (سورۂ مبارکہ ملک: آیت ۱)

"برکت والا ہے وہ اللہ جس کے قبضے میں ملک ہے۔"

ملک بھی وہی ہے' مالک بھی وہی ہے' سلطان بھی وہی ہے اور بادشاہ بھی وہی ہے۔ اسلام کا جو سب سے بڑا آدمی ہے پورے اسلام میں سب سے پہلا نام ہے اللہ کے بعد کس کا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ کس کا نام ہے؟

ضرور جانتے ہیں آپ۔ پورے اسلام میں سب سے بڑا بندہ کون ہے؟

حضرت محمدؐ (صلوات)۔

پورے نظامِ اسلام کا سربراہ' سب سے عظیم' سب کا بزرگ' سب کا بڑا۔ اگر اسلام میں بادشاہت ہوتی تو سب سے پہلے حضرت محمدؐ کو زیب دیتی تھی لیکن اسلام میں بادشاہت نہیں بل کہ عبدیت ہے۔ بادشاہ اللہ ہے' محمدؐ اس کے عبد ہیں اور عبدیتِ محمدؐ اتنی بلند ہے کہ نماز میں ذکرِ رسالت سے پہلے ذکرِ عبدیت ہوتا ہے:

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے عبد اور اس کے رسولؐ ہیں۔''

عزیزانِ گرامی! جس مذہب میں سب سے بڑا جو ہے' سب سے عظیم جو ہے ان کے لیے بادشاہ کا لقب نہیں ہے۔ نہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں بادشاہ ہوں۔ نہ اللہ نے فرمایا کہ تم بادشاہ ہو۔ نہ مسلمانوں نے کہا کہ سرکارؐ بادشاہ ہیں۔ بل کہ تاریخ لکھتی ہے کہ جب اللہ نے اپنے حبیبؐ پر تاجِ رسالت رکھ دیا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا سردار بنا دیا تو وحی آئی کہ میرے حبیبؐ تمھیں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا سردار تو بنا دیا مگر ابھی ہمارے فیض کے دریا کے جوش میں کمی نہیں آئی ہے' ابھی ہم تمھیں ایک عہدہ اور دینا چاہتے ہیں' اسی پر اکتفا نہیں' تاج تو تمھیں

پہنا دیا رسالت عظمیٰ کا مگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک تمغہ آپؐ کو اور دیں۔ ہم جبرئیلؑ کے ہاتھ دو چیزیں بھیجیں گے' دو تمغے بھیجیں گے' ایک لے لینا' ایک ہمیں واپس کر دینا۔

اس وحی کے بعد جبرئیلؑ حاضر ہوئے، عرض کیا: اللہ نے تحفہ درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا ہے: اے ہمارے حبیبؐ! یا تو پوری دنیا کی بادشاہت لے لیجیے بلا شرکت' جہاں تک زمین کا پھیلاؤ وہاں تک آپؐ کی بادشاہت ہو گی بغیر کسی شرکت کے' یا تو پوری دنیا کی بادشاہت لے لیجیے یا ہماری عبدیت لے لیجیے۔

جیسے ہی جبرئیلؑ نے اللہ کا پیغام پہنچایا تو سرکارؐ نے فوراً جواب دیا: جبرئیلؑ! بادشاہت لے جاؤ مجھے نہیں چاہیے' مجھے تو اس کا عبد ہونا ہے۔

اب سنیے! عبدیت جو لے لی محمدؐ نے تو عبدیت اتنی بلند ہوئی کہ نماز میں ذکر رسالت سے پہلے ذکر عبدیت ہے۔

اور آگے آیئے! حضورؐ کے عظیم فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ آپؐ کو معراج ہوئی۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ ہمارا نبیؐ صاحب معراج ہے۔ اللہ نے ان کو معراج پر بلایا۔ جب معراج پر بلایا تو یہ نہیں کہا کہ اپنے رسولؐ کو لے گیا' اپنے حبیبؐ کو لے گیا' اپنے دوست کو لے گیا' اپنے رفیق کو لے گیا۔

کیا کہا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (سورۂ مبارکہ بنی اسرائیل: آیت ۱)

"پاک ہے وہ اللہ جو اپنے عبد کو لے گیا۔"

معلوم ہوا کہ معراج نصیب ہوئی عبدیت کو (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی!

اس گفتگو کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ کسی بچے کے دماغ میں بھی کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جائے گا کہ اسلام میں ملوکیت' شہنشاہیت' بادشاہت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر بادشاہت کی گنجائش ہوتی تو پہلا تاج محمدؐ کے سر پر زیب دیتا تو جب اسلام میں بادشاہت کی گنجائش ہی نہیں ہے تو ملوکیت کے گندے نظام کو اسلام کا نام دینا کہاں تک جائز ہے؟

سرورِ کائناتؐ تشریف لائے اور آنے کے بعد اللہ کا دین پہنچایا۔ جس دین میں انسانوں کی بھلائی تھی' جس دین میں غریبوں کا فائدہ تھا' جس دین میں کم زوروں کی حمایت تھی' جس دین میں عورت' کالے' اُجڑے ہوئے' دبے ہوئے' پریشان' غریب' مصیبت زدہ عوام کے دُکھ درد کا علاج تھا۔

عزیزانِ گرامی! یہ دین انسانوں کی بھلائی کے لیے آیا تھا۔ یہ دین اس لیے نہیں آیا تھا کہ ہم مسلمانوں کی جیب سے نکال نکال کر اپنے لیے محل بنائیں۔ رسولؐ کی تصویر اگر آئینے میں دیکھنا ہے تو علیؑ کو دیکھیے جو کہہ رہے ہیں: جب تمھیں کوئی فاقے کی حالت میں دکھائی دے تو یقین مانیے کہ اس کے حصے کی روٹی کوئی دوسرا کھا رہا ہے اور جب کوئی عالی شان محل دکھائی دے تو یقین مانو کہ اس کے پہلو میں کسی کا حق چھینا گیا ہے۔

عزیزانِ گرامی! افسوس کی بات یہ ہے کہ تاریخ نے اُجاگر کیا ہے

بادشاہوں کے کردار کو اماموں کے کردار کو اُجاگر نہیں کیا اور یہ حکومت کی مصلحتیں تھیں کہ ان کے کردار کو چھپایا گیا۔ اس لیے کہ اگر اماموں کا کردار اُجاگر کیا جاتا تو ناجائز حکومت کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

علیؑ بیٹھے ہیں، علیؑ کے پاس چاہنے والے بیٹھے ہیں۔

دیکھیے! علیؑ کے سرکار میں حکومت کی قیمت کیا ہے، دولت کی قیمت کیا ہے؟

علیؑ بیٹھے ہیں، علیؑ کے چاہنے والے بیٹھے ہیں۔ سامنے دیوار ہے، دیوار پر چیونٹیوں کی قطار چل رہی ہے ان کے منھ میں چھوٹے چھوٹے دانے ہیں۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ چیونٹیاں منھ میں دانہ لے کر چلتی ہیں۔ چیونٹیوں کے منھ میں چھوٹے چھوٹے دانے ہیں جو لیے ہوئے جا رہی ہیں۔ علیؑ غور سے ان کو دیکھ رہے ہیں۔ ایک دفعہ لوگوں کی طرف مڑے، فرمایا: اگر مجھے پوری دنیا کی حکومت بغیر شرکت کے اس شرط پر دی جائے کہ ان میں سے ایک چیونٹی کے منھ سے دانہ چھین لوں۔

توجہ! اگر پوری دنیا کی حکومت اس شرط پر دی جائے کہ ان میں سے ایک چیونٹی کے منھ میں سے دانہ چھین لوں تو علیؑ حکومت کو ٹھوکر مار دے گا، چیونٹی کے منھ سے دانہ نہیں چھینے گا (نعرۂ حیدری)۔

آپ نے اسلام کی تصویر دیکھی کہاں؟ لوگوں کے سامنے اسلام کا جلوہ آیا ہی کہاں؟

وہاں تو خزانوں کے منھ کھلے رہے، دولت کے انبار لگتے رہے، عالی شان

محلوں کو اسلامی آرٹ اور کلچر کا نمونہ بتانے لگا۔

عزیزانِ گرامی! آج ضرورت اس بات کی ہے کہ شخصیتوں کی محبت چھوڑیے یا اسلام کی محبت چھوڑیے۔ پتا نہیں آج تک کیا بات ہے جو اسلام کے اس رُخ کو پیش کرنے سے ہچکچا رہی ہے۔ سرورِ کائنات سرداروں کے خاندان سے تھے مگر کبھی کسی سے غرور سے نہیں ملے۔ بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے مگر ہر ایک سے جھک کر ملتے۔ اَخلاق ایسا پیش کیا کہ زبان سے پھول جھڑتے تھے۔ امانت داری وہ پیش کی کہ جدھر سے گزرے تو آواز آئی کہ وہ دیکھو "امین" جا رہا ہے۔ سچائی ایسی پیش کی کہ ہر ایک کو معلوم تھا کہ سچا جا رہا ہے۔ کردار وہ پیش کیا کہ لوگوں نے کہا کہ قریش کا تارا جا رہا ہے۔

چالیس برس تک اپنے کردار کا لوہا جب منوا لیا تو اللہ کا دین پیش کیا اور جب اللہ کا دین پیش کیا تو وہ جن کے نظام پر ٹھیس لگ رہی تھی انھوں نے دینِ خدا کی مخالفت شروع کی اور وہ جن کو فائدہ ہو رہا تھا انھوں نے اسلام کو قبول کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدا میں جنھوں نے اسلام قبول کیا وہ کم زور لوگ تھے، وہ غریب لوگ تھے، وہ غلام تھے، وہ کنیزیں تھیں، وہ بغیر جتھے والے لوگ تھے۔

مخالفت شروع ہوئی۔ مخالفت میں باپ دادا کے رسم و رواج کا حوالہ دیا گیا۔ خاندانی رسم و رواج کا حوالہ دیا۔ ایک طرف مخالفت میں کچھ لوگ سرگرم تھے جن میں سے زیادہ کا تعلق بنی اُمیہ سے تھا اور دوسری طرف حمایت میں کچھ لوگ سرگرم تھے جن میں سے زیادہ کا تعلق بنی ہاشمؑ سے تھا۔ ویسے تو سبھی بنی ہاشمؑ

سوائے ابولہب کے رسولؐ کے ساتھ تھے اور ابولہب اس لیے مخالف تھا جو ان کی بیوی اُم جمیل ابوسفیان کی سگی بہن تھی لہٰذا وہ ذرا مرید ٹائپ تھے تو مخالف اسلام ہو گئے۔ لیکن بنی ہاشمؑ میں چار شخصیتیں اسلام کی حمایت میں بہت نمایاں تھیں: ایک وہ ابوطالبؑ جو رسولؐ کے سگے چچا تھے۔

سگے چچا کا مطلب کیا؟

ماں اور باپ اِن کے اور اُن کے ایک تھے یعنی حضرت عبداللہؑ اور حضرت ابوطالبؑ کے ماں باپ ایک تھے۔ یہ دونوں الگ الگ ماؤں سے نہیں تھے۔ حضرت ابوطالبؑ بڑے تھے اور حضرت عبداللہؑ چھوٹے تھے۔ دونوں کی ماں ایک تھی اور باپ بھی ایک تھا۔

سرورِ کائناتؐ کو پالا حضرت ابوطالبؑ نے بچپن سے لے کر رسالت کے گیارہ یا بارہ سال تک یعنی ہجرت تک حضرت ابوطالبؑ مدد کرتے رہے سرورِ کائناتؐ کی۔ حضرت ابوطالبؑ کے دو بیٹے جعفرؑ اور علیؑ، رسولؐ کی حمایت میں سرگرم رہے۔ رسولؐ کے ایک اور چچا حضرت حمزہؑ یہ بھی حمایتِ رسولؐ میں سرگرم رہے۔ حضرت ابوطالبؑ چالیس برس تک اپنے بھتیجے کے لیے محافظ بنے رہے اور اس کے بعد بارہ برس تک تبلیغِ اسلام میں مدد کرتے رہے۔ ہجرت سے پہلے حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوطالبؑ کے انتقال سے پہلے حضرت جعفرؑ کو رسولؐ نے حکم دے دیا تھا کہ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ وہ حبشہ چلے گئے اور وہاں کے بادشاہ کو اپنے کردار سے اپنی حمایت میں لے لیا۔ اب دو آدمیوں نے

رسولؐ کے ساتھ ہجرت کی۔ ایک رسولؐ کے چچازاد بھائی علیؑ نے، دوسرے رسولؐ کے چچا حضرت حمزہؑ نے۔ یہ دونوں شمع رسالت کے پروانے بنے رہے۔ یہاں تک کہ جنگ اُحد میں حضرت حمزہؑ شہید ہو گئے۔ اب اکیلے علیؑ تھے جو نصرت اسلام کرتے رہے اور ہر موقع پر سرورِ کائناتؐ کے لیے سینہ سپر بنے رہے۔

عزیزانِ گرامی! علیؑ کی حیثیت اس لیے اہم ہے اسلام میں کہ علیؑ، رسولؐ کے بھائی بھی ہیں، رسولؐ کے داماد بھی ہیں، رسولؐ کے ناصر و مددگار بھی ہیں۔ علیؑ اس لیے بھی اہم ہیں کہ عالم اسلام میں رسولؐ کے بعد اگر کسی نام پر سارے مسلمان ایک ہیں تو وہ اتفاق و اتحاد کا مرکز علیؑ ہیں (نعرۂ حیدری)۔

اسلام میں ہر زمانے میں کچھ ایسے لوگ رہے بقول قرآن جن کے دل میں اسلام نہیں سمایا۔ چناں چہ انھیں لوگوں نے اور آج بھی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ علیؑ کی اختلافی ہے۔ حالاں کہ علیؑ ہی اتفاق و اتحاد کا مرکز ہے اس لیے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ان کو خلیفہ راشدہ کہہ کر یاد کرتا ہے اور مانتا ہے۔ کوئی فرقہ امامِ اوّل کہہ کر مانتا ہے اور کوئی فرقہ پیروں کا پیر کہہ کر مانتا ہے۔ غرض یہ کہ مسلمان جس راستے سے بھی جنت میں جائے وہ راستہ علیؑ سے ہو کر جاتا ہے، علیؑ کو چھوڑ کر نہیں جاتا (نعرۂ حیدری)۔

علیؑ عالم اسلام کے لیے ایک ایسا نمونہ ہیں کہ اگر یہ شخصیت پیش کی جائے تو دنیا کا ہر انسان متاثر ہوگا اس لیے کہ آج چودہ سو برس پرانے ہمارے مذہب کی جو تاریخ ہے اس میں ہمارے پاس آج کی تاریخ میں جو آثار ہیں اس وقت کے

اس میں تین ہی چیزیں ہیں:

ایک تو وہ قرآن ہے۔ جو کلام خدا ہے، جو نازل ہوا ہے چودہ سو برس پہلے۔ اس دور کی سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز جو ہمارے ہاتھ میں ہے وہ قرآن پاک ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے انسانی ہاتھوں میں آیا۔

دوسری چیز جو ہمارے ہاتھ میں ہے حدیث نبویؐ ہے۔ ارشادِ سرورِ کائناتؐ کے مجموعۂ حدیث کی کتابیں ہیں جو اس زمانے کی چیز ہے جس وقت اسلام آیا ہے۔ ایک چیز اللہ سے متعلق ہے۔ ایک چیز رسولؐ سے متعلق ہے۔

اب اس کے بعد جو بزرگان اسلام کا طبقہ ہے اس میں کوئی یادگار کسی کے پاس ہے کہ نہیں تو تاریخ اکیلے علیؑ کا نام لیتی ہے جس کی نہج البلاغہ آج بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم آج بھی غیر مسلم لوگوں کو چودہ سو برس کا کوئی تحفہ دینا چاہیں تو قرآن لیجیے یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ حدیث لیجیے یہ رسولؐ کا ارشاد ہے۔ یہ نہج البلاغہ لیجیے یہ ولی کا کلام ہے۔

اب سمجھے آپ جب یہاں سے وہاں تک تین کتابیں میز پر رکھی ہوں، قرآن اٹھایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

حدیث اٹھائی:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

نہج البلاغہ اٹھائی:

## عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ (نعرۂ حیدری)

یہ علیؑ وہ بزرگ ہیں کہ جنھوں نے رسولؐ کی گود میں پرورش پائی۔ دعوتِ ذوالعشیرہ میں رسولؐ کی نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ پر جان بیچ کر سوئے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو اللہ نے ان کو کچھ عزتیں اور دینِ رسولؐ کی صاحب زادی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے ان کی شادی ہوئی (صلواۃ)۔

اس طریقے سے یہ رسولؐ کے داماد بھی ہو گئے۔ اللہ نے اپنے حبیبؐ کو بیٹے عنایت فرمائے تھے مگر اللہ کی مشیت تھی وہ صاحب زادے بچپن ہی میں رحلت فرما گئے۔ دو بیٹے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے ہوئے تھے۔ ایک صاحب زادہ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ہوا تھا لیکن یہ تینوں بیٹے بہت چھوٹے سے سن میں رحلت کر گئے۔ یہ اللہ کی مرضی تھی، اللہ ہی کو اختیار تھا، حبیبؐ کو بیٹے دیے بھی، لے بھی لیے۔ لیکن اللہ نے رسولؐ کو بیٹی دی۔ جس بیٹی کا رشتہ علیؑ سے ہوا اور اس بیٹی کو اللہ نے دو بیٹے دیے۔ جب بیٹی کو دو بیٹے ملے تو یہ رشتے میں رسولؐ کے نواسے تھے۔ عام طور سے آدمی کی نسل اس کے پوتے سے چلتی ہے نواسے سے نہیں چلتی۔ دستورِ دنیا یہ ہے کہ آدمی کی نسل اس کے بیٹے کے بیٹے سے چلتی ہے، اس کی بیٹی کے بیٹے سے نہیں چلتی۔ لیکن اللہ کو سارے اختیار ہیں جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ اس نے ایک بڑے متنازعہ موقع پر رسولؐ سے کہہ دیا کہ بیٹوں کو بلاؤ۔

اسلام کی تاریخ کا بڑا مشہور واقعہ ہے اور قرآن پاک میں ذکر ہے اس کا

کہ کچھ عیسائی آئے تھے رسولؐ سے بحث کرنے کے لیے۔ ایک جگہ کا نام ہے نجران' عربی میں ہے' وہاں کے لوگ آئے تھے اور اس لیے آئے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ رسولؐ ہیں مگر جب ان کے علاقوں میں اسلام کا چرچا ہونے لگا تو انھوں نے اپنے لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ ہم جاتے ہیں جا کر ان سے بات کریں گے اور دیکھیں گے کہ کیا وہی رسولؐ ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے یا کوئی اور آدمی ہیں۔ اور اگر وہی ہوں گے تو ہم خود بھی مان لیں گے اور تم سے بھی کہیں گے کہ مان لو اور اگر وہ نہیں ہوں گے تو پھر تو بات ہی نہیں ہے۔ یہ تو عوام سے کہا انھوں نے لیکن اندر یہ طے کیا کہ جا کر دو تین دن باتیں کریں گے اور اس کے بعد آ کر کہہ دیں گے کہ ہم مل آئے' ان سے باتیں کر آئے۔ وہ ہم کو قائل نہیں کر پائے' ہم کو مطمئن نہیں کر پائے' یہ وہ نہیں ہیں۔ تا کہ ان کے لوگ بھی کنٹرول میں رہیں تو اس نیت سے آئے تھے وہ۔

تاریخ لکھتی ہے کہ تین باتیں ہوئیں مگر بار تو وہ تین منٹ میں گئے تھے' زبردستی کٹ حجتی کرتے رہے۔ کٹ حجتی کا پوری دنیا میں علاج نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں آپ کوئی بات بتائیں مجھے معلوم ہو جائے گی۔ جانتے ہوئے بحث کروں' اس کا پوری دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

موضوع یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے ہیں کہ خدا ہیں؟ خدا کے بیٹے ہیں' خدائی میں شامل ہیں کہ خدا کے بندے ہیں؟

اسلام یہ کہہ رہا تھا: حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے ہیں۔

عیسائی یہ کہہ رہے تھے: حضرت عیسیٰؑ خدائی میں شامل ہیں، خدا کے بیٹے ہیں۔

جب وہ لوگ گفتگو کرنے بیٹھے تو رسولؐ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کرنا شروع کی کہ حضرت عیسیٰؑ بہت اچھے تھے، بہت عمدہ تھے، کیا کہنا، سبحان اللہ بہت اچھے بزرگ تھے۔ تھوڑی دیر تعریف کرتے رہے۔ یہ لوگ تعریفیں سن سن کر خوش ہوتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا: ایک بات ان کی ہمیں اچھی نہیں لگتی کہ وہ عبادت نہیں کرتے تھے۔

بس! جیسے کہا کہ عبادت نہیں کرتے تھے ویسے ہی وہ سب بگڑ گئے، کہا: ارے صاحب! آپؐ کیسی بات کرتے ہو، ان سے بڑھ کر عبادت کرنے والا اور کون ہوگا، وہ ایسی عبادت کرتے تھے۔

اب انھوں نے دس بارہ قصے ان کی عبادت کے سنا دیے۔ جب انھوں نے عبادت کو تسلیم کرلیا تو رسولؐ نے فرمایا: بھئی! اب بحث کا ہے کی، اگر وہ خدا تھے تو کس کی عبادت کرتے تھے (نعرۂ حیدری)۔

جیسا میں نے کہا کہ ہار تو وہ دو تین منٹ میں گئے تھے مگر پھر وہی کٹ حجتی بحث، اب تین دن کے بعد وہ جانے والے تھے، اب جب جانے والے تھے تو قرآن نے انھیں روکا:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

"میرے حبیبؐ! اس کے بعد بھی یہ کٹ حجتی کریں گے کہ جب آپؐ کے پاس علم آچکا۔" (سورۂ مبارکۂ آل عمران: آیت ۶۱)۔

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ كُمْ وَ نِسَآءَ نَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (سورۂ مبارکہ آل عمران: آیت ۶۱)

دیکھیے!

یہ مطالبہ اگر نصاریٰ کی طرف سے ہوتا کہ آپ اپنے بیٹوں کو لائیے ہم بھی اپنے بیٹوں کو لائیں تو ہم یہ سوچ سکتے تھے کہ انھیں نہیں معلوم ہوگا کہ رسولؐ کے بیٹے نہیں ہیں۔ بھئی! پردیسی ہیں آئے ہوئے ہیں ان کو یہ خبر نہیں ہوگی کہ ان کے یہاں بیٹا نہیں ہے' کل بلایا جا رہا ہے آج آیت آ رہی ہے چوبیں گھنٹے سے کم کا وقت ہے' بیٹا ہے نہیں' دے کر چھوٹے چھوٹے سن میں لے لیے' دشمن کا مقابلہ ہے' غیر کا سامنا ہے۔

معبود! کیسی بات فرما رہا ہے' تُو نے ہی تو لے لیے بیٹے' اب تیرے نبیؐ کے پاس کہاں ہیں بیٹے جو لائیں' فرما رہا ہے بیٹے لاؤ؟

اب دیکھیے سویرے کیا ہوتا ہے؟

جب سویرا ہوا تو بات سمجھ میں آئی کہ شب ہجرت اسی لیے نفس علیؑ خرید کر رکھا تھا کہ یہ دو بیٹے جو علیؑ کے تھے یہ اللہ نے علیؑ سے لے کر محمدؐ کو دے دیئے' یہ تمھارے ہیں۔ اب علیؑ وہ ہیں جن کے بیٹے اللہ نے لے کر محمدؐ کو دیے اور ان دونوں بیٹوں سے جو نسل چلی نسل پاک رسولؐ کہلائی (صلوٰۃ)۔

اسلام کی تصویر علیؑ سے سمجھیے!

یہ علیؑ، رسولؐ کے داماد بھی تھے اور یہ علیؑ اسلام کے سب سے بڑے قاضی بھی تھے یعنی جب کفار لڑنے آتے تھے تو سب سے زیادہ تلوار جو چلتی تھی وہ علیؑ کی تلوار تھی لیکن چوں کہ جہاد میں چلتی تھی لہٰذا علیؑ نے تلوار تو زندگی بھر چلائی مگر علیؑ کے تلوار چلانے سے کبھی تلخی پیدا نہیں ہوئی۔

توجہ! یہ بھی سمجھ لیجیے کہ جب جنگ ہوتی ہے تو تلوار سے تلخی پھیلتی ہے اور جب جہاد ہوتا ہے تو تلوار سے تلخی نہیں پھیلتی۔ میری پرانی مثال ہے میں اس موقع پر دُہراؤں گا کہ جب کوئی دشمن کسی کے چاقو مارتا ہے تو عداوت جنم لیتی ہے اور جب ڈاکٹر آپریشن میں کسی کا جسم کاٹتا ہے تو محبت پیدا ہوتی ہے۔ چناں چہ علیؑ نے خندق میں ایک بہت بڑے دشمن اسلام کو قتل کیا جو رسولؐ سے بدتمیزی کر رہا تھا اور اسلامی عقائد کا مذاق اُڑا رہا تھا اور خیمہ رسولؐ میں نیزہ چبھو چبھو کر للکار رہا تھا' اپنی طاقت کے نشہ میں چُور ہو کر' تھا بہت بڑا بہادر۔ اس میں شک نہیں' بہکا ہوا تھا' غلط راستے پر تھا مگر جہاں تک بہادر ہونے کا سوال ہے اس کے بہادر ہونے میں کوئی شک نہیں' بُرا آدمی تھا مگر بہادر تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ علیؑ نکلے اور جب اس کے سامنے آئے تو پورے اسلامی اُصول مدنظر رکھے۔ اسلامی اُصول یہ ہیں کہ پہلے اپنا نظریہ پیش کرو۔ جب اس کے سامنے آئے تو فرمایا: خواہ مخواہ جھگڑا کرنے آیا ہے' ارے بھئی! ہم جو اسلام پیش کر رہے ہیں اس کو سمجھ' اگر تیری سمجھ میں آ جائے تیرا راستہ تو قبول کر لے۔ ہم تیرے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں' تلوار نہیں پیش کرتے' مذہب پیش کرتے ہیں۔

اس نے کہا: یہ تو نہیں ہو سکتا' مسلمان تو نہیں ہوں گا۔

علیؑ نے تلوار نہیں اٹھائی۔

کہا: اچھا! نہیں ہو گا مسلمان تو لے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔"

پہلے دین پیش کیا۔ اس نے کہا: نہیں۔ علیؑ کی مسکراہٹ میں فرق نہیں آیا اس لیے کہ دین کی تعلیمات کے خلاف ہے کسی کو زبردستی مسلمان کرنا۔ فرمایا: کوئی بات نہیں' نہیں تو نہ سہی' ایسا کر پھر واپس چلا جا' نہ ہم تجھ سے لڑیں نہ تُو ہم سے لڑ' نہ ہم تجھے ماریں نہ تو ہمیں مار' نہ ہم تجھے نقصان پہنچائیں نہ تُو ہمیں نقصان پہنچا۔

وہی بات جو قرآن کی آیت میں ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (سورۂ مبارکہ کافرون: آیت ۶)

"تم اپنے دین پر رہو ہم اپنے دین پر رہیں' تم اپنے گھر خوش رہو' ہم اپنے گھر خوش رہیں۔"

اس نے کہا: نہیں! یہ بھی نہیں ہو گا' میں تو تمھیں ماروں گا۔

فرمایا: ٹھیک ہے اگر لڑنا ہی ہے تو پھر آ جا۔

اب آ گیا وہ' چلی تلوار' چلی تو علیؑ نے اس کو مار گرایا۔

عرب کا رواج یہ تھا کہ میت کا ایک ایک کپڑا اور ایک ایک اسلحہ اُتار لیتے تھے اور حق اس کا ہوتا تھا جس نے اس کو مارا ہے۔ لیکن علیؑ' علیؑ تھے وہ لڑائی نہیں

کر رہے تھے' جہاد کر رہے تھے' لڑائی میں کپڑے اُتارے جاتے ہیں جہاد میں نہیں۔ جہاد تو خوشنودیٔ خدا کے لیے ہوتا ہے۔

سر کاٹ لیا' اس کا نیزہ' اس کی تلوار' اس کی زرہ' اس کا خنجر' اس کا سرکش' اس کے تیر جو بہت قیمتی اور بہت عمدہ تھے جو اس کی باڈی پر لگے ہیں یا اس کی باڈی کے پاس پڑے ہیں۔ سر لا کر رسولؐ کے پاس رکھ دیا اور عرض کیا: سرکارؐ! یہ ہے یہ آپؐ کا دشمن تھا میں نے اس کو انجام تک پہنچا دیا۔

وہاں رہتی تھی اس کی بہن' وہ آئی' وہ بھی بہادر بھائی کی بہن تھی' اس نے دیکھا اور کہا: بھیا! تیرا مرنا ایسا تھا کہ بہن زندگی بھر روتی مگر دیکھ کر تسلی ہو گئی کہ تیرا قاتل کوئی شریف النسل اور بہادر ہے جس نے تیری میت کی توہین نہیں کی۔

## ذکرِ مصائب: شہادتِ حضرت عباس علیہ السلام

عزیزانِ گرامی! یہ ہیں علیؑ۔ بس! اب بات کل آگے بڑھے گی لیکن آج مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر اسلام کو سمجھنا ہے تو رسولؐ سے سمجھو' اگر اسلام کو سمجھنا ہے تو قرآن سے سمجھو' اسلام کو سمجھنا ہے تو علیؑ سے سمجھو' اسلام کو سمجھنا ہے تو اولادِ علیؑ سے سمجھو۔

علیؑ وہ بے نیاز بندے تھے' جنھوں نے اللہ کی محبت میں ہر چیز اپنی دے دی اور کچھ نہ مانگا' زندگی میں ایک ہی شے مانگی اور وہ مانگا ہے ایک بیٹا' جس علیؑ نے کچھ نہ مانگا' اس علیؑ نے بیٹا مانگا۔

یا علیؑ! حسنؑ اور حسینؑ جیسے دو بیٹے مل گئے، ابھی بھی بیٹے کی خواہش موجود ہے؟ ممکن ہے جواب دیں: تجھے کیا معلوم وہ دونوں بیٹے اللہ نے مجھ سے لے کر محمدؐ کو دے دیے۔ اب وہ دونوں فرزند رسولؐ ہیں۔ یہ بتاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟

جس علیؑ نے نہ دنیا مانگی نہ آخرت، اس نے بیٹا مانگا۔ دنیا اس لیے نہ مانگی کہ دنیا علیؑ جیسے انسان کے معیار سے بہت نیچے تھی۔ علیؑ کی توہین ہے دنیا طلب کرنا۔ میں اس عمر میں اگر بچوں کے کھلونوں کے ساتھ کھیلتا دیکھا جاؤں تو لوگ مجھ پر ہنسیں گے کہ اطہر صاحب! پاگل ہو گئے ہیں، چھوٹے بچے جیسے کھلونوں سے کھیلتے ہیں ویسے بیٹھے کھیل رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ میری بزرگی کی توہین ہے کھلونوں سے کھیلنا، علیؑ کی توہین تھی تاج تخت حکومت کی طرف دیکھنا۔ لہٰذا دنیا اس لیے نہ مانگی کہ دنیا علیؑ کے معیار سے نیچے تھی، آخرت اس لیے نہ مانگی کہ یہ آخرت علیؑ کی قوت خرید میں تھی۔ جنت وہ کیا مانگے جو جَو کی روٹیوں میں خرید لے۔ ولایت وہ کیا مانگے جسے وہ ایک انگوٹھی میں خرید لے، عبادتوں کا ثواب وہ کیا مانگے جو ایک ضربت میں خرید لے۔ آخرت علیؑ کی قوت خرید میں تھی اس لیے نہ مانگی جس علیؑ نے نہ دنیا مانگی نہ آخرت اس علیؑ نے ایک بیٹا مانگا۔ ہمارے ہاں ایک مثل مشہور ہے اردو زبان میں!

چاند سا بیٹا اللہ دے

دعائیں دیتے ہیں لوگ۔

کیا ان کو چاند سا بیٹا ملا؟

کسی کے ہاں بیٹا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اللہ نے ان کو چاند سا بیٹا دیا۔ ہوتا کسی کا بیٹا چاند جیسا نہیں ہے' صرف کہا جاتا ہے' زبان ہے لیکن علیؑ کو واقعا چاند سا بیٹا ملا۔ ایسا چاند جو آج تک چمک رہا ہے "قمر بنی ہاشمؑ" بنی ہاشمؑ کا چاند۔

عزیزانِ گرامی! علیؑ کو چاند ملا اس کی صفت معلوم ہے؟

چاند چمکتا ہے مگر اس وقت چمکتا ہے جب سورج نہ ہو۔ علیؑ کو وہ چاند ملا جو سورج کے سامنے چمکتا ہے۔ یقین نہ ہو تو کربلا جا کر دیکھ لیجئے' جہاں شہادت کا سورج چمک رہا ہے وہیں وفا کا چاند چمک رہا ہے۔ ایک ہی آسمان پر دونوں ہیں۔ یہ عباسؑ تھے جو زندگی بھر حسینؑ پر پروانہ رہے۔ جب بھی کسی نے پوچھا تو فرمایا: میں حسینؑ کا غلام ہوں۔ کبھی بھائی نہ کہا۔ قدرت نے کہا: عباسؑ! تُو نے ہمیشہ اپنے کو عبد کہا' اپنا مرتبہ دیکھ۔

چھٹے امامؑ سے منسوب ہے' "زیارت حضرت عباسؑ" پڑھیے' کتابوں میں لکھی ہے' جو لوگ کربلا جاتے ہیں وہ وہاں جا کر پڑھتے ہیں' یہاں بھی پڑھتے ہیں۔ آج جمعہ ہے آج پڑھ لیجیے گا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ

عباسؑ کی زیارت شروع ہوتی ہے "عبدِ صالح" سے:

اَلْمُطِيْعُ لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ

"اے اللہ اور اس کی رسولؐ کی اطاعت کرنے والے!"

جو لوگ حضرت عباسؑ کی زیارت پڑھتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ حضرت

عباس علیہ السلام کی زیارت یہیں سے شروع ہوتی ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ

امامؑ نے "عبد صالح" کا خطاب دیا۔

اب دیکھیے!

عباسؑ کی عبدیت نے عباسؑ کو کہاں پہنچایا؟

جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو سلام پھیرتے ہیں۔ ساری دنیا سلام پھیرتی ہے تو اس میں یہ جملہ ہے:

عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ

ہر ایک سلام کرنے میں تمام عبد صالح پر سلام کرتے ہیں یعنی دنیا کا جو مسلمان بھی نماز پڑھ رہا ہے اس کی نماز عباسؑ پر سلام پڑھے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ یہ ہے مرتبہ عباسؑ۔

عزیزو! آج آٹھویں رات آ گئی اور آٹھویں رات میں ہم عباسؑ کا ماتم کرتے ہیں۔ عباسؑ، حسینؑ کے لشکر کے سردار تھے، عباسؑ، حسینؑ کے لشکر کے علم دار تھے۔

کربلا کی لڑائی اسلام کو زندہ کرنے کے لیے تھی ورنہ دنیا میں آپ نے کسی لڑائی میں سنا ہے کہ جو لشکر کا سب سے بہادر آدمی ہو اس کو لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔ عباسؑ سردار لشکر تھے، علم دار تھے، علم دار میں اور سارے لشکر میں فرق ہے۔

دیکھیے!

اگر قد فضیلت عباسؑ بہتر (۷۲) سے نکلا ہوا نہ ہوتا تو امام عادلؑ کے ہاتھ سے علم نہ ملتا عباسؑ کو۔ کچھ فضیلتیں ایسی مل گئیں جو کسی کو نہیں ملیں بہتر (۷۲) میں۔ ایک تو یہ کہ ہر ایک کے دل کی حسرت نکل گئی' خوب لڑیئے زہیرؓ لڑیئے حبیبؓ لڑیئے' مسلمؑ لڑیئے قاسمؑ لڑیئے علی اکبرؑ لڑیئے عباسؑ کی حسرت گھٹ کر دل میں رہ گئی۔

دوسری صفت جو عباسؑ میں ہے انصار حسینؑ میں کوئی ایسا نہ تھا جو دریا کی طرف دیکھتا۔

دیکھیے! بہتر میں اکہتر نے دریا کا رُخ ہی نہیں کیا' دریا جدھر بہہ رہا ہے وہ اُدھر گئے ہی نہیں۔ عباسؑ وہ شہید ہیں جو دریا میں اترے چلو میں پانی اٹھایا' مشکِ سکینہؑ بھری' مگر پیاسے نکل آئے۔

ہاں! ابھی تھوڑا بیان باقی ہے!

اللہ نے عباسؑ کو "باب المراد" بنایا ہے۔ اللہ آپ کو مولا عباس علیہ السلام کے روضے پر لے جائے۔ جو جا چکے ہیں وہ پھر جائیں اور جو ابھی تک نہیں گئے ہیں وہ جائیں (آمین)۔

آپ وہاں جا کر دیکھیے گا! علما نے لکھا ہے' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور پڑھا ہے کہ اللہ نے حضرت عباس علیہ السلام کو اس لیے "باب المراد" بنایا ہے کہ ان کی دو مرادیں تھیں دونوں پوری نہیں ہوئیں:

① شبِ عاشور یہ مراد تھی کہ لڑنے کی اجازت مل جائے۔

④ روزِ عاشور یہ مراد تھی کہ سکینہؑ تک پانی آ جائے۔

بس عزادارو! آخری بات سن لیجیے!

عباسؑ کی تیسری فضیلت سنیے جو کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

عباسؑ نے زندگی بھر حسینؑ کی خدمت کی تھی، کبھی خدمت لی نہیں۔ سب کے لاشے حسینؑ نے اُٹھائے، جب عباسؑ کی باری آئی تو وصیت کر دی اور عرض کیا: مولاؑ! میری میت خیمے میں نہ لے جایئے گا۔

ارے!

بس!

دو ہی میتیں نہ اُٹھیں:

① ایک عباسؑ کی میت نہ اُٹھی۔

② دوسری حسینؑ کی میت نہ اُٹھی۔

باقی ساری میتوں کو حسینؑ نے اُٹھایا مگر حسینؑ کی میت کو اُٹھانے والا نہیں تھا۔ ہائے زہراؑ کا لالؑ کربلا کی تپتی ریت پر پڑا ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

# مجلسِ دہم

## موضوع: تبلیغ دین

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکۂ آل عمران: آیت ۱۹)

ارشادِ اقدس جناب ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

عزیزانِ گرامی! ہمارے آپ کے درمیان گفتگو پہلے دن سے دین کے موضوع پر ہے کہ دین کیا ہے؟

اللہ نے انسانوں کی اصلاح کے لیے اور آدمی کو آدمی بنانے کے لیے جو پیغام بھیجا اس کا نام دین ہے۔ دین کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جس وقت سے حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے۔ پھر جہاں جہاں انسانی آبادی تھی وہاں وہاں اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے واسطے اپنے رہبر بھیجے اور سب کے آخر میں آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے چوں کہ عرب کی حالت بہت زیادہ خراب تھی اور وہاں جہالت اور بُرے رسم و رواج عروج پر تھے لہٰذا سب کے آخر میں اللہ نے اپنے سب سے بڑے رہبر کو عرب کی سرزمین پر بھیجا تا کہ وہ صبح قیامت تک کے واسطے انسانوں کی ہدایت کا اللہ کا آخری پیغام دنیا تک پہنچا دے۔

سرورِ کائنات ؐ نے اس اندھیرے اور تاریک کے ماحول میں آ کر وحدانیت کی شمع روشن کی۔ انسانوں کو بتایا کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے' خیر کیا ہے اور شر کیا ہے' ایمان کیا ہے اور کفر کیا ہے' عدل کیا ہے اور ظلم کیا ہے' جنت کا راستہ کیا ہے اور جہنم کا راستہ کیا ہے اور تیئس برس میں یہ معجزہ کر دکھایا کہ پورے جزیرہ نمائے عرب کو مشرف بہ اسلام کر دیا اور ایک اتنا مکمل دین پیش کیا کہ جس میں توحید و عدل و نبوت و امامت و قیامت کے عظیم مسائل سے لے کر روزمرہ زندگی گزارنے کے احکام تک مثلاً کھانا کیسے کھایا جائے' پانی کیسے پیا جائے' گھر سے قدم باہر کیسے نکالا جائے' سرمہ لگاؤ تو کیا کہو' آئینہ دیکھو تو کیا کہو۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسائل تک کو دنیا کے سامنے واضح فرما دیا اور اس دین کو پورے طریقے سے ان لوگوں کے درمیان پہنچا دیا اور خالی پہنچایا ہی نہیں دیا بلکہ اس کی کامیابی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ اس لیے کہ وہ لوگ جو میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے سامنے تلواریں لیے کھڑے رہتے تھے وہ جماعت کی صفوں میں اس طرح آ گئے کہ ایک کے پیروں کے پاس دوسرے کا سر تھا۔ اس طریقے سے انسانیت کو اخلاق اور اچھائی کی سرورِ کائنات ؐ نے تعلیم دی لیکن یہ بات میں پھر دہرا دوں کہ اسلام میں بادشاہت' ملوکیت' شہنشاہیت کہیں نہ کہیں سے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام میں دولت کی بنیاد پر' خاندان کی بنیاد پر' نسل اور رنگ کی بنیاد پر' جتھے اور قوت کی بنیاد پر کوئی آدمی بڑا نہیں تھا۔ اسلام میں بڑائی کی ایک بنیاد تھی اور وہ تھا اللہ کا ڈر اور خوف' تقویٰ الٰہی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (سورۂ مبارکہ حجرات: آیت ۱۳)

"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا زیادہ ہو۔"

معلوم ہوا کہ اسلام میں بڑائی کا معیار تقویٰ تھا' خوف خدا تھا جو حضور سرور کائنات نے دنیا کے سامنے پیش کیا' پورا اسلام دنیا کے سامنے پیش ہوا اور اس کے تمام اخلاقی پہلو انسانوں کے سامنے آئے۔ لیکن ملوکیت وسلطنت نے آ کر دولت وحکومت نے آ کر اقتدار نے آ کر اسلام کے ان پہلوؤں کو بدل دیا۔ اگر آپ کو صحیح اسلام دیکھنا ہے تو آپ ان تیئس برس میں دیکھیے جن میں سرور کائنات نے اپنا پیغام پہنچایا۔ آپ کو ان میں اسلام کی ہر جھلکی مل جائے گی' ہر نمونہ مل جائے گا' ہر چیز مل جائے گی۔

رسولؐ دین پہنچا رہے تھے اور جیسا میں نے کل عرض کیا کہ ان کے بھائی' ان کے چچازاد جو بعد میں ان کے داماد بھی ہوئے وہ ہر موقع پر ان کی مدد کر رہے تھے' ان کا ساتھ دے رہے تھے اور ان کی نصرت کر رہے تھے۔

اسلام کی کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ رسولؐ نے اپنے خاندان والوں کو بلایا اللہ کے حکم سے' قرآن میں آیت نازل ہوئی:

وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ (سورۂ مبارکہ شعراء: آیت ۲۱۴)

"آپ اپنے خاندان کے جو قریب ترین لوگ ہیں ان کو آپ بلائیے اور ان کو اللہ سے ڈرائیے۔"

رسولؐ نے اپنے دادا کی اولاد کو بلایا یعنی بنو عبدالمطلبؑ کو اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ یہاں سے ہماری نگاہوں کے سامنے اسلام آیا ہے اور جب اسلام پیش کیا تو اس کے ساتھ میں یہ بھی کہا کہ تو کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے' وہی میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ان لوگوں میں سب سے کم سن جو فرد تھا اس کا نام علیؑ تھا۔ سب سے کم سن علیؑ نے اٹھ کر عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک تقریر کی کہ گو میری عمر کم ہے' گو میرا جسم کمزور ہے مگر میں آپؐ کی مدد کروں گا اور آپؐ کے دشمنوں کی آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا' ان کے پیٹ چاک کر دوں گا۔

عزیزان گرامی! دیکھنے میں یہ بچگانہ تقریر تھی' ایسے لگتا ہے کہ کوئی بچہ بول رہا ہے۔ اس تقریر میں پورا بچپن ظاہر ہے لیکن جب آپ غور کیجیے تو ساری سمجھ داریاں اس بچپنے کی تقریر پر صدقے ہو رہی ہیں۔ دیکھنے میں یہ ایک بچے کی تقریر ہے جیسے بچہ جوش میں کہتا ہے کہ میں آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا' میں پیٹ چاک کر دوں گا' میں آپ کی مدد کروں گا۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے بچہ بول رہا ہے لیکن جب ہم نے تاریخ پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ بچہ نہیں بول رہا تھا یہ دنیا کا سب سے بڑا فلسفی بول رہا تھا اس لیے کہ اس نے پہلے ہی دن بتا دیا کہ میری عمر کم ہے۔ اب اگر کسی زیادہ عمر والے کو آنا ہے تو آئے سامنے۔ جو یہ کہتا ہے کہ میرا جسم کمزور ہے' ایک طرف تو کہتا ہے کہ میرا جسم کمزور ہے اور دوسری طرف کہتا ہے کہ میں

آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا' پیٹ چاک کر ڈالوں گا۔

دیکھیے! ابھی تک کم زور ہیں آپ تو ایک سے ایک طاقت ور' ایک سے ایک مضبوط دنیا میں پڑے ہیں' کم زور آدمی کے بس میں کہاں ہے کہ ہر ایک کی آنکھیں پھوڑ ڈالے' ہر ایک کا پیٹ چاک کر ڈالے۔ ابھی تو آپ کہہ رہے ہیں کہ میں کم زور ہوں اور کم زوری کے ساتھ کہتے ہیں کہ میں یہ کر دوں گا' یہ بچگانہ بات لگتی ہے ہمیں تو۔

انھوں نے کہا: تم تمیز سیکھو' اس کے بعد بات کرنا' بڑے کے سامنے طاقت کا تذکرہ بدتمیزی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس کے آگے بول رہا ہوں۔ سامنے رسولؐ کھڑے ہیں اور اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ اور رسولؐ کے سامنے یہ کہوں کہ میں بڑا قوی ہوں تو یہ بدتمیزی ہے۔ بڑے کے سامنے طاقت کا اعلان بدتمیزی ہے اور دشمن کے سامنے کم زوری کا اعلان بزدلی ہے (نعرۂ حیدری)۔

توجہ! دشمن کے سامنے کم زوری کا اعتراف بزدلی ہے اور بڑے کے سامنے طاقت کا اعلان بدتمیزی ہے۔ علیؑ کی تقریر نے دونوں پہلو بچائے' کم زور کہہ کر خدا اور رسولؐ کے سامنے اپنی کم زوری کا اعتراف کیا۔ دشمن کا نام لے کر یہ کہا کہ میں آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا' پیٹ چاک کر ڈالوں گا' دشمن کے سامنے اپنی طاقت کا اعلان کیا۔ رسولؐ نے بچے کو گلے سے لگایا اور فرمایا: آج سے میری بات سنو اور اس کا حکم مانو۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ابولہب اس موقع پر بڑا برہم تھا وہ غصے میں حضرت

ابوطالبؑ سے یہ کہتا ہوا گیا کہ لو آج سے بیٹے کا حکم مانو۔ اس کا مطلب مزاج کفر یہ ہے کہ علیؑ اس کو گوارہ نہیں ہے۔

اسلام کا قافلہ چل پڑا' بارہ سال مکہ میں تبلیغ ہوئی اور وہ بچہ جو تقریباً بارہ' تیرہ سال کے درمیان' جس نے وعدہ کیا تھا نصرت کا جب سرور کائناتؐ نے مکہ چھوڑا ہے تو اس وقت وہ لگ بھگ تیس یا چوبیس برس کا نوجوان تھا۔

دیکھیے! اسلام کے ساتھ علیؑ کا نام اس لیے جڑا ہوا ہے کہ علیؑ نے دعوت ذوالعشیرہ میں وعدہ کیا ہے اور کسی نے وعدہ نہیں کیا۔ لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وعدے کی وفائی ہو رہی ہے کہ نہیں؟

جب تک مدینہ و مکہ میں رہے' علیؑ ہر طرح سے نصرتِ اسلام کرتے رہے' رسولؐ کو سہارا دیتے رہے' رسولؐ کی خدمت کرتے رہے' ہر موقع پر خطرے میں اپنی جان پیش کرتے رہے اور ان کے والد محترم حضرت ابوطالبؑ ہر وقت رسولؐ کا آسرا بنے رہے۔ یہاں تک کہ تین سال جو شعب ابی طالب میں بسر ہوئے جس میں مکہ والوں نے سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا رسولؐ اللہ کا تو اس وقت بھی کھانا اور پانی پہنچانا حضرت علی علیہ السلام کا کام تھا جو ایسے خطرناک ماحول میں اپنی جان پر کھیل کر رسولؐ اور ان کے ساتھیوں تک شعب ابی طالب میں کھانا اور پانی پہنچایا کرتے تھے۔ محاصرہ تمام ہوا' رسولؐ شعب ابی طالب سے باہر نکلے۔ تھوڑے دنوں کے بعد حضرت ابوطالبؑ اور حضرت بی بی خدیجہؑ کا انتقال ہو گیا تھا' اللہ نے اپنے حبیبؐ کو حکم ہجرت دیا۔

اللہ ہر شئے پر قادر ہے بغیر حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کے بھی حضورؐ مکہ میں رہ سکتے تھے' اللہ کی قدرت میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ بغیر حضرت ابوطالبؑ اور بغیر حضرت خدیجہؑ کے رسولؐ مکہ میں رہ سکتے تھے مگر اللہ نے رسول کو حکم ہجرت دیا۔ قادر مطلق اللہ اپنے رسولؐ کو جو حکم ہجرت دے رہا ہے' میرا دل کہتا ہے کہ حضرت خدیجہؑ اور حضرت ابوطالبؑ کو مشیت کا خراج عقیدت ہے۔ پھر یہ کہ اب اگر اس کے بعد بھی رہتے مکہ میں تو کوئی یہ نہ کہتا کہ حضرت ابوطالبؑ کا اثر شامل تھا یا حضرت خدیجہؑ کی دولت شامل تھی۔

ہجرت کی رات علیؑ کی قربانی' ہماری لفظیں نہیں ہیں اس لیے ہم دنیا کے لفظوں کا سہارا لیتے ہیں۔ سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہیں یہ الفاظ لیکن بہرحال ہماری زبان کی مجبوری ہے کہ ہمارے پاس اس سے زیادہ اچھی لفظیں نہیں ہیں اس کے سوا ہم اور کیا کہیں لیکن علیؑ کی یہ فداکاری ہمیشہ یاد رہے گی کہ رسولؐ نے فرمایا کہ آج کی رات سوتے میں کافر مجھے بستر پر قتل کرنے والے ہیں کیا تم میرے بدلے سو رہو گے؟

علیؑ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! کیا آپؐ کی جان بچ جائے گی؟

فرمایا: ہاں یا علیؑ! بچ جائے گی۔

پہلے شکر کا سجدہ کیا، عرض کیا: آپؐ کے بدلے میں سو رہوں گا۔

یہ شکر کا سجدہ بہ ظاہر رسولؐ کی جان بچنے پر تھا مگر اپنی موت کے سامنے بھی تھا۔ رسولؐ سدھار گئے اور علیؑ، رسولؐ کی چادر اوڑھ رہے اور جب سو گئے تو شب

ہجرت تھی۔ یہ عجیب و غریب بات ہے اب میں کیسے کہوں؟ آپ اُردو شاعری میں شبِ ہجرت پڑھیے تو عاشق رات بھر جاگتا ہے شبِ ہجر میں۔ آپ مجھے کہیں دکھا دیجیے کہ ہجر کی شب بھی ہو اور عاشق سو بھی رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں شبِ ہجر ہوتی ہے جہاں رات عاشق کو جاگ کر گزارنی پڑتی ہے مگر یہاں اللہ کے عاشق جو ہیں وہ شبِ ہجر سو کر گزارتے ہیں اور ہجرت اسلام میں ایک عبادت ہے۔ ہجرت کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ آدمی ایک شہر سے دوسرے شہر تک چلا جائے بلکہ شبِ ہجرت دو ہجرتیں ہوئیں:

① ایک رسولؐ کی ہجرت تھی مکہ سے مدینہ کی طرف۔

② دوسری علیؑ کی ہجرت تھی جو بسترِ رسولؐ پر سو کر مکمل ہوئی۔

جب سوئے تو نفس علیؑ کا تھا لیکن جب جاگے تو نفس اللہ کا تھا۔

اِدھر علیؑ سو رہے تھے اُدھر خریدار آیا مال خریدنے کے لیے۔ خریدار وہ جو بادشاہ بھی ہے جوہری بھی ہے۔ بادشاہ ہے لہٰذا بہتر سے بہتر مال لے گا۔ جوہری ہے لہٰذا پرکھ کرے گا۔ مال کی پرکھ شروع ہوئی بہترین مال ہے کیا قیمت دے دی جائے؟

جنت دے دی جائے؟

کہا: کم ہے وہ تو روٹیوں میں نکل جائے گی۔

ولایت دے دی جائے؟

کہا: کم ہے وہ تو انگوٹھی میں نکل جائے گی۔

عبادتوں کا ثواب دے دیا جائے؟

کہا: کم ہے وہ تو ایک ضربت میں ٹل جائے گا۔

دیا کیا جائے؟

کہا: تیری رضا میری ہو جائے اور میرا نفس تیرا ہو جائے (نعرۂ حیدری)۔

علیؑ سو رہے ہیں نفس بک رہا ہے۔

قرآن نے آواز دی:

مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (سورۂ مبارکہ بقرہ:

آیت ۲۰۷) (صلوٰۃ)

سلسلہ آگے بڑھا!

رسولؐ مدینہ میں آ گئے اور مدینہ میں اسلام کی تبلیغ شروع ہوئی۔ کافروں کے مقابلے کیے۔ بدر میں لشکر لائے' اُحد میں لشکر لائے' خندق میں لشکر لائے' خیبر میں یہودیوں نے سازش کی اسلام کے خلاف۔ لیکن تیغ حیدر کرارؑ کے سامنے ہر سرکش زیر ہو گیا اور ہر ایک ختم ہو گیا۔ ایک طرف علیؑ نصرت اسلام کر رہے تھے اور دوسری طرف علیؑ کا کردار جو تھا' ان کی سیرت جو تھی' ان کا عمل جو تھا' ان کی سخاوت جو تھی' ان کی عبادت جو تھی وہ اسلام کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھی۔ کبھی انھوں نے غریبوں کو کھانا کھلایا تو قرآن میں سورۂ دہر آ گئی۔ کبھی انھوں نے اللہ کی راہ میں انگوٹھی دی تو قرآن میں آیت ولایت آ گئی۔ وہ عمل کرتے جاتے تھے قرآن ان کے عمل کی تصویر بنتا جاتا تھا۔ یہاں سے وہاں سے ایک عظیم کردار کا شخص تھا جو بڑھتا چلا جاتا تھا اور ہر موقع پر سرور کائناتؐ کی حدیثیں بھی علیؑ کو سرفراز کرتی

رہتی تھیں۔ اگر علیؑ کے علم کی بات آئی تو رسولؐ نے فرمایا:

اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا

''میں علم کا شہر ہوں' علیؑ اس کا دروازہ ہے۔''

مَن اَرَادَ العِلمَ فَلیَاتِ البَابَ

''جس کو علم چاہیے ہو وہ علیؑ کے پاس آئے۔''

عزیزانِ گرامی! میں کس منزل پر رُکوں اور کس منزل پر آگے بڑھ جاؤں!

کتنی دردناک بات ہے کہ مسلمانوں میں آج بھی تعلیم کا فقدان ہے۔ یہ

اس رسولؐ کی اُمت ہے جس نے فرمایا تھا:

طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ وَ مُسلِمَۃٍ

''ہر مسلمان عورت اور مسلمان مرد پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔''

یہ اس کی اُمت ہے جس پر قرآن نازل ہوا جو کتابِ علم ہے۔

مسلمانوں کو جاہل کس نے بنا دیا؟

سنیں گے آپ کہ علیؑ نے کیا کہا؟

دنیا سن لے!

علیؑ نے جب اپنے ہاتھ میں اقتدار سنبھالا تو ایک حکم نامہ جاری کیا اپنے

سارے گورنروں کو کہ خبردار! تمہارے علاقے میں کوئی بچہ بے پڑھے نہ رہے۔

دنیا میں سب سے پہلا شخص ہے علیؑ جس نے بنیادی تعلیم کو فروغ دیا ہے۔

آپ جانیے کہ اس میں راز کیا ہے؟

علیؑ شہر علم کا دروازہ ہے۔ جتنا جتنا علم بڑھے گا اتنا اتنا انسان علیؑ کے قریب ہو گا اور جتنی جتنی جہالت بڑھے گی اتنی اتنی علیؑ سے دشمنی بڑھے گی۔

امامت چاہتی تھی کہ علم بڑھے تاکہ علیؑ کے قریب ہوں' ملوکیت چاہتی تھی کہ جہالت بڑھے تاکہ علیؑ سے دور ہوں (نعرۂ حیدری)۔

سنیے!

فرمایا: میں علم کا شہر ہوں' علیؑ اس کا دروازہ ہے۔

کبھی فرمایا: علیؑ کو مجھ سے وہ منزلت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے ہے۔

فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

یہ واضح کر دیا کہ کوئی علیؑ کو نبی نہ مان لے لہٰذا فرما دیا کہ میرے بعد نبوت تمام ہے' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا مگر علیؑ کو مجھ سے وہ منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔

سرور کائنات مدح علیؑ میں احادیث ارشاد فرما رہے ہیں۔

عزیزان گرامی!

ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی آدمی علیؑ کو زبردستی مان لے مگر جو ذکر علیؑ کرتے ہیں اس کے بہت سے دلائل موجود ہیں۔

دیکھیے! میں آپ کو دو تین باتیں عرض کرتا ہوں!

کچھ صفتیں اللہ کے اس بندے کو ایسی مل گئی ہیں جو نہ اس سے پہلے کسی کو ملیں اور نہ اس کے بعد کسی کو ملیں گی۔

ایک تو یہ کہ ہر ایک کی نسل اس سے چلتی ہے مگر نسل رسولؐ، علیؑ سے چلی۔
علیؑ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر ایک کی نسل اس سے چلتی ہے مگر نسل رسولؐ، علیؑ سے چلی۔ جتنے آلِ رسولؐ کہلاتے ہیں دنیا میں سادات، وہ سب علیؑ کی اولاد ہیں۔ بیٹا ہے علیؑ "کا" کہا جاتا ہے رسولؐ کا۔ اگر قول ہو علیؑ اور ہے رسولؐ کا ہے تو اس میں حرج کیا ہے؟ (نعرۂ حیدری)

اب آپ دیکھیے! کچھ باتیں عجیب و غریب ہیں۔ اس کو آپ کدھر لے جایئے گا اور کیسے رکھیے گا؟ کچھ صفات علیؑ کی ایسی ہیں جو کسی کو نہیں ملیں:

① ایک تو یہ کہ کعبہ میں کوئی نہ پیدا ہوا سوائے علیؑ کے۔

② دوسری یہ کہ معصومہؑ بیوی کسی کو نہ ملی سوائے علیؑ کے۔

③ تیسری یہ کہ آسمانی اسلحہ کسی کو نہ ملا سوائے علیؑ کے (نعرۂ حیدری)۔

اب سنیے! انسان کی زندگی میں تین حصے ہوتے ہیں:

① Past ② Present ③ Future

جن کو کہتے ہیں:

① ماضی ② حال ③ مستقبل

① ماضی، وہ زمانہ جو گزر گیا۔

② حال، وہ زمانہ جو اس وقت ہے۔

③ مستقبل، وہ زمانہ جو کل آئے گا۔

جو کل دن گزر گیا وہ ماضی ہے، جو آج ہے وہ حال ہے اور جو کل آئے گا وہ

مستقبل ہے۔ جیسے انسان کی زندگی میں تین زمانے ہوتے ہیں ویسے ہر آدمی کی زندگی میں یہ تین چیزیں ہیں:

① ماضی ② حال ③ مستقبل

ہمارا ماضی ہمارے آبا و اجداد ہیں' ہمارے باپ' ہمارے دادا' ہمارے پردادا' یہ ہمارا ماضی ہیں۔ ہم اپنا حال خود ہیں' ہماری اولاد' ہمارے بیٹے' ہمارے پوتے' ہماری نسل ہمارا مستقبل ہے۔

دنیا میں بعض لوگ ہیں جن کے ہاں ایک plus ہوتا ہے' کسی کے ہاں دو plus ہوتے ہیں' کسی کے ہاں تین plus ہو جاتے ہیں اور وہ بڑا خوش قسمت ہے ورنہ ایسے بھی دنیا میں ہیں جہاں سب minus یہاں سے وہاں تک ہے لیکن جب ہم علیؑ کو دیکھتے ہیں تو اس اعتبار سے بھی علیؑ ہم کو سب سے اُونچے دکھائی دیتے ہیں۔ جب ہم علیؑ کے ماضی کو دیکھتے ہیں تو نبوتؐ کو پالتا ہوا' جب علیؑ کے حال کو دیکھتے ہیں تو اسلام کی نصرت کرتا ہوا اور جب علیؑ کے مستقبل کو دیکھتے ہیں تو مذہب کی زندگی کو بچاتا ہوا۔ یہ علیؑ کی زندگی ہے۔

عزیزانِ گرامی! اس علیؑ کی زندگی سے آپ اسلام کو سمجھیں' کیا ہے؟ یہ زندگی آگے بڑھتی ہے اور رسولؐ کی تئیس سال کی تبلیغی زندگی اس طرح مکمل ہوتی ہے کہ ہر موقع پر چاہے جان کا موقع ہو' چاہے تبلیغ کا موقع ہو' فضائل کا موقع ہو۔ ہر موقع پر علیؑ کا کردار ہمیں بہت نمایاں نظر آتا ہے یہاں تک کہ جب رسولؐ کی زندگی کا آخری زمانہ آتا ہے۔ آیت ذہن میں رہے:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (سورۂ مبارکہ آل عمران: آیت ۱۹)

"دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

یہ اعلان کر کے مکہ کی طرف چلتے ہیں کہ میں آخری بار مکہ کا سفر کر رہا ہوں۔ میری زندگی کا یہ آخری سفر ہے اور بڑی تعداد میں فرزندانِ توحید سرورِ کائنات کے ساتھ یہ شرف حاصل کرنے کے واسطے مکہ جاتے ہیں۔ حج سے فارغ ہو کر جب رسولؐ پلٹنے لگتے ہیں تو ایک منزل پر آیت رسولؐ کو روکتی ہے اور آیت آتی ہے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

"اے رسولؐ! پہنچا دیجیے اس کو حکم کہ جو آپؐ پر نازل کیا جا چکا" (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۶۷)۔

اب یہ رسولؐ جانے کہ پہلے کب نازل کیا جا چکا" یا اللہ جانے کہ اس نے کب نازل کیا۔ یہ ہمیں نہیں معلوم ہمیں آیت کے ذریعے اتنا معلوم ہے کہ پہلے کبھی رسولؐ پر نازل کیا گیا لیکن عوام کے لیے نہیں تھا۔ اللہ نے رسولؐ کو بتا دیا تھا۔ توجہ!

يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

"اے رسولؐ! پہنچا دیجیے اس چیز کو جو آپؐ پر نازل کی جا چکی"

(سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۶۷)۔

وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۶۷)

"اور اگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔"

سوال یہ ہے کہ ہمارے نبیؐ یا کسی نبی نے' ہے کوئی ریکارڈ آپ کے پاس کہ آپ نے حکم بھیجا ہو اور نبی نے نہ پہنچایا ہو؟

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات ﷺ تک تاریخ نبوت میں کوئی ریکارڈ ایسا ہے کہ اللہ نے حکم بھیجا ہو اور نبی نے نہ پہنچایا ہو؟

رسولؐ کی تیئس برس کی زندگی میں کوئی ریکارڈ ایسا ہے کہ اللہ نے حکم بھیجا ہو اور رسولؐ نے نہ پہنچایا ہو؟

معبود! آخر وقت میں اپنے بوڑھے نبیؐ سے کس لہجے میں بات ہو رہی ہے؟

دیکھیے! بھئی! آپ نے مجھے جب بھی بھیجا' بلایا تو میں آیا اور جب آپ نے کہا تو میں نے مجلس پڑھ دی۔ لیکن اب جب میں بوڑھا ہو گیا اور میری زندگی کا آخری دور آ گیا اور اتنے برس میں پڑھ چکا تو آپ نے بھیجی میں کچھ پڑھا ہی نہیں۔

ارے! اپنے لہجے کو دیکھیے آپؐ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ میری زندگی کی محنتوں کو اس طریقے سے فراموش کیے دے رہے ہیں۔

جب آپ نے کہا' میں نے پڑھا۔ پانی برستے میں' میں پہنچ گیا' تیز گرمی میں پہنچ گیا' ٹھنڈی ہوا میں پہنچ گیا اور اس کے بعد آپ کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ نے یہ مجلس نہ پڑھی تو کوئی مجلس نہ پڑھی۔

یہ لہجہ تو دیکھیے!

کچھ سمجھ میں آئی ہے بات کہ سبب کیا ہے؟

یہ قرآن ہے، حدیث بھی نہیں ہے جو آپ کہیں کہ معتبر ہے اور معتبر نہیں ہے:

وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۶۷)

"اور اگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔"

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۶۷)

"تو اس کی کوئی رسالت نہیں پہنچائی"۔

یعنی کچھ نہیں کیا۔

اس کے بعد:

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۶۷)

"اللہ آپ کو لوگوں کے خطروں سے بچائے گا۔"

عزیزانِ گرامی! جب ہم نے غور کیا کہ حکم کون سا ہے؟ مجمع چل رہا تھا' سورج اُونچا ہو چکا تھا' ذوالحجہ کی اٹھارہویں تاریخ تھی۔ رسولؐ نے حکم دیا: قافلہ روکو۔ قافلے میں آوازیں گونجیں:

حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ

روکا گیا قافلہ۔ فرمایا: میدان صاف کرو' مجھے تقریر کرنا ہے۔ میدان صاف ہوا' کانٹے ہٹائے گئے' لوگ بیٹھے' سورج اُونچا ہو رہا ہے۔ فرمایا: منبر بناؤ۔ سرکارؐ! ناقہ پر بیٹھ کر تقریر کر لیجیے' مجمع نیچے بیٹھ جائے گا۔ آپؐ اُوپر بیٹھ جائیے' ہو جائے گی تقریر۔

اللہ جانے کون سا حکم ہے جس کے لیے منبر ضروری ہے۔

فرمایا: منبر بناؤ۔

لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اس جنگل میں منبر کیسے بنائیں؟

فرمایا: میں بتاتا ہوں' پالان پر پالان رکھو' منبر بن جائے گا۔ پالان رکھ دیئے گئے' رسولؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ ایک خطبہ ارشاد فرمایا' بڑا فصیح و بلیغ خطبہ تھا۔ زبانِ رسالت چل رہی تھی' ہوائیں حکم کی تابع تھیں۔ ہر ایک کے کان تک رسولؐ کی آواز پہنچ رہی تھی اور وہ عظیم اللہ کا بندہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا وہ بول رہا تھا اور اپنی زندگی بھر کی خدمات یاد دلا رہا تھا کہ کیا میں نے نہیں پہنچایا؟ کیا میں نے وہ نہیں پہنچایا؟ اور سارا مجمع اقرار کر رہا تھا: بے شک آپؐ نے پہنچایا۔ ہر طرف سے "بے شک" کی آوازیں آ رہی تھیں یہاں تک کہ جب خطبہ تمام ہونے لگا تو عجب جملہ کہا۔

فرمایا:

اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ

"کیا میں تمہارے نفسوں پر خود تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟"

حدیث میں ہے:

قَالُوْا بَلٰی

سب نے کہا: کیوں نہیں' بے شک ہے۔

جب سارے مجمع کی نمائندگی لے لی۔

یہ ہے جمہوریت کی جان!

اب سب کی نمائندگی رسولؐ کے پاس ہے۔

اب بولے:

اَللّٰہُ مَولَایَ

"اللہ میرا مولا ہے۔"

وَ اَنَا مَولَی المُومِنِینَ

"میں مومنوں کا مولا ہوں۔"

علیؑ کو پہلو میں کھڑا کیا تھا' اٹھا کر ہاتھوں پر اُونچا کیا:

اَلَا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ

"آگاہ ہو جاؤ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے" (نعرۂ حیدری)۔

فرمایا: آگاہ ہو جاؤ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔

یہ تیس برس کی خدمات کا صلہ تھا جو بہ حکم خدا رسولؐ، علیؑ کو دے رہے تھے۔ ہم بھی بیٹھے تھے' ہم بھی سن رہے تھے۔ اب علیؑ کو پہلو میں کھڑا کیا' ہاتھ اُٹھائے' جو رسالتؐ کی دُعا ہے:

اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ

"پالنے والے! تُو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے۔"

وَ عَادِ مَنْ عَادَاہُ

"اور اسے دشمن رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔"

وَ انْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ

"اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے۔"

وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ

"اسے چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے۔"

اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ حَيْثُ مَا دَارَ

"پالنے والے! حق کو اُدھر موڑ جدھر علیؑ مڑے۔"

اب اس دعا کو بھی سمجھ لیجیے!

پانچ چیزیں بیان کیں رسولؐ نے یہ دعا پنجتنی ہے۔

توجہ!

اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ

"پالنے والے! تُو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے۔"

اگر ساری دنیا دشمن ہو جائے اور علیؑ کی دوستی ملے تو جلدی سے لے لیجیے گا

اس لیے کہ اس کے ساتھ اللہ کی دوستی ملے گی:

وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ

"اور اسے دشمن رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔"

ساری دنیا دشمن ہو جائے تو ہونے دو مگر آپ علیؑ کے دشمن نہ ہوئیے گا اس

لیے کہ اللہ دشمن ہو جائے گا۔

وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهٗ

"اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے۔"

وَ اخذُل مَن خَذَلَہٗ

"اسے چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے۔"

اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الحَقَّ حَیثُ مَا دَارَ

"پالنے والے! حق کو اُدھر موڑ جدھر علیؑ مڑے۔"

ارے بھئی! یہ کیوں نہ کہا کہ علیؑ کو اُدھر موڑ جدھر حق مڑے؟

علیؑ امام ہیں ہر ایک انھیں کے پیچھے چلے گا۔

"حق کو ادھر موڑ جدھر علیؑ مڑے"۔

اب حق کی پہچان سمجھ لیجیے!

جو علیؑ کے پیچھے پیچھے چلے وہ حق اور جو آگے بڑھ جائے وہ باطل (نعرۂ حیدری)۔

اب سنیے! اب جب منبر سے اُترے تو جبرئیلؑ آئے، عرض کیا: اللہ فرماتا ہے:

اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۳)

"آج کے دن ہم نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کیا۔"

معلوم ہوا جب ولایت علیؑ شامل ہوئی تب دین کامل ہوا (نعرۂ حیدری)۔

فرمایا:

اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۳)

"آج کے دن ہم نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کیا۔"

وَ اَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی (سورۂ مبارکہ مائدہ: آیت ۳)

"اور تمھارے اُوپر اپنی نعمتوں کو تمام کیا۔"

وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (سورۂ مبارکہ مائدہ، آیت ۳)

"اور دین اسلام کو تمھارے لیے پسند کیا۔"

اب سمجھے آپ کہ کب پسند ہوا دین!

اسی لیے کہا کہ جب تک ان کو شامل نہ کرو اس وقت تک دین کامل نہیں ہوگا۔

اسی لیے کہا کہ اگر یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔ اسی لیے کہ دین تو رسولؐ نے پہنچایا لیکن اگر تشریح دین غلط ہو جائے تو فائدہ کیا ہے۔ قرآن رسولؐ نے پہنچا دیا لیکن اگر غلط معانی بتا دیے جائیں تو فائدہ کیا ہے۔ حرام و حلال تو رسولؐ نے پہنچا دیا لیکن اگر کوئی گم راہ کر دے تو فائدہ کیا ہے۔ لہٰذا ایک مرکز ہونا چاہیے جو بہ مطابق پروردگار لوگوں کو برابر دین بتاتا رہے اور اس کا نام ہے ولایت۔

اب سمجھے آپ کہ کیوں کہا کہ اگر یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔

میں ہاتھ جوڑ کر عرض کروں گا جو فضائل کے خلاف تبصرہ کیا کرتے ہیں اپنی تنگ نظری کی وجہ سے اور جو کہتے ہیں کہ انھوں نے دیا کیا۔

ارے! تمھارا ظرف ہی اتنا چھوٹا تھا کہ تم پاتے کیا' اب تک کچھ نہ دیا تو آج لے لیجیے۔

اقرار ولایت علیؑ دیا (نعرۂ حیدری)۔

رسولؐ اسلام میں سب سے بڑے ہیں۔ سب سے بڑے اس لیے خطاب کیا کہ سارے چھوٹے سن لیں کہ اگر یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا۔

ہر مسلمان سن لے!

اگر یہ نہ مانا تو کچھ نہ مانا (نعرۂ حیدری)۔

عزیزانِ گرامی! یہ دین ہے۔ اللہ نے رسولؐ کو بھیجا اور رسولؐ جب دین پہنچا چکے تو انھوں نے دین کو محافظ کے حوالے کیا کہ اب میں جا رہا ہوں اس لیے دین کی کوئی حفاظت کرے تو اللہ کی طرف سے حکم نازل ہوا اور اعلانِ ولایتِ حیدرِ کرارؑ ہوا۔ حیدرِ کرارؑ دین بتائیں گے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی میں دین کو پھیلایا۔ جب حیدرِ کرارؑ دنیا سے جانے لگے تو حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے حوالے کیا جو رسولؐ کے بیٹے بھی تھے، بنصِ قرآنی اور نواسے بھی تھے۔ از روئے تاریخ اور نائب بھی تھے۔ جب حسنؑ دنیا سے جانے لگے تو یہ دین حضرت امام حسین علیہ السلام کے حوالے ہوا۔ اس میں ملوکیت اور سلطنت کی بات نہیں ہے۔ یہ مذہب کی بات ہے، دین کی بات ہے۔ ان کے کردار مذہبی کردار ہیں۔ یہاں چمک دمک نہیں ملے گی، یہاں کوئی محل وغیرہ نہیں ملیں گے مگر تشریح و توضیح اسلام ملے گی اور جب حسینؑ جانے لگے تو حضرت سید سجاد علیہ السلام کے حوالے کیا اور جب سید سجادؑ جانے لگے تو حضرت محمد باقر علیہ السلام کے حوالے کیا۔ جب محمد باقرؑ جانے لگے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے کیا۔ جب حضرت جعفر صادقؑ جانے لگے تو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حوالے کیا۔ جب موسیٰ کاظمؑ جانے لگے تو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حوالے کیا۔ جب علی رضاؑ جانے لگے تو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حوالے کیا۔ جب محمد تقیؑ جانے لگے تو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے حوالے کیا۔ جب علی نقیؑ جانے لگے تو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حوالے کیا۔ جب حسن عسکریؑ

جانے لگے تو انھوں نے اپنے معصومؑ فرزند امام مہدی علیہ السلام کے حوالے کیا (صلوات)۔

اللہ نے عیسیٰؑ کی طرح ان کو بھی غائب کر دیا تا کہ لوگوں کے ایمان کا امتحان بھی ہوتا رہے اور دین کا کام بھی چلتا رہے۔ یہ سلسلۂ ولایت ہے، سلسلۂ حکومت نہیں ہے، سلسلۂ ولایت ہے۔ یہاں دامن پر پیوند ملیں گے، دھبے نہیں ملیں گے۔ یہاں 'جو' کی روٹی ملے گی، نمک ملے گا، لذیذ غذائیں نہیں ملیں گی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہائش ہو گی، راتوں کی عبادتیں ملیں گی، دن کے روزے ملیں گے۔ اسلام کی تشریح ملے گی، قرآن کی توضیح ملے گی، دین کی وضاحت ملے گی۔ یہاں کردار ملیں گے۔ اگر اسلام سے محبت ہے، اگر دین سے پیار ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام میں ایک نام ہو تو برائے مہربانی ٹھنڈے دل سے سوچیے اور ٹھنڈے دل سے سوچ کر ان کرداروں کو دنیا کے سامنے لائیے جنھوں نے دنیا کو علم دیا ہے، جنھوں نے دنیا کو کردار دیا ہے، جنھوں نے دنیا کو اَخلاق دیا ہے، جو بادشاہتوں سے دبے نہیں، جو حکومتوں سے گھبرائے نہیں، جو طاقت کے آگے جھکے نہیں۔ جن کی زبان سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے رہے، جن کی زبان سے اللہ کے دین کی توضیح و تشریح ہوتی رہی۔ جو قرآن کی وضاحت کرتے رہے، جو حدیث نبویؐ کو دنیا کو سمجھاتے رہے۔ یہ پاکیزہ کردار اگر دنیا کے سامنے پیش کیے جائیں گے تو خود بہ خود سمجھیں گے کہ اسلام کیا اور اگر فاتحین عرب کو پیش کیجیے گا۔ اگر عالی شان محلوں کو پیش کیجیے گا اور ان کو اسلام مانیے گا تو اسلام کے نام پر آپ کو کچھ بدنامیاں ملیں گی اور کچھ نہیں ملے گا۔

عزیزانِ گرامی! یہ ہے وہ مسئلہ جو اپنے دوستوں سے، اپنے بچوں سے اور اپنے نوجوان سے کہتا ہے۔ خدا جانے میں کام یاب رہا یا ناکام۔ کل انشاء اللہ اس کی تفصیل عرض کروں گا اور یہ بھی عرض کردوں کہ کل کی مجلس ذرا تاخیر سے شروع ہوگی اس لیے کہ کل شبِ عاشور ہے۔

## ذکرِ مصائب: شہادتِ علی اکبر علیہ السلام

بہر حال! محرم آتا ہے اور حسینؑ کے چاہنے والے آتے ہیں اور حسینؑ کے نام پر پورے اسلام کا تذکرہ ہوتا ہے۔ کتنی بڑی ذہانت ہے نبیؐ کے نواسے کی کہ جس نے انسانی دلوں کو یوں جیت لیا ہے کہ بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا رئیس، بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا لیڈر بلائے تو مجمع اس عقیدت سے نہیں آتا جس عقیدت سے محرم میں آتا ہے۔

یہ کون بلا رہا ہے؟

کہا: یہ کششِ خونِ شہیداں ہے جو بلا رہا ہے۔ محمدؐ کا اُجڑا گھر ہے، جس گھر میں اللہ نے اسلام بھیجا تھا۔ جہاں قرآن نازل کیا تھا، جہاں جبرئیلؑ آتے تھے۔ وہ گھر ایک دوپہر میں کربلا میں اُجڑ گیا۔ یہ اس کی یاد منانے کے لیے لوگ آتے ہیں اور خاص طور سے آج کی رات سب کے دل بھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ محرم کی نویں رات ہے۔

عزیزو! اس نویں رات میں ہم حسینؑ کے جوان بیٹے علی اکبرؑ کا ماتم کرتے

ہیں۔ اللہ آپ کے جوانوں کو سلامت رکھے (آمین)۔

عاشور کے دن جب میدان آراستہ ہوا تو حسینؑ نے سب سے پہلے علی اکبرؑ کو اجازت دی:

**تَقَدَّمْ یَا وَلَدِی**

"بیٹا علی اکبرؑ آگے بڑھو۔"

اصحابؓ باوفا تڑپ گئے' تلواریں گردنوں پر رکھ لیں اور عرض کیا: مولاؑ! ہمارے سامنے علی اکبرؑ جارہے ہیں' یہ نہیں ہوگا۔

سب نے مل کر علی اکبرؑ کو روک لیا۔ اسی وجہ سے علی اکبرؑ اوّل شہید کہلاتے ہیں۔ جیسے اسماعیلؑ ذبیح ہیں ویسے علی اکبرؑ اوّل شہید ہیں۔ سب سے پہلے اجازت انھیں کو ملی لیکن اصحابؓ جاتے رہے' یہاں تک کہ جب عباسؑ بھی نہ رہے تو اب علی اکبرؑ نے عرض کیا: بابا! مجھے بھی اجازت دیں۔

اب کربلا کے میدان میں ہنگامِ عصر قریب تھا' حسینؑ نے علی اکبرؑ کو روکا نہیں، فرمایا: جاؤ بیٹا! خیمے سے رُخصت ہولو۔

عزادارو!

معتبر کتابوں میں دو ہی رُخصتیں ہیں:

① حسینؑ کی رُخصت ② علی اکبرؑ کی رُخصت

مجھے نہیں معلوم کہ ماں سے کیا کہا' مجھے نہیں معلوم کہ پھوپھی کو کیا کہا' مجھے نہیں معلوم کہ بہن سے کیا باتیں ہوئیں۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ خیمے سے نکلنا

چاہتے تھے' پردہ اٹھتا اور گرتا تھا سیدانیاں" روک لیتی تھیں۔ آخر میں یوں نکلے جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے۔

ہاں! حدیث میں ہے کہ علی اکبرؑ اٹھارہ برس کے تھے۔ بعض چیزیں ایسی ملتی ہیں جن کو پڑھ کر کلیجہ پھٹ جاتا ہے حالاں کہ واقعات ہوتے ہیں مصائب نہیں ہوتے مگر کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ علی اکبرؑ اٹھارہ برس کے تھے' عباسؑ چونتیس برس کے تھے۔ حضرت عباس علیہ السلام کے لیے یہ روایت ملتی ہے کہ بلند قامت جوان تھے' آپؑ کا قد مبارک بلند تھا۔ لیکن تاریخ میں علی اکبر علیہ السلام کے لیے ایک جملہ ملتا ہے کہ جب عباسؑ کے ساتھ چلتے تھے علی اکبرؑ تو شانے سے شانہ ملتا تھا۔

کیا جوانی اسی دن کے لیے آئی تھی؟

خیمے سے نکل کر باپ کے سامنے آئے۔ باپ نے اجازتِ جہاد دی۔ جا کر جہاد کیا۔ ایک بہت بڑا پہلوان تھا اس کو قتل کیا۔ باپ سے ملنے آئے اور ماں سے دَرِ خیمہ پر آ گئیں تو ماں سے بیٹا پہچانا نہیں جا رہا تھا' پنڈلیوں سے خون ٹپک رہا تھا' گلابی ہونٹ خشک ہو گئے تھے' آنکھیں حلقے میں چلی گئیں تھیں کہہ رہے تھے: بابا!

اَلْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِی

"پیاس مارے جا رہی ہے۔"

فرمایا: بیٹا! عن قریب تیرے دادا تجھے ملنے آ رہے ہیں اور تیرا استقبال کریں گے۔ علی اکبرؑ پھر چلے گئے۔ حضرت لیلیٰؑ خیمے میں چلی گئیں۔ اب جس

نے اٹھارہ برس تک پالا تھا وہ درِ خیمہ پر آ گئیں۔

عزیزو! صبح سے لے کر ابھی تھوڑی دیر پہلے تک حسینؑ اکیلے نہیں تھے لیکن اب درِ خیمہ پر حسینؑ اکیلے کھڑے تھے۔

ایک مرتبہ آواز آئی:

بابا!

عَلَيكَ مِنِّی السَّلَام

"میرا آخری سلام لیجیے۔"

حسینؑ چلے اور فرما رہے تھے: یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ! علی اکبرؑ تک پہنچ گئے۔ ابھی تک علی اکبرؑ سانسیں لے رہے تھے باپ کو دیکھا تو عرض کیا: بابا! دادا علیؑ آ گئے ہیں ان کے ہاتھ میں جامِ کوثر ہے۔

حسینؑ نے علی اکبرؑ کو دیکھا' اپنی تنہائی کو دیکھا' علی اکبرؑ کے سرہانے بیٹھے۔ دنیا میں ایسا وقت کسی پر نہ آیا جیسا وقت حسینؑ پر آیا۔ سینے میں برچھی کا پھل ٹوٹ گیا تھا' ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا' ایک ہاتھ سے برچھی کا پھل پکڑا۔ بسم اللہ و باللہ کہہ کر نکالا۔ علی اکبرؑ کا دم نکل گیا۔ حسینؑ نے منہ پر منہ رکھ دیا اور کہا:

یَا بُنَیَّ

"بیٹا! تم مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔"

اب علی اکبرؑ کی لاش کو خیمے میں لے جانا ہے۔

میں کہوں گا: دوستو! چلو حسینؑ اکیلے ہیں......

روایت میں ہے کہ حسینؑ جھکے، بیٹے سے سینہ ملایا، ہاتھوں کو نیچے لے گئے۔

اب جو کھڑے ہوئے تو میت کو لیے ہوئے بقول آلِ رضا:

یا یا علیؑ! امام علیؑ! مرتضیٰ علیؑ!

کڑیل جواں کی لاش اُٹھاتا ہوں یا علیؑ

بیٹے کا لاشہ لیے ہوئے کھڑے ہوئے، خیمے سے زینبؑ نکلیں:

وَا حُسَیْنَاہُ! وَا عَلِیَاہُ!

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

# مجلسِ یازدھم

## موضوع: حقیقی اسلام کی پہچان

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۂ مبارکۂ آلِ عمران: آیت ۱۹)

ارشادِ اقدس جناب ربّ العزت ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

عزیزانِ محترم! میں نے آپ کی خدمت میں گذشتہ دس دنوں میں کوشش کی کہ اسلام کی ایک تصویر آپ کے سامنے آئے اور وہ تصویر ایسی ہو جو اس تصویر سے ذرا الگ ہو جو آج کی دنیا میں پیش کی جا رہی ہے۔ جس میں اسلام کا اَخلاق' اسلام کی انسانیت' اسلام کا انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک' عورتوں' غلاموں اور آپس کا میل جول اور زندگی گزارنے کا طریقہ وہ تمام چیزیں بیان کرنے کی میں نے کوشش کی کہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

آج یہ آخری تقریر ہے زندگی رہی تو ہماری آپس میں آئندہ سال ملاقات ہو گی۔ میں اس آخری تقریر میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے نوجوانوں اور بچوں کے سامنے اسلام کی دو تصویریں پیش کروں:

① ایک اسلام وہ جو دین والا اسلام ہے' مذہب والا اسلام ہے' دھرم والا

اسلام ہے۔

۲ دوسرا اسلام وہ جو حکومت والا اسلام ہے' سلطنت والا اسلام ہے' بادشاہت والا اسلام ہے اور ملوکیت والا اسلام ہے۔

بدنصیبی سے اس دنیا میں ایک اسلام نہیں پایا جاتا ہے بلکہ دو اسلام پائے جاتے ہیں:

۱ مذہب والا اسلام ۲ حکومت والا اسلام

حکومت والا اسلام سامنے رہتا ہے اس لیے اسلام کے نام سے ہر ایک اسی کو جانتا ہے۔ مذہب والا اسلام پیچھے رہتا ہے اس لیے مذہب والے اسلام کے نام سے لوگ واقف نہیں ہیں۔

کربلا کی لڑائی جس کی یاد میں محرم منایا جاتا ہے اور جس کی یاد میں ہم سب آج بھی بیٹھے ہیں اور چودہ سو سال سے یہ سلسلہ چل رہا ہے درحقیقت یہ دو اسلاموں کا ٹکراؤ تھا' یہ دو اسلاموں کے بیچ کی لڑائی تھی۔ ایک مذہب والا اسلام تھا' ایک حکومت والا اسلام تھا۔

آج میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے اور جہاں جہاں میری آواز جا رہی ہے دنیا میں وہاں کے لوگ اس بات کو اس آخری تقریر میں سن لیں کہ کربلا کی لڑائی نہ دولت کے لیے تھی' نہ حکومت کے لیے تھی' نہ سیاست کے لیے تھی' نہ اقتدار کے لیے تھی' نہ جائیداد اور پراپرٹی کے لیے تھی بلکہ کربلا کی لڑائی دو نظریوں کی لڑائی تھی:

۱ ایک نظریہ جس کا نام ہے مذہب۔

② دوسرا نظریہ جس کا نام ہے حکومت۔

یہ لڑائی کس کے بیچ میں لڑی گئی؟

یہ چیز بھی لوگوں کے دماغ میں واضح ہونی چاہیے کہ لڑائی میں دونوں طرف سے قیادت کس کس کی تھی۔ کربلا کی لڑائی میں ایک طرف رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نواسے ہیں' اُن کی بیٹی کے بیٹے' اُن کے وصی اور جانشین کے فرزند حضرت امام حسین علیہ السلام تھے جو ایک اسلام اور ایک نظریے کی قیادت اور سربراہی کر رہے تھے اور نمائندگی کر رہے تھے۔ یہ وہ اسلام تھا' جو مذہب واقعا' اسلام تھا۔ حقیقی اسلام کی سربراہی حضرت امام حسین علیہ السلام کر رہے تھے جو رسولؐ اسلام کے نواسے اور ان کی بیٹی کے بیٹے تھے اور حکومت والے اسلام کی نمائندگی یزید کر رہا تھا۔ جو خاندانی اعتبار سے بنی اُمیہ میں سے تھا اور اس ابوسفیان کا پوتا تھا جو زندگی بھر رسولؐ سے جنگ کرتا رہا اور اس ہندہ کا شوہر تھا جس نے رسولؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ جو لوگ بہت آخر میں مسلمان ہوئے تھے اور جن کو اسلام کی تاریخ "مؤلفۃ القلوب" کا نام دیتی ہے یعنی وہ لوگ جن کا دل اسلام سے راضی نہیں تھا مصلحتاً انھوں نے کلمہ پڑھ لیا۔

قرآن ہم کو یہ بتاتا ہے کہ جب اسلام آیا تو دو طرح کے لوگ اسلام میں شامل ہوئے:

① ایک وہ شامل ہوئے جو اسلام کے پیغام کو سچا مان کر' کھرا مان کر' انسانیت کی نجات مان کر اور انسانیت کی فلاح مان کر شامل ہوئے اور جنھوں نے

یہ سوچا کہ اس پیغام کو مان لینے میں انسانیت کی بھلائی ہے لہٰذا اس کو تسلی کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں ایسے مسلمانوں کی تعریف ہے اور قرآن مجید میں ایسے مسلمانوں کی واہ واہ ہے، ارشاد ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۂ مبارکہ اعراف: آیت ۱۵۷)

"وہ لوگ جو رسولؐ پر ایمان لائے، جنھوں نے رسولؐ کی عزت کی، جنھوں نے رسولؐ کی نصرت کی اور جو اس نور پر ایمان لائے جو رسولؐ کے ساتھ نازل ہوا، نجات پانے والے یہی لوگ ہیں۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (سورۂ مبارکہ فتح: آیت ۲۹)

"رسولؐ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں جو کافروں پر، دشمنانِ اسلام پر بڑے شدید ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بڑی نرم دلی سے پیش آتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بڑے رحم دل ہیں۔"

کہیں ارشاد ہوا:

"جب مخالفین اسلام سے ملتے ہیں تو بہت شان سے ملتے ہیں
اور جب مومنین سے ملتے ہیں تو بہت جھک کر ملتے ہیں، بہت
اخلاق سے ملتے ہیں۔"

یہ وہ لوگ ہیں جو صدق دل سے ایمان لائے اور قرآن پاک نے ان کی
تعریف کی۔

(۲) دوسرے وہ لوگ شامل ہوئے، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دل سے اسلام
نہیں لائے تھے اور جنھوں نے اسلام کو کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر قبول
کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے لیے قرآن نے کہا ہے:

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

"یہ اپنی زبان سے جو کہتے ہیں یہ ان کے دلوں میں نہیں
ہے" (سورۂ مبارکہ آلِ عمران: آیت ۱۶۷)۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

"جب یہ مومنوں میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان
لائے لیکن جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں
کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اُڑا رہے
ہیں (سورۂ مبارکہ بقرہ: آیت ۱۴)۔

انھیں لوگوں کے لیے قرآن نے یہ بات بھی کہی:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (سورۂ مبارکہ منافقون: آیت ۱)

"اے رسولؐ! جب یہ آپؐ کے پاس آتے ہیں اور آپؐ کو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپؐ اللہ کے رسول ہیں مگر اللہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ان کے دل میں اسلام نہیں ہے۔"

مسلمانوں میں دو طرح کے لوگ آ گئے' ایک وہ جو دل سے اسلام قبول کر رہے تھے اور ایک وہ جو صرف زبانی طور پر اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے۔ حقیقت میں انھوں نے اسلام کو تسلیم نہیں کیا۔

دل سے جو اسلام کو قبول کر رہے تھے ان کے پیش نظر خدا تھا' ان کی نگاہوں کے سامنے رسولؐ تھا' ان کی نگاہوں کے سامنے دین تھا' ان کی نگاہوں کے سامنے قرآن تھا' ان کی نگاہوں کے سامنے آخرت تھی اور وہ اپنے کسی عمل سے اللہ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ رسولؐ کو ناخوش نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ انھوں نے اسلام قبول کیا تھا انسانوں کی بھلائی کے لیے اور آخرت میں اپنی نجات اور کام یابی کے لیے۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے مصلحتاً اسلام قبول کیا تھا ان کا اسلام سیاسی تھا۔ سیاسی اسلام میں نماز پڑھی جاتی ہے مگر مصلحتاً۔ بہ ظاہر روزہ رکھا جاتا ہے

اس لیے کہ مسجد میں افطار کر لیں مگر حقیقت میں روزہ نہیں ہوتا ہے۔ اسلام کا نام زیادہ لیا جاتا ہے مگر اسلام پر عمل کم کیا جاتا ہے۔ ان کے دل میں حکومت کی تمنا تھی' ان کے دل میں اقتدار کی تمنا تھی' ان کے دل میں تاج و تخت کی تمنا تھی' ان کے دل میں ملوکیت کی تمنا تھی اور ان کے دل میں سلطنت کی تمنا تھی۔

وہ آدمی جو اللہ کے لیے کہیں جائے گا اس کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ یہ زمین کون لے گیا' یہ جائیداد کون لے گیا' یہ پیسہ کون لے گیا' یہ علاقہ کون لے گیا وہ اللہ کی یاد میں مشغول رہے گا اور اللہ اللہ کرتا رہے گا لیکن جو حکومت کے لیے اور سیاست کے لیے کہیں جائے گا اس کی ایک ایک بات پر نظر ہو گی۔ یہ زمین کس کو ملے گی' یہ جائیداد کس کو ملے گی' اس کاروبار پر کنٹرول کس کا ہو گا اور وہ کوشش کرتا رہے گا کہ کسی طریقے سے اس کو حاصل کر لے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کوشش کے نتیجے میں رسولؐ کے پچاس برس کے اندر اندر' رسولؐ کے دنیا سے اُٹھنے کے پچاس برس کے اندر اندر یزید جیسا شخص تخت حکومت پر آ گیا یعنی اسلام کا جو دین تھا' جو مذہب تھا' جو دھرم تھا اس کو ملوکیت نے' سلطنت نے اغوا کر کے اپنے قبضے میں کر لیا۔

اب یزید اس بات کا دعویٰ کر رہا تھا کہ میں امیر المومنین ہوں یعنی مومنوں کا سردار۔ میں خلیفۃ المسلمین ہوں' میں مسلمانوں کا قائد ہوں' مسلمانوں کا لیڈر ہوں۔ ایک بادشاہ جس کا کردار اسلام سے میل نہیں کھاتا تھا وہ اسلام کا قائد' اسلام کا لیڈر' اسلام کا نمائندہ بنا ہوا تھا۔ اگر اس کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھائی جاتی تو یہی اصلی اسلام بن جاتا اور اصلی مر جاتا۔ مشکل یہ تھی کہ اس کے خلاف کھڑا کون

ہو اس لیے کہ آدمی سے زیادہ دنیا پر اس کی حکومت ہے۔

عزیزانِ گرامی! آج ذرا سی طاقت کے مقابلے میں آدمی بولتے ڈرتا ہے۔ ذرا سی طاقت ہے کسی کے پاس تو لوگ بولتے ہیں کہ بھئی! ہم ان کو کچھ نہیں کہتے' ہم جھگڑا مول نہیں لیں گے' ہم نہیں بولیں گے۔ ہمارے پاس ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ لوگ چپ ہو جاتے ہیں' ہم نہیں بول سکتے۔ جب ذرا ذرا سی طاقت کے سامنے لوگ ہتھیار پھینک دیتے ہیں تو جو اپنے وقت کی لگ بھگ آدھی دنیا پر قابض ہو اس کے سامنے کون کھڑا ہو کر اپنی جان دے گا؟ اپنے بچے کون مروائے گا؟ اپنے گھر کون لٹوائے گا؟ کون اس کو چیلنج کرے گا؟

عزیزانِ گرامی! یہی وجہ تھی کہ یزید تخت پر بیٹھ گیا اور کسی نے اس کو چیلنج نہیں کیا۔ لیکن اس کی شامت آئی جو اس نے محمدؐ کے نواسے کو للکارا۔

محمدؐ کا وہ نواسا' علیؑ و فاطمہؑ کا وہ بیٹا جس نے محمدؐ کی زبان چوسی تھی جس نے محمدؐ کے سینے پر آرام کیا تھا' جو رسولؐ اللہ کے دل کا ٹکڑا تھا وہ مسجد نبویؐ کے گوشے میں بیٹھا عبادت کر رہا تھا' وہ نمازیں پڑھ رہا تھا' وہ دعائیں کر رہا تھا کہ یزید نے ان کو دعائیں پڑھتے میں اور نمازیں پڑھتے میں للکارا اور ان سے کہا:

میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔

اب یہ بھی عربی لفظ ہے اور یہ وضاحت چاہتا ہے کہ ''بیعت کرو'' کا کیا مطلب ہے؟

''بیعت'' عربی لفظ ہے۔ جو لوگ عربی سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ

"بیع" کہتے ہیں بیچنے کو بیعت اسی سے نکلا ہے یعنی کسی چیز کو بیچ ڈالنا۔

بیعت یزید، حسینؓ سے مانگ رہا ہے بادشاہ بننے کے بعد کہ حسینؓ! میری بیعت کرو یعنی میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔

دیکھیے! ہم لوگ جلدی میں سنتے ہیں بات کو مگر میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک لفظ پر رُک رُک کر غور کریں تاکہ بچوں کی سمجھ میں مطلب آجائے۔

حسینؓ! بیچ ڈالو۔ خرید کس کے پاس آتا ہے۔ حسینؓ کے پاس کون سا مال ایسا تھا کہ جس کے پاس وہ آدمی خریدار بن کر آیا جس کی آدھی دنیا پر حکومت تھی۔ اس نے کہا: حسینؓ! یہ مال ہمارے ہاتھ بیچ ڈالا۔ سوال یہ ہے کہ کس مال کا خریدار بن کر آیا اور حسینؓ کے پاس کیا تھا؟

اب یہ بہت غور طلب بات ہے کہ حسینؓ کے پاس کیا تھا؟

حسینؓ کے پاس تاج نہیں تھا جو تاج لینے آیا ہو' تخت نہیں تھا جو تخت لینے آیا ہو' زمینیں نہیں تھیں جو زمینیں لینے آیا ہو' باغات نہیں تھے جو باغات لینے آیا ہو' بڑی پراپرٹی نہیں تھی' بڑے بڑے محل نہیں تھے جو کہے کہ یہ محل ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ حسینؓ تو معمولی لباس پہنتے تھے' معمولی غذا کھاتے تھے' معمولی سے گھر میں رہتے تھے تو خریدار کیا خریدنے آیا ہے؟

اب سمجھ میں آیا کہ یہ جو آدھی دنیا کا بادشاہ تھا یہ حسینؓ سے دین خریدنے آیا تھا۔

کہا: کیا لینے آئے ہو یزید!

کہا: آدمؑ کا علم بیچ دو، نوحؑ کا عزم بیچ دو، ابراہیمؑ کی خلعت بیچ دو، موسیٰؑ کی ہیبت بیچ دو، عیسیٰؑ کا جلال بیچ دو، اسلام کی صداقت بیچ دو، قرآن کی حقانیت بیچ دو، کعبہ کی طہارت بیچ دو، یہ سارے مال لیے بیٹھے ہو، میں بادشاہ ہوں میرے ہاتھ بیچ دو۔

جب خریدار آیا تو حسینؑ نے حقارت سے دیکھا اور فرمایا: میرے جیسے بڑے بادشاہ بیچا نہیں کرتے اسی کو خرید لو۔

میں کہوں گا: مولاؑ! اس گندے کو خرید کر آپؑ کیا کیجیے گا؟

فرمایا: ہاتھ نہیں لگاؤں گا، تمہارے حوالے کر دوں گا، قیامت تک دکھاتے رہنا کہ یہ آیا تھا خریدنے (نعرۂ حیدری)۔

## ذکرِ مصائب: شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام

عزیزانِ گرامی! سوچنے کے قابل بات ہے!

یہ عقیدت ہوتی ہے، سیدہؑ کا لالؑ محتاج نہیں ہے، حسینؑ کو ہمارے آنسوؤں کی ضرورت نہیں، حسینؑ ہمارے محتاج نہیں ہیں، ہم حسینؑ کے محتاج ہیں (صلوات)۔

یہ عزاداری جو ہم کو ملی ہے اور جس میں ہمارا انتخاب ہوا ہے۔ یہ ایک نعمتِ پروردگار ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ آپ کو جو موقع ملا ہے کہ آپ یہاں مجلس میں جمع ہیں اور ذکرِ حسینؑ سن رہے ہیں۔ یہ دعائے سیدہؑ ہے، شہزادیِ جنتؑ کی نگاہ

میں وہ سب بیبیاں اور وہ سب مرد ہیں جو عزاداری میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ عزاداری جو ہے آپ کی یہ دعائے سیدہؑ ہے اور تمنائے زینبؑ ہے۔ شہزادی زینبؑ نے تمنا کی تھی: بیٹا! میں ابھی اپنے بھائی پر روئی نہیں۔

عزیزانِ گرامی!

زندگی رہی تو ہم آپ آئندہ سال پھر ملیں گے۔ اس رونق کی اور اس مجلس کی یہ آخری رات ہے۔ عاشور کی رات' اُداس رات' ویران رات۔ لیلیٰؑ کا چاند ان سے بچھڑنے والا تھا' ربابؑ کا چاند خاک کے گہوارے میں سونے والا تھا' بنی ہاشمؑ کا چاند دریا پر آرام کرنے والا تھا۔

ہماری جانیں فدا ہو جائیں' ہم قربان ہو جائیں حسین علیہ السلام کے ان ساتھیوں پر جو آج کی رات خیموں کے چاروں طرف پھر رہے تھے اور عباس علیہ السلام بھی نیزہ لیے ہوئے خیموں کے گرد گھوم رہے تھے۔ خطرناک رات تھی' ڈراؤنی رات تھی۔ دشمن حملہ نہ کر بیٹھے۔ خیموں کی حفاظت ضروری تھی۔ لیکن آج اصحابِ باوفاؓ بھی تھے جو پہرہ دے رہے تھے' عباس علمدار علیہ السلام بھی تھے جو پہرہ دے رہے تھے۔ لیکن کل رات جو آنے والی ہے' نہ عباسؑ تھے' نہ اصحابؓ تھے' کوئی نہیں تھا' سب آرام کر چکے تھے۔

رات گزر رہی ہے' حسینؑ کے خیموں میں قرآن کریم کی تلاوت' دعائیں' ذکرِ الٰہی' پیاسی زبانیں ذکرِ خدا سے تر ہو رہی ہیں اور اللہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ مائیں اپنے بیٹوں کو سمجھا رہی ہیں: کل قربانیِ آلِ محمدؐ کا دن ہے دیکھو! کل کوئی تم

سے کمی نہ ہو۔ بہنیں اپنے بھائیوں سے کہہ رہی ہیں: بہنوں کی لاج رکھنا۔ بیویاں اپنے شوہروں سے کہہ رہی ہیں: ہمارا خیال نہ کرنا یہ جان حسینؑ پر دے دینا۔ عجیب رات تھی۔

رات گزری' سویرا ہوا' علی اکبر علیہ السلام نے اذان دی۔ حسینؑ کے چھوٹے سے لشکر نے تیمم کر کے نماز پڑھی' اُدھر صفِ دشمن میں لڑنے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اِدھر امام عالی مقام علیہ السلام خیمے میں تشریف لے گئے۔ علم لشکرِ رسولؐ سجایا گیا' عباسؑ کو بلایا گیا۔ عباسؑ کے ہاتھوں میں علم دیا گیا۔ حسینؑ کا چھوٹا سا لشکر میدان میں صف باندھ کر کھڑا ہوا' میمنہ پر زہیرؓ بن قین رضی اللہ عنہ تھے' میسرہ پر حبیب رضی اللہ عنہ تھے' قلبِ لشکر میں علی اکبر علیہ السلام تھے' علمدارِ لشکر عباس علیہ السلام تھے۔ بڑی شان سے لشکر میدان میں آیا۔ آیا تو شام تک لڑتا رہا' صبح سے لڑائی کا بازار گرم ہوا۔ اصحاب باوفاؓ نے دشمن کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ ظہر کی نماز تک حسینؑ کے ساتھی زندہ تھے' ظہر کی نماز کے بعد اصحابؓ شہید ہو گئے۔ اب عزیزوں کی باری آئی۔

سب سے پہلے عقیل علیہ السلام کی اولاد نے اپنی جان دی' پھر جعفر طیار علیہ السلام کی اولاد کام آئی۔ پھر اماموںؑ کے بیٹے کام آتے رہے۔ یہاں تک کہ حسن علیہ السلام کے لالؑ کے ٹکڑے آئے' عباسؑ کی لاش میدان سے نہ آئی' خون میں ڈوبا ہوا علم آیا۔ بوڑھے باپؑ نے جس شان سے جوان بیٹے کی میت اُٹھائی وہ بھی تاریخ میں یادگار رہے گا۔

علی اکبر علیہ السلام کی میت پر جھک گئے' سینے سے دونوں ہاتھ ملا کر کھینچ لے

گئے۔ اب جو کھڑے ہوئے تو علی اکبرؑ کی میت کو لیے ہوئے علی اکبرؑ کا سر حسینؑ کے کندھے پر تھا۔ علی اکبرؑ کا خون دیتا سینہ حسینؑ کے سینے سے ملا تھا۔ علی اکبرؑ کے پاؤں زمین پر خط دے رہے تھے۔ زینبؑ نے منظر دیکھا۔

ارے! میرا لالؑ!

بچے نے مسکرا کر گلے پر تیر کھایا' حسینؑ نے گلے سے تیر کھینچا' چلو لگایا' خون سے چلو بھر گیا' چہرے پر مَلا۔

کہا: قیامت کے دن اپنے ناناؐ کے سامنے یوں ہی جاؤں گا۔ پشت خیمہ پر ایک چھوٹی سی قبر کھودی' ربابؑ کا پھول اس قبر میں سُلا دیا۔ اب رُخصت آخر کے لیے در خیمہ پر آئے۔ چہرہ پر علی اصغرؑ کا خون مَلا ہوا' ہاتھوں میں تربت علی اصغرؑ کی خاک بھری ہوئی۔

آواز دی: زینبؑ واُم کلثومؑ! سکینہؑ ورقیہؑ! تم پر میرا اسلام۔

پس شہزادیؑ دوڑ کر آئیں۔

بھیا! بہن نثار ہو خیمے میں آئیے۔

بہن بھائی کو اپنے ساتھ خیمے میں لے گئی۔ بیمار کربلا حضرت عابد علیہ السلام کے پاس جا کر بیٹھے۔

کہا: بیٹا! سید سجادؑ! باپ رُخصت آخر کو آیا ہے۔

اے بیٹا! جب قید سے چھوٹ کر جانا تو میرے دوستوں کو سلام کہنا۔

اے دوستو! آپ کو حسینؑ نے سلام کہلوایا ہے' جواب سلام دیجیے:

**اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ**

"اے حسین علیہ السلام! تجھ پر سلام ہو۔"

سید سجادؑ سے باتیں کر کے اُٹھے، بہنؑ کو بلایا۔

کہا: بہنؑ! مجھے پرانا لباس دے دو۔

بہنؑ پرانا لباس لائی۔ بہنؑ سمجھ گئیں کیوں مانگا ہے، اس کے لیے جنت سے کپڑے آئے تھے، اب اللہ کی سرکار میں جانے کے لیے کپڑے بدل رہا ہے۔ جگہ جگہ سے لباس پارہ پارہ کیا، لباس کہنہ پہنا۔ بہنؑ سمجھ گئی اب بھائیؑ نہیں آئے گا۔

کہا: بھیاؑ! جا رہے ہیں سیدانیوںؑ کی آرزو پوری کرتے جائیے۔

کہا: کیا تمنا ہے؟

کہا: یہ سب آپؑ کو رُخصت کریں گی۔

کہا: کیوں کر رُخصت کریں گی؟

کہا: ایک حلقہ بنا لیں گی آپ آجانا اس میں۔

لیجیے سیدانیوں نے حلقہ بنایا، حسینؑ آئے، ایک ایک کے چہرے پر نظر کی۔

کہا: دیکھو! میرے غم میں صبر کرنا۔

بقول میر انیس رحمۃ اللہ علیہ:

بکھرائے بال اہل حرمؑ ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہ دین کے سکینہؑ کے ہاتھ تھے

عمامہ ہاتھوں پر لیا: اے خدا! انھیں میرے غم میں صبر دے دے۔ حلقہ

ٹوٹ گیا۔ حسینؑ آگے بڑھے، زینبؑ ساتھ ہیں، سکینہؑ دامن تھامے ہے۔ خیمے کا پردہ اُٹھا حسینؑ باہر نکلے۔ سکینہؑ کو گود میں لیا، آخری پیار کیا۔ زینبؑ نے رکاب تھامی، حسینؑ سوار ہوئے، اپنے لشکر کو دیکھا، سب آرام کر رہے تھے۔

آواز دی: ارے! میرے شیرو!

اِدھر اُدھر دیکھا۔

کہا:

اَینَ اَینَ زُھَیرُ

"زہیرؓ کہاں ہو؟"

اَینَ اَینَ مُسلِمُ

"ارے! مسلمؓ کہاں گئے؟"

اَینَ اَینَ حَبِیبُ

"میرے بچپن کے دوست حبیبؓ کہاں ہو؟"

کائنات دردست آئی، جب کہا:

اَینَ اَینَ وَلَدِی عَلِی اَکبَر

"ارے! میرے بیٹے علی اکبرؑ کہاں ہو؟"

چند قدم آگے بڑھے، رکابوں پر زور دے کر کچھ اُونچے ہوئے، ایک طرف دیکھا، آواز دی:

اَینَ اَینَ اَخِی عَبَّاسُ

"ارے! میرے بھیا عباسؑ! کہاں ہو؟"

آستینیں اُلٹیں، گیسو چہرے سے ہٹے، چہرۂ اقدس چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکا، تلوار ہاتھ میں لے کر حملہ کیا۔

راوی کہتا ہے: بھوکا شیر بھیڑیوں کے گلّے پر ٹوٹ پڑا۔

ارے! تم نے میرے عباسؑ کو مار ڈالا، تم نے میرے علی اکبرؑ کو مار ڈالا۔

ارے! تم نے میرے اصغرؑ کو مار ڈالا۔

آسمان پر نظر کی، تلوار نیام میں رکھی۔

کہا:

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

چاروں طرف سے دشمن پلٹ آئے۔ کسی نے تیر مارا، کسی نے نیزہ مارا، کسی نے خنجر مارا، کسی نے تلوار ماری۔

روشنی بجھا دو رسولؐ کا نواسا شہید ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّـآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ